ویحق اللہ الحق بکلمٰتہ ویقطع دابر الکٰفرین لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون

اور چاہتا ہے اللہ ... کہ حق ثابت کرے ... [illegible] ... گنہگار ناخوش ہوں

کتاب شہادت

تیسرا مقدمہ

حضرت علی رض کے مفروضہ اوصاف اور ان کی تحقیق

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس [illegible] دہلی

ملنے کا پتہ [illegible] اخبار محمدی - دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تیسرا مقدمہ

حضرت علی کے سفر وضع و فضائل اور انکی تحقیق

شیعی علمار کا یہ دعویٰ ہی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی سب سے بڑے زاہد تھے
اس کا جواب یہ ہی کہ یہ محض غلط ہے۔ کیونکہ وہ اہل علم جو ان سب باتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اس امر کی
صاف شہادت دیتے ہیں کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شرعی زہد میں سب سے بڑھے
ہوئے ابوبکر و عمر تھے۔ اسکی دلیل یہ ہی کہ ابوبکر کے پاس اپنی ذاتی کمائی کا بہت کچھ مال تھا۔ اور آپنے
سارا مال راہ خدا میں خیرات کردیا تھا۔ اس لیئے جب آپ خلیفہ ہوئے ہیں تو آپ نے اپنے بال
بچوں کی پرورش کے واسطے اپنا تجارتی کام جاری رکھا۔ ایک دن آپ بازار میں فروخت کرنے کے
لیئے چادریں لیئے جارہے تھے۔ راستہ میں عمر مل گئے۔ پوچھا کہاں جاتے ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے
خلیفہ ہوکے اپنے بال بچوں کے لیئے روزی کمائی چھوڑ دی۔ نہیں میں تو اُن کی پرورش کے لیئے
وہی کام کرتا ہوں جو پہلے کیا کرتا تھا۔ یہ سُنکے عمر خاموش ہو رہے اور سیدھے ابو عبیدہ اور مہاجرین
کے پاس جاکے یہ ساری کیفیت بیان کی کہ ابوبکر بیت المال میں سے اپنے بچوں کی پرورش کے لیئے
بھی ایک پائی نہیں لیتے اور اب بھی اپنی تجارت ہی سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ سب صحابہ کا اس
معاملہ میں مشورہ ہوا اور آخیر یہ بات قرار پائی کہ بیت المال میں سے ابوبکر کو دو درہم روز ملنے

چاہئیں اِس مشورہ کے بعد کل صحابہ ملکے ابوبکر کے پاس آئے اور اپنی تجویز بیان کی۔ ابوبکر نے
کسی قدر وقفہ کے بعد دریافت کیا کہ کیا تم لوگ قسم کھا کے کہتے ہو کہ یہ دو درہم روز بیت المال سے
لینے میرے لیئے مباح ہیں سب نے آپ کے آگے قسمیں کھائیں آخر آپنے صحابہ کی تجویز کو منظور کر لیا
سبحان اللہ اکبر اتنی بڑی مملکت کا خلیفہ یا حاکم چادریں بیچ کے تو اپنی گذر کرے اور اپنے بال بچوں کو پالے
اور جب صحابہ اُس سے دو درہم روزانہ لینے کی درخواست کریں تو اُنھیں قسمیں دیکے پوچھے کہ
یہ دو درہم کیا میرے لیئے مباح ہیں۔ کیا دنیا میں کسی قوم میں بھی ایسی نظیر مل سکتی ہے؟
اور سُنئے جب ابوبکر کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی صاحبزادی عایشہ صدیقہ
کو حکم دیا کہ مسلمانوں کا جسقدر مال میرے مال میں آگیا ہو وہ سب بیت المال ہی میں واپس کر دینا۔
بزرگ و زاہد باپ کے اِس حکم کی تعمیل صدیقہ نے وفات کے بعد فوراً کی۔ آپ کو صرف ایک پھٹی ہوئی
چادر ملی جو ایک درہم کی بھی مشکل سے ہوگی اور ایک حبشیہ لونڈی تھی جو صدیقہ کے شیر خوار بھائی کو دودھ
پلاتی تھی اور ایک حبشی غلام تھا اور ایک آب کش اونٹ تھا اور بس۔ یہ دونوں لونڈی غلام۔ اونٹ
اور پھٹی ہوئی چادر صدیقہ نے فاروق اعظم خلیفہ وقت کے پاس بھجوادی۔ عبدالرحمن بن عوف کو جوں
ہی یہ خبر ہوئی وہ فوراً دوڑے ہوئے فاروق اعظم کے پاس آئے اور کہا ہائیں ابوبکر کے بال بچوں
کے پاس سوائے اُن چیزوں کے اور رکھا ہی کیا ہے تم اُن سے انھیں بھی چھینے لیتے ہو۔ فاروق اعظم
نے جواب دیا سنو عبدالرحمن قسم ہے رب کعبہ کی ابوبکر نے اپنی زندگی بھر میں بھی اس سے کسی قسم کا گناہ نہیں
لیا اب اِن کی وفات کے بعد میں اس کا متحمل ہوتا ہوں غرض وہ چیزیں سب بیت المال میں داخل رہیں۔
علی کے زاہد ہونے کا ہم انکار نہیں کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر اور علی کے زہد میں زمین آسمان
فرق ہے۔ علی کی کوئی ہستی زہد میں ابوبکر کے آگے نہیں تھی۔ سنو اور خوب توجہ سے میری طرف دھیان
دو کہ ابوبکر ابتدا اسلام میں بڑے مالدار تھے۔ ان کی تجارت کا معقول پیمانہ پر کاروبار ہوتا تھا اُنھوں
نے اپنا کل مال متاع راہ خدا میں دیدیا اور آخر اُن کی مالی حالت ایسی کمزور ہو گئی کہ بعد وفات
سوائے ایک پھٹی ہوئی چادر اور ایک اونٹ کے اُنکے پاس کچھ نہ نکلا اور آخر وہ بھی مسلمانوں کے
حوالہ کر دیا گیا۔
اب اُس کے مقابلہ میں حضرت علی کو دیکھا جائے جیسا کہ ابن زنجویہ نے لکھا ہے کہ علی ابتدا اسلام

میں بہت تنگ دست تھے اپنے بال بچوں کا خرچ بھی بمشکل چلاتے تھے مگر چند سال کے بعد آپ زرعی زمین اور باغات کے مالک بن گئے۔ اور جب آپ شہید ہوئے ہیں تو آپ کے ۱۹ غلام اور چار بیویاں تھیں۔ یہ اللہ کا شکر ہو کہ یہ سب کچھ مباح ہی تھا مگر علی نے اپنے مال کو بیت المال میں داخل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ آپ کی وفات کے بعد امام حسن نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور اُس میں یہ بیان کیا کہ ہمارے باپ نے سوائے سات سو درہم کے جو اُن کی کمائی کے ہیں زر نقد اور کچھ نہیں چھوڑا۔

پھر اسود بن عامر نے شریک نخعی سے اُنھوں نے عاصم بن کلیب سے اُنھوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہو کہ علی نے خود اِس بات کا اقرار کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھوکا رہنے کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رکھتا تھا اور اب میرے مال کی زکوٰۃ چالیس ہزار درہموں تک پہنچتی ہی۔

یہ روایت امام احمد نے حجاج سے اور اُنھوں نے شریک سے نقل کی ہو اُنکے علاوہ ابراہیم بن سعید جوہری نے بھی اُسے نقل کیا ہو اسمیں فرق اتنا ہے کہ بجائے چالیس ہزار درہم کے چار ہزار اشرفیاں زکوٰۃ کی بیان کی گئی ہیں۔

اَب آپ انصاف سے بلا رو رعایت ابوبکر اور علی کے زہد کا موازنہ کر کے دیکھ لیں اسپر زیادہ لکھنے کی ضرورت ہی نہ بحث کرنے کی اس بات کے لیئے دلیل کی بھی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ ابتدار اسلام میں علی مفلس محض تھے اور ابوبکر قبل از اسلام بڑے مالدار تھے۔ آپ چالیس ہزار اشرفیوں کے مالک تھے جو آپ نے راہ خدا میں دیدیں اور بہت سے بیکس اور بے بس مظلوم سلمان غلاموں کو جو ایمان لانے کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا تھے رہا کرایا۔ یہ سب مظلوم اور کمزور تھے ان رہا شدہ غلاموں کا تنکے توڑنے کا بھی احسان ابوبکر پر نہیں ہی۔ جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر نے ہجرت کی ہی تو چالیس ہزار اشرفیوں میں سے صرف چھ ہزار درہم آپ کے پاس رہ گئے تھے۔ اور یہ کل درہم آپ اپنے ساتھ ہی لے آئے تھے۔ اپنے بی بی بچوں کے لیئے اسمیں سے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا۔ مدینہ پہنچ کے وہ بھی سب راہ خدا میں دیدئے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا آپ کے پاس صرف ایک قمیص رہ گئی تھی۔ جب لیٹتے تو اُسے اُتار کے بچھا لیتے اور جب اُٹھتے تو اُسے پہن لیتے۔ آپ کے سوا اور صحابہ خاصے دولتمند

ہو گئے تھے بڑی بڑی زمینیں پیدا کر لی تھیں اور صاحب جائداد بن گئے تھے۔ مانا کہ یہ سب حلال ہی تھا مگر تو بھی جس نے اسکے عوض میں صرف اللہ ہی کو اختیار کیا اور سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اُس شخص سے بیشک زیادہ زاہد ہی جس نے خرچ بھی کیا اور جمع بھی کیا۔

اَب اور سُنئے پھر آپ خلیفہ کئے گئے تو اس حالت میں بھی نہ لونڈیاں بھریں نہ مال و دولت جمع کیا۔ مرتے دم تک اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بیت المال میں سے سوائے قلیل مقدار کے کچھ نہیں لیا اور جو کچھ بچا اُسکے لئے بھی بیت المال میں داخل کرنے کی وصیت کر دی جسکا ذکر آپ ابھی اُوپر پڑھ چکے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھئے کہ ابو بکر کی جتنی چیزیں بیت المال میں داخل ہوئیں اُن کی ذاتی ملک تھیں کیونکہ وہ ان کے ان حصوں میں آئی ہوئی تھیں جو اُنھوں نے حضور انور کی ہمرکاب ہو کے اور آپ کے بعد جہاد کئے تھے اور حصہ رسد آپکو ملی تھیں کوئی کہہ سکتا ہی کہ صحابہ میں سے ایک شخص بھی زہد میں ابو بکر کی برابری کر سکتا ہی؟ ہاں آپکے بعد مہاجرین اولین میں سے اہان اور ابو عبید کی بیشک تعریف کیجاتی ہی یہ دونوں اِسی طریقے پر رہے جس طریقہ پر اُنھوں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا۔ ابو بکر کے قدم بقدم اگر کوئی رہا تو وہ عمر فاروق تھے۔ کیونکہ مال اور عیش و عشرت سے اعراض کرنے میں وہ علی سے ہزاروں درجہ زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔

سب اس پر متفق ہیں اور یہ بات بتواتر ثابت ہی کہ جس وقت حضرت علی کا انتقال ہوا آپ کے خادموں اور غلاموں کی ایک بہت معقول تعداد تھی۔ ان کے علاوہ چار بیویاں۔ انیس[19] ام ولد۔ چوبیس لڑکے لڑکیاں۔ یہ تو آپ کا انسانی کنبہ تھا اَب جائداد دیکھی جائے تو وہ بھی اتنی تھی کہ آپ اپنے خاندان میں سب سے بڑے دولتمند مشہور تھے۔ منجملہ ان کی زمینوں کے ایک ینبع زمین تھی جو آپ نے وقف کر دی تھی جس میں علاوہ اور پیداوار کے ایک ہزار وسق چھوہارے آیا کرتے تھے لہذا اس ثروت کو ابو بکر کے زہد سے کیا نسبت ہے۔

باقی بال بچوں کی محبت اور ان کی طرف میلان ہونا یہ بھی دیکھ لیا جائے۔ ابو بکر کے قرابت دار تو ایسے لوگ تھے جیسے مہاجرین اولین میں سے طلحہ بن عبد اللہ جو اسلامی فضایل میں ایک خاص حصہ رکھتے تھے اور آپ کے صاحبزادے عبد الرحمان بن ابی بکر تھے جو ابتدا سے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی فیض بخش مبارک صحبت میں رہے اور ہجرت سابقہ کی مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ابو بکر

نے اِن میں سے کیسکو کہیں کا عامل نہیں بنایا۔ حالانکہ سلطنت بہت وسیع تھی۔ عمان۔ حضرموت
بحرین۔ یمامہ۔ طائف۔ مکہ۔ اور حجاز کے تمام صوبے آپ کے تحت میں تھے اگر آپ اپنے
رشتہ داروں میں سے یا عبدالرحمٰن اپنے بیٹے کو ان میں سے ایک صوبہ کا عامل بنا دیتے تو قباحت
ہی کیا تھی۔ مگر آپ مہاباۃ سے ڈرے اور یہ خیال کیا کہ ایسا کرنے میں کہیں میری ذاتی خواہش شامل نہ ہو جائے۔
پھر فاروق اعظم کو خیال کرو کہ آپ نے باوجود اتنی وسعت سلطنت کے بنی عدی بن کعب میں
سے کسی کو عامل نہیں کیا سوائے ایک نعمان بن عدی کے جو میسان کا گورنر بنا دیا گیا تھا لیکن چند روز
کے بعد اسے معزول کر دیا اس لیئے اس کا گورنر ہونا نہ ہونا یکساں ہی۔ اَب بنی عدی پر خیال کیا جائے
کہ وہ کیسے اِسلام کے شیدا تھے اور اُن کی ہجرت سب سے بہتر اور اعلیٰ تھی۔ واقعی یہ سنکے تعجب ہوتا ہی کہ
قریشی خاندانوں میں صرف ایک یہی بنی عدی خاندان تھا جسکا ایک متنفس بھی مکہ میں نہ رہا تھا اور سبکے
سب حضور انور کے بعد مدینہ چلے آئے تھے۔ ان ہی مہاجرین اولین میں سے سعید بن زید۔
ابو لحم بن حذیفہ۔ خارجہ بن حذافہ۔ معمر بن عبداللہ وغیرہ ہیں۔
اور یہ بات بھی دیکھنے کی ہی کہ نہ ابو بکر نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو نہ عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو
اپنے بعد خلیفہ بنایا۔ خلیفہ بنانا تو کیسا کہیں کا عامل بھی تو نہیں کیا۔ حالانکہ یہ فضلاء صحابہ و بہترین صحابیوں
میں سے تھے۔ اکثر صحابہ ان کی خلافت پر رضامند بھی تھے اور اگر یہ دونوں یا ان میں سے ایک
خلیفہ بنا دیا جاتا تو کوئی معترض نہ ہوتا۔
اَب اِن کے مقابلہ میں علی کو دیکھا جائے کہ جب وہ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں
نے گورنری جیسے مہتم بالشان عہدہ پر اپنے رشتہ داروں کو اندھا دھند بھر دیا۔ مثلاً ابن عباس
بصرہ کے گورنر بنائے گئے۔ عبیداللہ ابن عباس یمن کے اور عباس کے دو بیٹے قثم اور سعید کو مکہ اور
مدینہ کا گورنر کیا گیا۔ اور اپنے بھانجے یعنے اُم ہانی بنت ابو طالب کے بیٹے جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان
کا گورنر بنا دیا اور اپنے گیلڑ یعنی ہمدوی کے بیٹے محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری سونپی اور ساتھ ہی
اسکے برخلاف ابو بکر و عمر کے علی کی یہ خواہش تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا حسن خلیفہ بنایا جائے۔
ان سب باتوں کو دیکھنے کے بعد صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ زہد میں ابو بکر و عمر کے مقابلہ میں علی
کی کوئی ہستی نہیں ہی اور یہ دونوں سب صحابہ سے زیادہ زاہد تھے اور اُسپر سب کا اتفاق ہی۔

حضرت علی کے زہد کا دوسرا بیان

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علی نے دنیا کو تین طلاقیں دیدی تھیں۔ آپ کی خوراک نیم کوفتہ جو تھے۔ انھیں بھی آپ مُہر لگا کے رکھتے تھے کہ کہیں ابوبکر و عمر ان میں نمک وغیرہ نہ ڈلوادیں۔ آپ بہت موٹے کم قیمت اور ادنیٰ درجہ کے کپڑے پہنا کرتے تھے اور ان کپڑوں میں اسقدر پیوند لگواتے تھے کہ پیوند لگانے والا بھی شرماجاتا تھا آپ کی تلوار کا پرتلا اور آپ کے جوتے کھجور کی چھال کے ہوتے تھے۔

(پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) اخطب خوارزم نے عمار سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ علی سے فرماتے تھے کہ تمھیں اللہ نے ایسی زینت سے مزین کیا ہے کہ اُس سے اپنے اور بندوں کو مزین نہیں کیا اور تمھاری زینت سے زیادہ اللہ کو اور کوئی زینت محبوب نہیں ہے۔ دنیا میں تمھارا یہی زہد بس زہد ہے۔ سب فقراء کے دلوں میں تمھاری محبت بھردی گئی ہے میں ان فقراء سے اس بناء پر راضی ہوں کہ وہ تمھارے پیرو ہیں اور تمھارے امام ہونے سے خوش ہیں اے علی اس شخص کو خوشی کرنی چاہیئے جسے تم سے محبت ہو اور تمھاری تصدیق کرے اور وہ بدبخت ہے جو تم سے بغض رکھے اور تمھاری تکذیب کرے۔ جو لوگ تم سے محبت رکھیں اور تمھاری تصدیق کریں وہ تمھارے دین میں تمھارے بھائی ہیں اور جنت میں تمھارے پاس رہیں گے۔ اور جو تم سے بغض رکھیں اور تمھاری تکذیب کریں تو اللہ کو واجب ہے کہ قیامت کے دن انھیں جھوٹوں میں کھڑا کرے

(پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں) سوید بن غفلہ کہتے ہیں میں ایک روز عصر کے وقت علی کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ آپ تشریف رکھتے ہیں اور آپ کے آگے گرم دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ رکھا ہے۔ وہ دودھ اس قدر ترش اور سڑا ہوا تھا کہ اُسکی بدبو دور ہی سے میری ناک میں آئی۔ آپ کے ہاتھ میں ایک روٹی بھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ جو کی بھوسی آپ کے لبوں پر لگی ہوئی ہے۔ آپ کبھی تو اُس روٹی کو ہاتھوں سے توڑتے تھے اور جب ہاتھوں سے نہ ٹوٹ سکتی تھی تو اپنے گھٹنوں سے توڑ کے اُوپر والے دودھ میں ڈبو دیتے تھے۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ سوید آؤ ہمارے اس کھانے میں سے کچھ تم بھی کھالو میں نے عرض کیا میں روزے سے ہوں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کا روزہ اُسے ایسے کھانے سے روکے جسکے کھانے کو اُس کا دل چاہتا ہو تو اللہ پر واجب ہے کہ وہ بہشتی کھانے کھلائے اور وہاں کی شرابیں پلائے۔ وہیں آپکی لونڈی بھی کھڑی تھی میں نے

اس سے کہا اے فضہ (لونڈی کا نام) بڑے افسوس کی بات ہے کیا تجھے خدا کا خوف نہیں کہ تو اس بڑھاپے میں انکی خبر گیری نہیں کرتی انکی روٹی میں بھوسی صاف معلوم ہو رہی ہے کیا اس آٹے کو چھاننا نہیں تھا اُس نے جواب دیا یہ آپ کیا فرماتے ہیں ہم سے تو جناب امیر نے عہد لیلیا ہے کہ ہم انکے آٹے کو چھانا نہ کریں۔

اس کے علاوہ علیحدگی میں جو کچھ باتیں میری فضہ سے ہوئیں میں نے جناب امیر کی خدمت میں عرض کیں فرمایا میرے ماں باپ اُس پر قربان ہوں جس کے لئے کبھی آٹا چھانا نہیں گیا نہ اُس نے کبھی تین روز گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کے کھائی یہانتک کہ اللہ عزوجل نے اُس کی روح قبض کرلی۔

ایک دن آپ نے گاڑھے کے دو کپڑے خریدے پھر آپنے اپنے غلام قنبر کو اختیار دیدیا کہ ان میں سے جون سا تو چاہے لیلے چنانچہ ایک اس نے لے لیا اور دوسرا آپ نے پہن لیا۔ آپ کی آستین انگلیوں سے نکلی ہوئی تھی آپ نے اُس آستین کو اُسیوقت کتر دیا۔

ضرار بن ضمرہ کہتے ہیں امیرالمومنین علی کے قتل ہو جانے کے بعد میں ایک دن معاویہ کے پاس گیا۔ اُنھوں نے مجھسے کہا علی کے کچھ اوصاف بیان کرو میں نے کہا مجھے اس سے معاف رکھئے معاویہ نے کہا نہیں ضرور بیان کرنے ہوں گے۔ میں نے کہا اچھا آپ مجھپر اتنا اصرار کرتے ہیں تو مَیں خدا کی قسم کھا کے بیان کرتا ہوں کہ وہ بڑے عاقل اور قوی شخص تھے۔ منصفانہ حکم دیتے تھے فیصلہ کرنے میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے۔ ان کے ہر طرف سے حکمت بولتی تھی وہ دنیا سے اور دنیا کی زینت سے وحشت کرتے تھے اور رات اور اُس کی تاریکی سے انھیں انس تھا۔ وہ ہر وقت خوف خدا سے روتے اور سوچ و فکر میں رہتے تھے۔ انھیں موٹا جھوٹا لباس پسند تھا۔ وہ بہت ہی ادنیٰ درجہ کے کھانے خوش ہو کے کھایا کرتے تھے وہ ہم میں ہماری ہی طرح بے تکلف رہتے تھے۔ جس وقت ہم ان سے کچھ دریافت کرتے تھے فوراً جواب دیتے تھے اور جب ہم باتیں کرتے تھے باتیں کرنے لگتے تھے۔ اللہ کی قسم باوجودیکہ ہم ہر وقت اُن کے پاس بیٹھتے اُٹھتے تھے لیکن ان کا رعب ایسا تھا کہ اُن سے بات کرتے ہوئے ہمارا دم بند ہوتا تھا وہ اہل دین کی تعظیم کرتے تھے۔ مساکین کو اپنے پاس بٹھلاتے تھے۔ قوی کی کچھ رعایت نہ کرتے تھے اور ضعیف پر ظلم نہ کرتے تھے مَیں اللہ کو حاضر ناظر جان کے کہتا ہوں بیشک میں نے سنا ہے آپ یہ فرمایا کرتے تھے اے دنیا مجھے چھوڑ اور کسی اور کو فریب دے تو مجھ سے مونہ موڑتی ہے یا میری شائق ہے خبردار میں تو تجھے تین

مغلظ طلاقیں دے چکا ہوں اب میں تجھ سے رجعت نہیں کر سکتا۔ تیری عمر تھوڑی ہی تیرے فریب لاتعداد ہیں۔ تیرے عیش و عشرت حقیر ہیں۔ ہائے افسوس زاد راہ تھوڑا ہے اور سفر دور کا ہے۔ راستہ خطرناک ہے۔

میں یہاں تک کہنے پایا تھا کہ معاویہ رونے لگے اور کہا ابو الحسن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اُن کی مغفرت کرے۔ بیشک وہ ایسے ہی تھے۔ پھر معاویہ کہنے لگے اے ضرار تجھے اُنکا کیسا غم ہی؟ میں نے کہا مجھے ایسا غم ہی جیسا اُس عورت کو ہو جسکا بچہ اُس کی گود میں ذبح کر دیا جائے کہ اُس کے آنسو تھمتے ہیں اور نہ اُسے رنج سے کبھی تسکین ہوتی ہی

جواب

مال و دولت کے بارے میں علی کے زاہد ہونے میں کوئی شک نہیں مگر بحث یہ ہی کہ آیا علی ابو بکر سے زیادہ زاہد تھے یا نہیں۔ جو کچھ شیعی علمار نے بیان کیا ہی اُس میں کوئی امر ایسا نہیں ہی جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ علی ابو بکر سے زیادہ زاہد تھے۔ جو باتیں اس میں حق ہیں وہ ہم پہلے ہی سے تسلیم کر چکے ہیں اور باقی باتیں کیا تو جھوٹی ہیں یا ایسی ہیں کہ کچھ زیادہ تعریف کے قابل نہیں ہیں۔

حضرت علی سے مشہور تو فقط اتنا ہی کہ ایک دفعہ آپ نے یہ فرمایا تھا اے چاندی سونے میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اب تو مجھے چھوڑ اور کسی اور ہی کو فریب دے میں اب تجھسے رجعت نہیں کر سکتا۔ فقط

مگر یہ کہنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس سے زیادہ زاہد تھے جس نے یہ الفاظ نہیں کہے اسلیئے کہ ہمارے نبی اور ان سے پہلے اور پیغمبروں نے کبھی یہ الفاظ نہیں کہے باوجودیکہ وہ زہد میں علی سے بدرجہا زیادہ تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی دیکھنے کی ہی کہ جب انسان زہد کرتا ہی تو منہ سے یہ نہیں کہتا کہ میں زاہد ہو گیا ہوں اور یہ کوئی قاعدہ نہیں ہی کہ جس نے زبان سے کہدیا کہ میں زاہد ہوں وہ تو زاہد شمار کیا جائے اور جس نے زبان سے نہ کہا ہو وہ زاہد نہ گنا جائے۔ اب شیعی علمار کا یہ کہنا کہ حضرت علی نیم کوفتہ جو کھایا کرتے تھے اور ان میں نمک نہ پڑتا تھا اس میں بھی زہد کی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ اوّل تو یہ کہ یہ کہانی یقیناً جھوٹ ہی دوسرے اس میں کوئی تعریف کی بات نہیں ہے اسلیئے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کل زاہدوں کے پیشوا تھے مگر ماحضر کو کبھی رد نہ کیا

کرتے تھے اور جو نہ ہوتا تھا اُسکے نہ ہونے کا تکلف نہیں کرتے تھے۔ مرغ کا گوشت ہوا تو وہ نوشجاں فرمالیا اور اگر بکرے کا گوشت ہوا تو وہ تناول فرمالیا یا حلوہ یا شہد یا کسی قسم کا میوہ ہوا تو وہ کھالیا اور اگر کچھ بھی نہ ہوا تو اُس میں کچھ تکلف نہیں کیا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جس وقت کھانا آتا تھا بھوک ہوئی تو کھالیا نہ بھوک ہوئی نہ کھایا۔ بعض اوقات بھوک کی شدت سے آپ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ مہینہ دو دو مہینے ایسے بھی گزر جاتے تھے کہ آپ کے گھر میں چولھا نہ سُلگتا تھا۔

صحیحین میں ثابت ہی کہ چند آدمی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ زہد اور دین داری کے بڑے شایق تھے ایک کہنے لگا میں تو ہمیشہ روزے ہی رکھا کروں گا کبھی افطار نہ کرونگا۔ دوسرا بولا میں تو ہمیشہ رات کو نماز ہی پڑھا کروں گا کبھی نہ سوؤں گا۔ تیسرا بولا میں کبھی شادی نہیں کرونگا چوتھا بولا میں کبھی گوشت نہ کھاؤں گا۔ حضور انور نے چاروں کی یہ باتیں سُنکے ارشاد کیا۔ میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں میری بیویاں بھی ہیں۔ اور گوشت بھی کھاتا ہوں۔ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھسے اور میرے طریقہ پر نہیں ہی۔ خیال تو کیجے کہ حضرت علی جیسے فدائی اسلام پر کیونکر گمان ہو سکتا ہی کہ اُنھوں نے اپنے نبی کی سنت سے اعراض کیا۔ کیا غضب کی بات ہے کہ اس خطرناک حالت یعنی سنت سے اعراض کرنے کو حضرت علی کے مناقب میں شمار کیا جاتا ہی۔ لاحول ولا قوۃ

اَب یہ بات دریافت طلب ہی کہ جب علی عراق کے حاکم تھے آیا اُس وقت بھی بے نمک نیم کوفتہ جَو کھایا کرتے تھے نہ گیہوں کی روٹی کھاتے تھے اور نہ گوشت حالانکہ متواتر روایتیں اس کے بالکل خلاف ہیں کیا صحابہ میں کوئی ایسا ہوا جس نے خلاف سنت ایسا کیا ہو یا ان میں سے کسی نے ایسا کہا ہی کہ ایسا کرنا مستحب ہی۔

فضہ چھوکری کی نسبت ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس نام کی کوئی لونڈی نہ حضرت علی کے پاس تھی اور نہ حضرت خاتون محشر کے پاس یہانتک کہ مدینہ بھر میں اس نام کی کوئی لونڈی کسی مہاجر یا انصار کے پاس نہ تھی شیعی علماء کے دماغ نے اس لونڈی کو پیدا کیا اور پھر اُنھوں نے اپنی طرف سے روایتیں تصنیف کرکے اس فرضی ہیولے کے سر چپک دیں۔

اَب شیعی علماء کا یہ قول کہ علی کی تلوار کا پرتلہ اور اُن کے جوتے کھجور کے پٹھوں کے ہوتے

تھے یہ بھی محض غلط ہی اور اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں بھی کسی قسم کی تعریف نہیں ہی۔ کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہی کہ حضور انور کے جوتے چمڑے کے ہوتے تھے اور حضور انور کی تلوار کا پڑتلہ سونے چاندی کا تھا۔ جب چمڑے وغیرہ کا سامان بہتر آسکتا ہی تو کونسی تعریف کی بات ہی کہ اُس سے نفرت کیجائے اور کھجور کی چھال کو کام میں لایا جائے یہ سامان بہتر نہو تو بات اور ہی ابو امامہ باہلی نے کہا ہی "لقد فتح البلاد اقوام کانت ختم خیلھم لیفا و رکبھم العلابی" یعنی ایسی قوموں نے بہت سے ملک فتح کر لیے جن کے گھوڑوں کی ڈوریں لیف کی تھیں اور جنکی سواریاں مریل اونٹ تھے (اسے بخاری نے روایت کیا ہی)

آپ نفس ان حدیثوں پر خیال کرو کہ عمار کی حدیث موضوعات میں سے ہی اسی طرح سوید بن غفلہ کی حدیث بھی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہی۔ باقی کپڑے والی روایت جو حضرت علی نے خریدا تھا معروف ہی اور ضرار بن ضمرہ کی حدیث بھی نقل کی گئی ہی لیکن ان دونوں حدیثوں میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ علی ابوبکر وعمر سے زیادہ زاہد تھے۔ اور اصل میں گفتگو اسی میں ہی جو شخص عمرؓ کی سیرت۔ ان کے انصاف اور ان کے زہد سے واقف ہوگا اور اس سے بھی کہ انھوں نے اپنے رشتہ داروں کو کسی قسم کی حکومت نہیں دی اور اپنے بیٹے کی تنخواہ ان کے ہم عمروں سے بھی کم کردی تھی۔ اسی طرح اپنی بیٹی سے بھی یہی سلوک کیا۔ باوجودیکہ قیصر وکسریٰ کے خزانے آپ نے فتح کر کے مسلمانوں کو تقسیم کردئے تھے مگر اپنی فقیرانہ وضع اور سادی معاشرت میں ذرا فرق نہیں آنے دیا تھا۔ اُسکے مقابل میں جو کچھ علی نے تقسیم کیا وہ عمر کی فتوحات کا ایک جز تھا اور جس وقت عمر کا انتقال ہوا اسی ہزار درہم ان کے ذمہ تھے تو اس شخص کو متعدد طریقوں سے یہ یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ عمر علی سے بیشک زیادہ زاہد تھے اور عمر سے ابوبکر کے زیادہ زاہد ہونے میں تو کسی کو بھی شک نہیں ہی۔

حضرت علی کے زہد کا تیسرا بیان

شیعی علما فرماتے ہیں کہ زہد میں نہ کوئی علی کے برابر ہو سکا اور نہ کوئی ان سے بڑھ سکا اور جب سب سے زیادہ زاہد یہی ہیں تو بس وہی امام ہوئے کیونکہ مفضول فاضل سے متقدم نہیں ہوا کرتا۔ فقط

جواب

یہ دونوں قضیے باطل اور غلط ہیں۔ علی ابوبکر وعمر سے زیادہ زاہد ہرگز نہ تھے اور نہ یہ کوئی قاعدہ ہی کہ جو سب سے زیادہ زاہد ہو وہی امامت کا حق دار ہو۔

سُنو اور غور کرو کہ علی کے پاس مال و دولت۔ لونڈی غلام اور بال بچے اتنے تھے کہ نہ ابوبکر کے پاس تھے نہ عمر کے عبداللہ بن احمد نے کعب قرظی سے مرفوعاً روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ میں رسول خدا کے زمانہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا تھا اور آج میرے مال کی زکواۃ چالیس ہزار آدمیوں پر تقسیم ہوتی ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے تو بھی اُس کا مقابلہ ضرور کرتی ہے جو کہتا ہے کہ عراق میں علی صرف جَو ہی کی روٹی کھایا کرتے تھے اور وہ بھی بے نمک۔

اسمیں ذرا شک نہیں کہ ابوبکر و عمر سے زیادہ علی کے پاس مال و دولت تھی آمدنی کی کئی صورتیں تھیں ایک تو وہ تنخواہ تھی جو عمر علی کو اور ان کے بال بچوں کو دیا کرتے تھے اور وہ بہت معقول رقم تھی اتنی کہ اگر یہی اکیلی آمدنی ہوتی جب بھی بہت کافی تھی کیونکہ قریش کے کل قبائل سے علی اور اُن کے بچوں کو زیادہ دیا جاتا تھا۔ عمر نے نہ اتنا بنی عدی کو دیا اور نہ بنی تیمی کو نہ عرب کے دوسرے خاندانوں کے کسی آدمی کو دیا۔ غرض عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو سب سے زیادہ دیا کرتے تھے ایک تنہا عمر کا علی کو دینا اُن کی دولتمندی کو کافی طور پر ثابت کرتا ہے۔ مگر اس آمدنی کے علاوہ وہ صاحب جائداد تھے کھجوروں کے باغات۔ زرعی زمینیں ان کی ملک تھیں انھیں کافی طور پر ان سے آمدنی تھی آپ نے ایک بہت بڑی جائداد بھی وقف کردی تھی جس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ آپ کیسے صاحب ثروت تھے عمر نے بھی اپنا خیبر والا حصہ وقف کر دیا تھا مگر ان کے پاس سوائے اسکے اور کچھ نہ تھا کہ وقف کرتے علی کے پاس غیر وقف شدہ جائداد ینبع وغیرہ میں اتنی تھی جس سے ایک شخص مالدار بن سکتا ہے۔

حضرت علی کی عبادت

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی سب سے زیادہ عابد تھے۔ دن کو روزے رکھتے تھے رات کو نمازیں پڑھتے تھے۔ رات کی نمازوں کی نفلیں اور اکثر عبادتیں لوگوں نے ان ہی سے سیکھی ہیں اور آپ کا باقی سارا وقت ادعیۂ ماثورہ ہی میں گزرتا تھا۔ آپ ایک رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے سوائے لیلۃ الحصیر کے۔ آپ کی رات کی نماز میں کبھی خلل نہیں آیا۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک جنگ میں دیکھا کہ آپ آفتاب کو دیکھ رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا اَے امیرالمومنین کیا ملاحظہ ہو رہا ہے؟ فرمایا میں زوال کو دیکھ رہا ہوں وقت ہو جائے تو نماز پڑھ لوں۔ میں نے کہا اس وقت جبکہ میدان کا رزار گرم ہے فرمایا ہم تو شدید سے

شدید جنگ میں بھی اپنی نمازیں قضا نہیں کیا کرتے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ ایسے نازک اوقات میں بھی عبادت کو اول وقت ادا کرنے میں ذرا غفلت نہ کرتے تھے۔ اگر کسی جنگ میں آپ کے جسم مبارک میں نیزہ یا تلوار وغیرہ گھس جاتی تھی اور لوگ اُس کے نکالنے کا ارادہ کرتے تھے اور اتنے میں نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو آپ اُسے یوں ہی چھوڑ دیتے تھے اور نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور اللہ کے سوا ہر چیز سے بےخبر ہو جاتے تھے۔ لوگ نماز کی حالت میں اُس چبھے ہوئے نیزے کو نکال لیتے تھے اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ آپ نے نماز اور زکوٰۃ دونوں کو جمع کر دیا تھا یعنے رکوع کرتے ہوئے خیرات کی تھی اِس پر اللہ نے ایک آیت نازل فرمائی جو قرآن میں اب بھی پڑھی جاتی ہے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا سارا کھانا تین روز تک خیرات کیا تھا یہاں تک کہ ان ہی کے حق میں اللہ نے یہ نازل فرمایا هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ

آپ نے رات کو اور دن کو خفیہ و علانیہ صدقہ دیا تھا اور رسول اللہ سے کچھ راز کی باتیں کی تھیں اور اس سے پہلے اُنھوں نے ہی صدقہ دیا تھا اس بارے میں بھی اللہ نے ایک آیت نازل فرمائی ہے۔ آپ نے اپنی کمائی سے ایک ہزار غلام آزاد کئے تھے اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں شعب ابوطالب میں پناہ گزیں تھے تو حضرت علی مزدوریاں کر کر کے آپ کو کھلاتے تھے جب آپ سب سے زیادہ عابد ہوئے تو سب سے افضل بھی ہوئے اور جو افضل ہو وہی امام ہوتا ہے۔

جواب

شیعی علماء نے جو کچھ فرمایا ہے افسوس ہے کہ اس میں رائی کے دانہ کے برابر بھی صداقت نہیں ہے جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں ایسے مختلف جھوٹ ہیں جو ایسے لوگوں سے بھی مخفی نہیں رہ سکتے جو ان کے احوال سے بالکل ناواقف و بے علم ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ان بے نظیر اور شاندار غلط بیانیوں میں بھی کوئی بات قابل تعریف نہیں ہے۔

علی کی نسبت یہ کہنا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نماز پڑھا کرتے تھے اعلیٰ درجہ کا آپ پر بہتان ہے اور درحقیقت یہ کوئی خوبی بھی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا جنون ہے کہ آدمی اپنی طاقت سے زیادہ کام کرے اور پھر چند روز میں جا کے بیکار ہو جائے اور عبادت الٰہی کا اصلی مقصد پورا

نہ ہو۔ اس کے علاوہ حضور انور کا ارشاد ابھی بیان ہو چکا ہے آپ نے فرمایا تھا کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میری بیویاں بھی ہیں اور جو کوئی میری سُنّت سے مونہ موڑے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے اسکے علاوہ صحیحین میں عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں نے سُنا ہے تم یہ کہتے ہو کہ جب تک مَیں زندہ رہوں گا ساری عمر روزے رکھے جاؤں گا اور ساری رات نماز پڑھا کروں گا میں نے عرض کیا ہاں بے شک یا رسول اللہ میں نے یہ عہد کر لیا ہے فرمایا خبردار ایسا کبھی نہ کرنا۔

ایک روایت میں یہ ہے حضور انور نے فرمایا میں نے سُنا ہے کہ تم روزانہ روزے رکھتے ہو اور ایک رات میں قرآن مجید ختم کر لیتے ہو عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں صرف اپنی بہتری کی غرض سے ایسا کیا کرتا ہوں آپ نے فرمایا اتنی مشقت اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے تمھارے لیے یہی کافی ہے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے زیادہ بھی میں رکھ سکتا ہوں اسپر آپ نے ارشاد کیا دیکھو اپنی طاقت اسی میں صرف مت کرو۔ کیونکہ تمپر تمھاری بیوی کا بھی حق ہے تمھارے مہمانوں کی میزبانی کا بھی حق ہے تمھارے بدن کا بھی حق ہے لہٰذا ان سب حقوق کی رعایت کرنی چاہیئے پھر فرمایا اگر تم اس پر بھی نہیں مانتے تو داؤد کی طرح روزے رکھ لیا کرو کیونکہ وہ سب سے زیادہ روزے رکھنے والے تھے مگر پھر بھی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے اور قرآن مجید کو ایک مہینے میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا اچھا بیس روز میں سہی مگر میرے مزید اصرار پر آپ نے انقطاعی لہجے میں فرمایا کہ دیکھو سات روز سے کم میں کبھی قرآن شریف ختم نہ کیا کرو۔

صحیحین میں حضرت علی سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رات کو میں اور فاطمہ زہرہ سو رہے تھے کہ یکایک رسول اللہ ہمارے ہاں تشریف لے آئے فرمایا کہ تم دونوں سو رہے ہو نماز کیوں نہیں پڑھتے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری جانیں تو اللہ کے قبضے میں ہیں وہ جب ہمیں اُٹھانا چاہے گا نماز کے لیئے اُٹھا دیگا۔ یہ سنتے ہی حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر مارے اور فرمایا۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا اور یہ فرما کے آپ تشریف لے گئے۔

اس حدیث سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ حضرت علی شب کو سویا کرتے تھے اور باوجود حضور انور

کے جگانے کے بھی آپ نے حجت کی اور اُٹھ کے نماز نہ پڑھی۔

پھر شیعی علمار کا یہ فرمانا کہ رات کی نماز اور دن کی نفلیں لوگوں نے حضرت علی سے سیکھی ہیں اگر اس سے یہ مراد ہو کہ بعض مسلمانوں نے آپ سے سیکھی تھیں تو یہ کوئی تعریف کے قابل بات نہیں ایسے تو سب صحابہ ہیں جن سے بعض مسلمانوں نے دین کے احکام سیکھے ہیں اور اگر شیعی علمار کی اس سے یہ غرض ہو کہ کل مسلمانوں نے حضرت علی سے رات کی نماز اور دن کی نفلیں سیکھی ہیں تو یہ بالکل سفید جھوٹ ہے کیونکہ سارے مسلمان تو درکنار اکثر مسلمانوں نے بھی حضرت علی کو نہیں دیکھا حالانکہ وہ راتوں کو برابر نماز پڑھتے اور دن کو نفلیں ادا کرتے تھے مسلمانوں کے اکثر شہر جو فاروق اعظم اور عثمان غنی کی خلافت میں فتح ہوئے جیسے شام مصر مغرب اور خراسان وغیرہ ان کے باشندوں نے نہ حضرت علی کو دیکھا نہ حضرت علی کی تعلیم ان تک پہنچی پھر یہ بھلا حضرت علی سے کیونکر سیکھ سکتے ہیں حضور انور کی مبارک زندگی میں جیسے علی تھے ایسے ہی اور صحابہ تھے یہ سب حضور ہی سے سیکھتے تھے ہاں اگر اہل کوفہ کی نسبت کہا جائے کہ اُنھوں نے راتوں کی نماز اور دن کی نفلیں حضرت علی سے سیکھی تھیں تب بھی کچھ بات بن سکتی ہے مگر غور سے دیکھنے کے بعد اہل کوفہ کے حق میں بھی یہ دعویٰ صادق نہیں آسکتا کیونکہ وہاں کے باشندے اس عبادت کو ابن مسعود وغیرہ سے سیکھ چکے تھے حضرت علی تو اُس وقت تک عراق تشریف بھی نہیں لے گئے تھے۔

پھر شیعی علمار کا یہ فرمانا کہ حضرت علی ان ہی دعاؤں کو پڑھتے رہتے تھے جو ان سے منقول ہیں یہ بھی غلط اور محض غلط ہے کیونکہ ان میں اکثر ایسی دعائیں بھی موجود ہیں جو حضرت علی پر جھوٹ اور ان کے ذمے بہتان ہیں حضرت علی کی شان اس سے کہیں ارفع ہے کہ وہ ایسی دعاؤں کے ذریعہ سے دعا مانگیں جو خود ان کے اور تمام صحابہ کے حال کے ہرگز لائق نہیں ہیں نہ ان میں کسی کی کوئی سند ہے ہاں وہ دعائیں جو حضور انور سے ثابت ہیں وہ ان دعاؤں سے یقیناً افضل ہیں جو اپنی طرف سے کسی نے بنائی ہوں جو دعائیں حضور انور سے ثابت ہیں اس امت کے اولین اور آخرین میں سے بہتیرے لوگ ان ہی دعاؤں کے ذریعہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

اسی طرح شیعی علمار کا یہ کہنا کہ حضرت علی ایک رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے ایسا صریح جھوٹ ہے جس سے زیادہ نہیں ہو سکتا نہ اس سے کوئی تعریف نکل سکتی ہے دیکھو حضور انور

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی رات دن میں کل نماز مع فرض اور نفلوں کے صرف چالیس رکعتیں ہوتی تھیں۔ خیال کرنے کی بات ہی کہ جو شخص حکومت کرتا ہو مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت اُسکے ذمے ہو اور ایک وسیع سلطنت کی امور جہانداری کو طے کرتا ہو اور سلطنت کا سارا بار اسی پر ہو ادھر اپنے بیویوں اور بچّوں کے حقوق کا بھی اُسے پاس ہو وہ کس طرح رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھ سکتا ہی ہاں اگر یہ ہزار رکعتیں وہ اس طرح سے پڑھے جیسے پہلوان بیٹھکیاں لگاتا ہے تو بیشک ہزار رکعتیں پوری کر لینی ممکن ہیں مگر خلفائے راشدین کی ایسی نماز نہیں ہوتی تھی ان کا قیام ان کا رکوع ان کا سجدہ کامل نہایت سکون اور سچّی عاجزانہ صورت سے ہوتا تھا اور یہ بھی سمجھ لیجے کہ جلدی جلدی نماز پڑھنی منافقوں کا طریقہ ہی حضرت علی اِس سے بالکل منزہ و مبرا تھے۔

باقی لیلۃ صفین کی بابت خود حضرت علی سے صحیح میں ثابت ہی آپ لوگوں سے فرماتے تھے کہ وہ وظیفہ جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہراؑ کو بتایا تھا اسی کا مَیں ورد رکھتا ہوں میں نے اُسے کبھی نہیں چھوڑا کسی نے پوچھا کہ لیلۃ صفین میں بھی آپ نے نہیں چھوڑا کہا نہیں میں صبح اُٹھتے ہی پڑھ لیا کرتا تھا۔

پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کہ جب کوئی بھالے کا ٹکڑا یا تلوار کا پھیلا یا پیکان آپ کے بدن میں گھس جاتا تھا اور وہ کسی طرح نہ نکل سکتا تھا تو لوگ اسوقت کہ جب آپ نماز پڑھتے تھے آپ کے بدن سے نکال لیتے تھے اور آپ کو خبر نہ ہوتی تھی یہ بھی محض غلط بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہی کہیں کسی صحیح تاریخی نوشتے میں یہ پتہ نہیں لگتا کہ کبھی بھی حضرت علی کے جسم میں تلوار یا نیزہ ٹوٹ کے رہ گیا ہو یہ ایک دل خوش کن کہانی ہی اور ایسی جھوٹی باتوں سے حضرت علی کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی کیونکہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جتنی عزت انکو ملی ہی وہی کافی ہی یہ جھوٹی باتیں کسی صورت سے بھی ان کی وقعت کو نہیں بڑھا سکتیں۔

باقی شیعی علماء نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت علی نے نماز کی حالت میں زکوٰۃ دی یعنی نماز اور زکوٰۃ کو جمع کر لیا یہ بھی کذبِ محض بہتان عظیم اور سفید جھوٹ ہے اِس پر ہم پہلے مفصل بحث کر چکے ہیں یہاں صرف اتنا اور کہنا چاہتے ہیں کہ اسمیں کوئی تعریف نہیں نکل سکتی اگر یہ فعل مستحب ہوتا تو سب مسلمانوں کے لیئے جائز اور مشروع ہوتا اور پھر مسلمان نماز پڑھنے کی حالت میں ضرور خیرات کیا کرتے لیکن جب شرعی طور پر یہ مستحب نہیں ہی نہ آج تک کسی مسلمان نے ایسا کیا لہذا صاف طور پر اس سے

یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ عبادت نہیں ہے اور نماز میں ایسا کرنا بالکل مکروہ ہے۔

اسی طرح شیعی علمار کی یہ رام کہانی کہ حضرت علی نے اپنے ہاتھ کی کمائی میں سے ایک ہزار غلام آزاد کیئے تھے ایسا صاف جھوٹ ہے کہ وہ نفس جھوٹ کی انتہا سے بھی گزر چکا ہے ایک ہزار غلام تو ایک طرف ہیے حضرت علی نے تو کبھی سو غلام بھی آزاد نہیں کیئے سو تو سو اُن کی ذاتی کمائی تو اتنی بھی نہ تھی کہ وہ دس غلام بھی آزاد کرتے نہ انھوں نے کبھی کوئی تجارت کی نہ ایسا کوئی ہنر انھیں آتا تھا کہ جس سے وہ اپنی کمائی میں کوئی وسعت پیدا کرتے۔

پھر شیعی علمار کا یہ کہنا کہ شعب میں حضرت علی مزدوریاں کر کے رسول اللہ پر خرچ کیا کرتے تھے یہ بھی محض جھوٹ اور سراسر غلط ہے اور اسکے غلط ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ لوگ شعب سے باہر کبھی نہیں گئے اور خاص شعب میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو حضرت علی کو نوکر رکھ کے اُن سے کام لیتا یا مزدوری کراتا دوسرے حضورِ انور کا کُل خرچ ابوطالب کے ذمے تھا۔ تیسرے خدیجۃ الکبریٰ سے آپ کو بہت مدد ملتی تھی۔ چوتھے مکے میں حضرت علی نے کبھی مزدوری نہیں کی کیونکہ جسوقت حضورِ انور شعب میں تھے تو علی صغیر سن تھے اور ابھی تک بالغ بھی نہیں ہوئے تھے اس چھوٹی سی عمر کا یہ تقاضا تھا کہ اُن کا خرچ یا تو ان کے باپ ابوطالب اُٹھائیں یا حضور انور کیونکہ اس صغیر سن بچے کی ذاتی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا جب وہ اپنا خرچ خود نہیں اُٹھا سکتے تھے تو حضور انور کا خرچ کیونکر اُٹھا سکتے تھے متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ جب حضور انور شعب میں جا کے مقیم ہوئے تھے تو اُسوقت ابوطالب زندہ تھے اسپر سب کا اتفاق ہے کہ حضور انور کے طائف تشریف لیجانے سے پہلے ابوطالب کا انتقال ہو چکا تھا ابوطالب و خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کا زمانہ بہت قریب ہی قریب ہے اور حضور شعب میں ابتدار اسلام میں مقیم ہوئے تھے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جسوقت ابن عباس پیدا ہوئے ہیں تو یہ لوگ شعب میں تھے اور جس وقت حضور انور کی وفات ہوئی ہے تو ابن عباس مراہق تھے یعنی زمانۂ بلوغ کے قریب تھے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی حضور انور کی ہجرت کے بعد چالیس برس تک زندہ رہے ہیں اور حضور انور کو نبوت ہجرۃ سے تیرہ برس پہلے ملی تھی اور حضور کی عمر زیادہ سے زیادہ ۶۳ برس کی شمار ہوئی ہے اس حساب سے اسلام لانے کے وقت علی کی عمر زیادہ سے زیادہ دس برس کی ثابت ہوتی ہے بھلا خیال کرنے کی بات ہے کہ دس برس کا بچہ کیا مزدوریاں کرتا کیا اپنا پیٹ پالتا کیا حضور انور کی مدد کرتا فقط

حضرت علی کا علم

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑے عالم علی تھے فقط

جواب

ہم اس کا صاف انکار کرتے ہیں کیونکہ جس بات پر کل علماء اسلام کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑے عالم سب سے زیادہ جاننے والے اول ابوبکر ہیں پھر عمر اس اجماع کا ذکر اکثر لوگوں نے کیا ہے۔

حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں سوائے ابوبکر کے کوئی ایسا نہ تھا کہ حضور انور کے سامنے قضاۃ کرتا خطبہ پڑھتا اور فتوے دیتا ہو دینی مسائل میں سے کبھی کوئی ایسا مسئلہ صحابہ کو پیش نہیں آیا جسکی ابوبکر نے حق کے مطابق تفصیل نہ کر دی ہو مثلاً وفات کے بعد حضور انور کے دفن کرنے میں لوگوں کو فکر ہوا کہ کہاں دفن کریں آخر یہ مسئلہ بھی ابوبکر نے بیان کیا۔ پھر زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جنگ کرنے میں شک ہوا تو اُسے بھی ابوبکر ہی نے صاف کیا کلالہ کی تفسیر کی تو اس میں کسی نے اُن کا خلاف نہیں کیا علی وغیرہ بہت سے صحابہ نے ابوبکر سے روایت کی ہے چنانچہ سنن میں علی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سُنتا تھا تو اس سے جو کچھ اللہ کو منظور ہوتا وہ مجھے نفع دیتا باقی جس وقت کوئی اور مجھسے حدیث بیان کرتا تھا تو میں اُس سے قسم لیتا تھا اگر اُس نے قسم کھالی تو میں اُسے سچا سمجھتا تھا ورنہ اُس کے قول پر مجھے اعتبار نہ ہوتا تھا ابوبکر نے مجھ سے جب کوئی حدیث بیان کی تو وہ واقعی سچ بیان کی مثلاً ایک حدیث اُنھوں نے یہ بیان کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان احیاناً گناہ کرنے کے بعد وضو کرکے دو نفل پڑھ لے اور اللہ تعالی سے استغفار کرے تو اللہ تعالی ضرور اُس کا گناہ بخش دیگا۔

یہ اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ ابوبکر نے کوئی فتویٰ ایسا نہیں دیا جو نص کے مخالف ہو اس کے مقابلے میں عمر اور علی کے بہت سے فتوے نصوص کے خلاف ہوجاتے تھے امام شافعی نے علی اور ابن مسعود کے خلاف میں ایک بہت بڑی کتاب تالیف کی ہے اور اسی بارے میں محمد بن نصر مروزی نے بھی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے صحابہ نے جد کو میراث ملنے میں ابوبکر کا خلاف کیا تھا مگر جب زیادہ غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ صدیق ہی کا قول ٹھیک تھا دس سے زیادہ جلیل القدر صحابہ اس پر متفق ہیں صرف

زیداور ابن مسعود نے اِس کا خلاف کیا ہی مگر ان دونوں کے اقوال اِس مسئلے میں کچھ ایسے مضطرب ہیں جس سے صاف یہ یقین ہو جاتا ہی کہ اُن کا قول ٹھیک نہیں ہی بلکہ صدیق ہی کا قول ٹھیک ہی۔

بہت سے ائمہ نے اِس پر اجماع ہونا نقل کیا ہے کہ ابوبکر علی سے بہت زیادہ عالم تھے منجملہ ان کے ایک امام منصور بن عبدالجبار سمعانی مروزی ہیں جو ائمہ شافعیہ میں ایک معتمد علیہ امام ہیں اِس فاضل نے اپنی کتاب تقدیم الادلہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ علماء اسلام کا اِس پر اجماع ہے کہ ابوبکر علی سے زیادہ عالم تھے اِسکی وجہ ظاہر ہے اور اُسکے لیئے کسی دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ ابوبکر حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے فتوے دیتے امر و نہی کرتے اور نصیحت کرتے تھے اور جب حضور انور کے ہمرکاب کہیں باہر جاتے تو ابوبکر ہی لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور اُنہیں ہدایت کیا کرتے تھے یہ مرتبہ کسی اور کو نصیب نہ تھا

جب حضور انور بڑے بڑے ذی رائے اور عقلمندوں سے مشورہ لیتے تھے تو اِس مشورے میں ابوبکر اور عمر کی رائے سب سے مقدم رکھتے تھے یہی دونوں علمی باتوں میں گفتگو کرتے تھے اور یہی دونوں حضور کے دربار میں اور سب صحابہ سے زیادہ مقدم سمجھے جاتے تھے جیسا کہ بدر وغیرہ کے قیدیوں کے معاملے میں بھی اُن ہی کی رائے مقدم رہی تھی یہاں تک کہ حضور انور نے صاف فرما دیا تھا کہ جس بات پر تم دونوں کا اتفاق ہو جائے گا میں اسکے خلاف کبھی نہیں کرنے کا۔

سنن میں حضور سے مروی ہی آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم ابوبکر و عمر کا اقتدا کرنا یہ مرتبہ ان دونوں کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

مسلم نے اپنی صحیح میں ایک طویل حدیث روایت کی ہے جسکا خلاصہ مضمون یہ ہی کہ ایک مرتبہ حضور کے صحابہ سفر میں آپ کے ہمرکاب تھے حضور نے ایک موقع پر ان کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ میرے بعد اگر تم لوگ ابوبکر و عمر کی اطاعت میں رہوگے تو راہ راست پر رہوگے۔

ابن عباس سے ثابت ہے کہ وہ قرآن شریف سے فتویٰ دیتے تھے اور اگر کسی مسئلے کا جواب قرآن شریف سے نہیں ملتا تھا تو رسول اللہ کی حدیث سے دیتے تھے اور اگر حدیث میں بھی نہیں ملتا تھا تو پھر ابوبکر و عمر کے قول سے فتوے دیتے تھے مگر عثمان اور علی کے قول کو اُنھوں نے کبھی مس تک نہیں کیا ابن عباس اپنے زمانہ میں سب صحابہ سے زیادہ عالم تھے ہمیشہ اُنھوں نے ابوبکر و عمر کا قول سب

صحابہ پر مقدم رکھا حضور انور سے ثابت ہی کہ آپ نے ابن عباس کے حق میں یہ دعا کی تھی "اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل" یعنی خداوندا ابن عباس کو دین کی سمجھ عطا کر اور قرآن کے معنی سکھا۔

حضور انور کو سب صحابہ سے زیادہ ابوبکر و عمر سے ایک خاص خصوصیت تھی کیونکہ یہ دونوں اکثر راتوں کو حضور کی خدمت میں رہتے اور علم دین اور مصالح مسلمین کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

صحیحین میں عبد الرحمٰن بن ابی بکر سے روایت ہے کہ اصحاب صُفّہ فقیر آدمی تھے اُنکی نسبت حضور انور نے ایک دفعہ یہ فرما دیا تھا کہ جسکے پاس دو آدمیوں کی بھوک کا کھانا ہو تو وہ ان صُفّہ والوں میں سے تیسرے کو لیجایا کرے اور جسکے پاس تین کا کھانا ہو وہ چوتھے کو اور جسکے پاس چار کا ہو وہ پانچویں اور چھٹے کو ایک دن اسی ارشاد کے مطابق ابوبکر تین آدمیوں کو لائے اور حضور انور دس آدمیوں کو لے گئے۔ ابوبکر شام کا کھانا حضور انور کے ساتھ تناول کر گے وہیں ٹھیر گئے یہاں تک کہ عشا کی نماز ہو گئی نماز پڑھنے کے بعد بھی حضور ہی کی خدمت میں رہی یہانتک کہ حضور نے خواب استراحت فرمایا جب زیادہ رات گزر گئی تو ابوبکر گھر آئے آپ کی بیوی نے کہا کہ تم نے اپنے مہمانوں کی بھی خبر نہیں لی۔ یہ سُنتے ہی آپ چونک پڑے آپ نے فرمایا کیا تمنے ابھی تک انھیں کھانا نہیں کھلایا وہ بولیں میں نے چاہا تھا وہ کھانا کھالیں لیکن اُنھوں نے کہا بغیر ابوبکر کے آئے ہم کھانا نہیں کھانے کے۔

ایک اور روایت میں یہ ہی عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ میرے والد نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اکثر رات رات گئے تک باتیں کیا کرتے تھے اور ہجرۃ کے سفر میں سوائے میرے والد کے حضور انور کے ساتھ کوئی اور نہ تھا اسی طرح جنگ بدر کے دن عریش میں حضور انور کے پاس ابوبکر کے سوائے اور کوئی نہ رہا تھا۔

صحیحین میں ابودرداؤ سے مروی ہی وہ کہتے ہیں مَیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ یکایک ابوبکر اپنی تہمد کا پلہ اس طرح پکڑے ہوئے آئے کہ ان کے دونوں گھٹنے کُھل گئے تھے حضور انور نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا خدا خیر کرے آج ابوبکر کو کوئی فکر لاحق ہی ابوبکر نے آکے سلام کیا اور پھر یہ عرض کیا کہ مجھ میں اور ابن خطاب میں کچھ بات ہو گئی تھی مگر پہل میری طرف سے ہوئی تھی پھر میں نادم ہوا اور ان سے بہتیری التجا کی کہ میری خطا معاف کر دو مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا اَب میں حضور کی خدمت میں آگیا ہوں حضور کو اختیار ہی یہ سُنکے حضور انور نے دوبار یہ فرمایا اے ابوبکر تمھاری

خطا تو اللہ معاف کر دیگا تم ایسے پریشان کیوں ہوتے ہو پھر عمر بھی نادم ہوئے کہ میں نے ابو بکر کی خطا کیوں نہ معاف کر دی اس خیال سے وہ دوڑے ہوئے پہلے ابو بکر کے گھر گئے مگر وہاں انھیں نہ پایا پھر وہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے عمر کو دیکھ کے حضور انور کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ اسقدر غصے ہوئے کہ ابو بکر بھی کانپ گئے اور دست بستہ عرض کیا یا رسول اللہ خطا میری ہی حضور نے سب صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب اللہ نے مجھے نبی بنا کر تمھاری طرف بھیجا تو تم نے میری تکذیب کی سوائے ابو بکر کے کہ اس نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے ہر طرح میرا ساتھ دیا کیا اب تم میرے ایسے ساتھی کو چھوڑتے ہو کیا تم اسے حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہو۔

اگرچہ یہ روایت ہم پہلے کہیں نقل کر چکے ہیں مگر چونکہ اس سے ایک خاص گہرا تعلق نبی اور صدیق میں ظاہر ہوتا ہی اور یہاں یہی دکھانا مقصود تھا اسلیئے ہم نے اس جگہ بھی اسے نقل کر دیا ہی۔

بخاری لکھتے ہیں کہ خیر میں ابو بکر سب سے سبقت لے گئے جنگ اُحد میں قریشوں کے سردار نے محمدؐ، ابو بکر اور عمر ہی کو پکارا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہی۔

ہاروں رشید نے امام مالک بن انس سے یہ دریافت کیا کہ ابو بکر و عمر کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیسا مرتبہ تھا مالک نے جواب دیا حضور انور کی زندگی میں حضور کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ تھا جیسا آپ کے نزدیک آپ کی وفات کے بعد ہے۔ رشید خوش ہو گئے اور یہ فرمایا کہ اے مالک واقعی تم نے سچ کہا بے شک میری اس سے تسکین ہو گئی باوجود کمالِ مودت کمالِ اسلام اور علم و دین میں کمال مشارکت ہونے کے پھر سب سے زیادہ حضور کا خاص ہونا اور آپ کا ہر طرح ہر بات میں ساتھ دینا یہ چاہتا ہی کہ یہ دونوں اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے جسے صحابہ کے احوال کی کچھ بھی خبر ہو اُسکے لیے یہ امر روز روشن کی طرح صاف ہی۔

علم و فقہ میں صدیق کا ایسا مرتبہ ہی کہ اُس سے علی تو علی عمر بھی عاجز ہیں یہاں تک کہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ ابو بکر کا کوئی قول ایسا معلوم نہیں ہوتا جو نص کے خلاف ہو اور یہ اُن کی انتہا درجے معرفت علم دین کی دلیل ہی ہاں ان کے سوا اور صحابہ کے بہت سے ایسے اقوال ہیں جو نصوص کے خلاف پڑے ہیں اسپر بھی عمر کے اقوال میں جو نصوص کی موافقت دیکھی جاتی ہی وہ علی کے اقوال کی موافقت سے کہیں زیادہ ہی یہ بات مسائل علم علماء کے اقوال اولہ شرعیہ اور ان کے مراتب

کو دیکھنے سے معلوم ہوتی ہی مثلاً جس عورت کا شوہر مرگیا ہو اُسکی عدت کا مسئلہ ہی اسمیں فاروقِ اعظم ہی کا قول نصوص کے موافق ہی علیؓ کا قول نصوص کے موافق نہیں ہی اسی طرح مسئلہ حرام میں عمر ہی کا قول نصوص کے موافق ہی نہ کہ علی کا اسی طرح اس عورت کا مسئلہ ہی جسے اُسکے شوہر نے اختیار دیدیا غرض اِس قسم کے بہت سے فقہی مسائل ہیں جنمیں علی کا قول نصوص کے خلاف آکے واقع ہوا ہی۔

اسپر سب کا اتفاق ہی کہ حضور انور نے نماز پر جو عمود اسلام ہی ابوبکر کو اپنا خلیفہ بنایا تھا پھر ابوبکر ہی نے یہ اعلان کرایا تھا کہ اس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج کرنے نہ پائے گا نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرنے پائے گا۔

اس کے علاوہ علی ابوبکر کے شاگرد بھی ہیں کہ اُنہون نے بعض حدیثیں آپ سے سیکھیں تھیں مگر ابوبکر نے علی سے کچھ نہیں سیکھا ان اُمور کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ علماء کوفہ جو عمر اور علی کی صحبت میں رہے ہیں مثلاً علقمہ۔ اسود اور شریح وغیرہ یہ سب عمر کے قول کو علی کے قول پر ترجیح دیتے تھے یعنی عمر کے قول کے سامنے علی کے قول کو نہیں مانتے تھے۔ باقی مدینے کے اور بصرے والے علماء تو باتفاق عمر ہی کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ علی کا علم وفقہ بیشک کوفے میں مشہور تھا وہ بھی اِس وجہ سے کہ اُنھوں نے اپنی خلافت کا زمانہ وہیں گزارا تھا تو بھی علی کے تمام شیعہ جنہوں نے اُنکا ساتھ دیا اور اُنکی صحبت میں رہے ان میں سے ایک شخص نے بھی علی کو ابوبکر وعمر پر مقدم نہیں کیا نہ فقہ میں نہ علم میں نہ دین میں بلکہ وہ سب شیعہ جنھوں نے علی کا ساتھ دیا تھا ابوبکر اور عمر کے مقدم ہونے پر متفق تھے۔ ہاں وہ چند آدمی جو بظاہر اپنے کو شیعانِ علی کہتے تھے لیکن ہمیشہ انھوں نے حضرت علی کو ستایا انہیں پریشان کیا اُن کا حکم نہیں مانا۔ وہ بیشک اس سے اختلاف رکھتے تھے۔ اِن میں تین فرقہ ہیں ایک فرقہ تو وہ ہے کہ اُنھوں نے غلو کر کے علی کو معبود بنا دیا۔ اُن لوگون کو جتنے گرفت میں آسکے حضرت علی نے زندہ آگ میں جلوا دیا دوسرا فرقہ وہ ہی جو ابوبکر کو بُرا کہتا تھا انکا سردار عبداللہ بن سبا تھا علی نے اُسے بھی قتل کرنا چاہا تھا مگر وہ گرفتار نہو سکا اور مداین بھاگ کے چلا گیا۔ تیسرا فرقہ وہ ہے جو علی کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا اسکی بابت حضرت علی نے فرمایا تھا کہ جس شخص سے میں نے یہ سُن لیا کہ علی ابوبکر وعمر سے افضل ہیں تو میں اُس کے حد قذف لگاؤنگا یعنی وہ سزا دوں گا جو تہمت لگانے والے کو ملتی ہے۔

اتنی روایتوں کے قریب ہیں جو حضرت علی سے مروی ہیں کہ آپ کوفے میں ممبر پر بیٹھ کے علی الاعلان یہ فرمایا کرتے تھے کہ امت مرحومہ میں اُسکے نبی کے بعد سب سے بہتر اول ابوبکر ہیں پھر عمر۔

صحیح بخاری وغیرہ میں ہمدانی راویوں سے مروی ہو کہ محمدؐ بن حنفیہ نے اپنے باپ علی سے دریافت کیا تھا کہ نبی کے بعد سب سے بہتر کون ہے فرمایا ابوبکر پھر اُنھوں نے پوچھا کہ ان کے بعد فرمایا عمر پھر محمد بن حنفیہ بولے کہ ان کے بعد آپ ہیں حضرت علی نے فرمایا اے بیٹا تیرا باپ ایک معمولی مسلمان ہو ان کے مرتبے کا ہرگز نہیں ہو۔

بخاری کہتے ہیں ہم سے محمد بن کثیر نے ان سے سفیان ثوری نے ان سے جامع بن شداد نے ان سے ابویعلی منذر ثوری نے بیان کیا انھوں نے محمدؐ بن حنفیہ سے روایت کی ہو وہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا اے باپ رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر کون ہو اُنھوں نے تعجب سے دریافت کیا اے بیٹا کیا تمھیں اتنی بھی خبر نہیں میں نے کہا نہیں فرمایا سب سے بہتر ابوبکر ہے میں نے کہا پھر کون فرمایا پھر عمر۔

یہ بات بتواتر ثابت ہو کہ جو شخص آپ کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا اُسے آپ سزا دیتے اور مفتری خیال کرتے تھے اگر کوئی یہ کہے کہ آپ محض تواضعاً یا انکساری کے طور پر ایسا کہدیا کرتے تھے تو یہ بھی محض غلط ہو کیونکہ متواضع کے لیئے یہ جائز نہیں ہو کہ اگر کوئی اُسے حق کے موافق افضل کہے تو یہ اُسے سزا دے اور اُس کا نام مفتری رکھے۔

اب ملاحظہ ہو نیچے آنے والی حدیث جسکی نہ صرف شیعوں میں بلکہ عوام سُنیوں میں بھی بہت شہرت ہو اور وہ سب اُسے صحیح حدیث سمجھتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہی" اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہو۔ یہ حدیث بالکل جھوٹ سرتاپا غلط اور محض واہی تباہی ہو کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا اگرچہ بعض اہل مطابع نے اپنی لاعلمی اور نادانی سے اُسے کسی حدیث کی کتاب کے حاشیے پر لکھدیا ہو مگر یہ کھلم کھلا موضوعات میں شمار کیگئی ہے ابن جوزی نے اِسے ذکر کرکے کہا ہے کہ اس کے سب طریقے موضوع ہیں اور اس روایت کا جھوٹا ہونا خود اُس کے متن اور مضمون سے معلوم ہوتا ہو کیونکہ جب نبی علم کا شہر ہوئے

کو دیکھنے سے معلوم ہوتی ہی مثلاً جس عورت کا شوہر مرگیا ہو اُسکی عدت کا مسئلہ ہی اسمیں فاروق اعظم ہی کا قول نصوص کے موافق ہی علیؓ کا قول نصوص کے موافق نہیں ہی اسی طرح مسئلہ حرام میں عمر ہی کا قول نصوص کے موافق ہی نہ کہ علی کا اسی طرح اس عورت کا مسئلہ ہی جسے اُسکے شوہر نے اختیار دیدیا غرض اس قسم کے بہت سے فقہی مسائل ہیں جنمیں علی کا قول نصوص کے خلاف آکے واقع ہوا ہی۔

اسپر سب کا اتفاق ہی کہ حضور انور نے نماز پر جو عمود اسلام ہی ابو بکر کو اپنا خلیفہ بنایا تھا پھر ابو بکر ہی نے یہ اعلان کرایا تھا کہ اس سال کے بعد اب کوئی مشرک حج کرنے نہ پائے گا نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرنے پائے گا۔

اس کے علاوہ علی ابو بکر کے شاگرد بھی ہیں کہ اُنہون نے بعض حدیثیں آپ سے سیکھیں تھیں مگر ابو بکر نے علی سے کچھ نہیں سیکھا ان اُمور کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ علماء کوفہ جو عمر اور علی کی صحبت میں رہے ہیں مثلاً علقمہ۔ اسود اور شریح وغیرہ یہ سب عمر کے قول کو علی کے قول پر ترجیح دیتے تھے یعنی عمر کے قول کے سامنے علی کے قول کو نہیں مانتے تھے۔ باقی مدینے کے اور بصرے والے علماء تو باتفاق عمر ہی کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ علی کا علم وفقہ بیشک کوفے میں مشہور تھا وہ بھی اس وجہ سے کہ اُنھوں نے اپنی خلافت کا زمانہ وہیں گزارا تھا تو بھی علی کے تمام شیعہ جنہوں نے اُنکا ساتھ دیا اور اُنکی صحبت میں رہے ان میں سے ایک شخص نے بھی علی کو ابو بکر و عمر پر مقدم نہیں کیا نہ فقہ میں نہ علم میں نہ دین میں بلکہ وہ سب شیعہ جنھوں نے علی کا ساتھ دیا تھا ابو بکر اور عمر کے مقدم ہونے پر متفق تھے۔ ہاں وہ چند آدمی جو بظاہر اپنے کو شیعان علی کہتے تھے لیکن ہمیشہ انھوں نے حضرت علی کو ستایا انہیں پریشان کیا اُن کا حکم نہیں مانا۔ وہ بیشک اس سے اختلاف رکھتے تھے۔ اِن میں تین فرقہ ہیں ایک فرقہ تو وہ ہے کہ اُنھوں نے غلو کرکے علی کو معبود بنادیا۔ اُن لوگون کو جتنے گرفت میں آسکے حضرت علی نے زندہ آگ میں جلوادیا دوسرا فرقہ وہ ہی جو ابو بکر کو بُرا کہتا تھا انکا سردار عبداللہ بن سبا تھا علی نے اُسے بھی قتل کرنا چاہا تھا مگر وہ گرفتار نہو سکا اور مداین بھاگ کے چلا گیا۔ تیسرا فرقہ وہ ہے جو علی کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا اسکی بابت حضرت علی نے فرمایا تھا کہ جس شخص سے میں نے یہ سُن لیا کہ علی ابو بکر و عمر سے افضل ہیں تو میں اُس کے حد قذف لگاؤنگا یعنی وہ سزا دونگا جو تہمت لگانے والے کو ملتی ہے۔

اسّی روایتوں کے قریب ہیں جو حضرت علی سے مروی ہیں کہ آپ کوفے میں ممبر پر بیٹھ کے علی الاعلان یہ فرمایا کرتے تھے کہ امت مرحومہ میں اُسکے نبی کے بعد سب سے بہتر اول ابوبکر ہیں پھر عمر۔

صحیح بخاری وغیرہ میں ہمدانی راویوں سے مروی ہی کہ محمدؐ بن حنفیہ نے اپنے باپ علی سے دریافت کیا تھا کہ نبی کے بعد سب سے بہتر کون ہے فرمایا ابوبکر پھر اُنھوں نے پوچھا کہ ان کے بعد فرمایا عمر پھر محمد بن حنفیہ بولے کہ ان کے بعد آپ ہیں حضرت علی نے فرمایا اے بیٹا تیرا باپ ایک معمولی مسلمان ہی ان کے مرتبے کا ہرگز نہیں ہی۔

بخاری کہتے ہیں ہم سے محمد بن کثیر نے ان سے سفیان ثوری نے ان سے جامع بن شداد نے ان سے ابویعلی منذر ثوری نے بیان کیا انھوں نے محمدؐ بن حنفیہ سے روایت کی ہی وہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا اے باپ رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر کون ہی اُنھوں نے تعجب سے دریافت کیا اے بیٹا کیا تمھیں اتنی بھی خبر نہیں میں نے کہا نہیں فرمایا سب سے بہتر ابوبکر ہے میں نے کہا پھر کون فرمایا پھر عمر۔

یہ بات بتواتر ثابت ہی کہ جو شخص آپ کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا اُسے آپ سزا دیتے اور مفتری خیال کرتے تھے اگر کوئی یہ کہے کہ آپ محض تواضعًا یا انکساری کے طور پر ایسا کہدیا کرتے تھے تو یہ بھی محض غلط ہی کیونکہ متواضع کے لیئے یہ جائز نہیں ہی کہ اگر کوئی اُسے حق کے موافق افضل کہے تو یہ اُسے سزا دے اور اُس کا نام مفتری رکھے۔

اَبْ ملاحظہ ہو نیچے آنے والی حدیث جسکی نہ صرف شیعوں میں بلکہ عوام سُنیوں میں بھی بہت شہرت ہی اور وہ سب اُسے صحیح حدیث سمجھتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہی "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" یعنی مَیں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہی۔ یہ حدیث بالکل جھوٹ سرتاپا غلط اور محض واہی تباہی ہی کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا اگرچہ بعض اہل مطابع نے اپنی لاعلمی اور نادانی سے اُسے کسی حدیث کی کتاب کے حاشیے پر لکھدیا ہی مگر یہ کھلم کھلا موضوعات میں شمار کیگئی ہے ابن جوزی نے اِسے ذکر کرکے کہا ہے کہ اس کے سب طریقے موضوع ہیں اور اس روایت کا جھوٹا ہونا خود اُس کے متن اور مضمون سے معلوم ہوتا ہی کیونکہ جب نبی علم کا شہر ہوئے

اور اس شہر کا دروازہ ایک ہی ہی جسکا مطلب یہ ہی کہ علم دین فقط ایک ہی شخص کو حاصل ہوا تو اس بنا پر اسلام کی بنیاد اُکھڑ جائے گی اسی لیئے سب مسلمانوں کا اسپر اتفاق ہے کہ آپ کے علم کو پہنچانے والے وہ اہل تواتر ہوں یعنی اسقدر لوگ ہوں جنکے خبر دینے اور بیان کرنے پر بعد کے آنے والی نسلوں کو یقین ہو جائے یہ بات قرآن مجید اور سُنن متواترہ سے ثابت ہو چکی ہی کہ ایک کی شہادت کوئی شہادت نہیں ہی نہ کسی صورت سے اُسے تسلیم کیا جا سکتا ہی نہ ایک کے خبر دینے اور بیان کرنے سے کسی کو یقین آسکتا ہی اسپر اگر شیعی علمار یہ کہیں کہ علی اگرچہ اکیلے ہیں لیکن وہ معصوم ہیں۔ اسلیئے ان کی خبر سے یقین کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہی اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اُن کے معصوم ہونے کا علم ضروری ہی ان کی عصمت فقط ان کے خبر دینے سے ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ یہ اجماع سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اسکی بابت کبھی اجماع نہیں ہوا کہ حضرت علی کو سب نے معصوم گردان لیا ہو امامیہ کے نزدیک اجماع حجت ہے اسلیئے کہ اس اجماع میں اِن کے خیال کے مطابق امام معصوم بھی ہی لیکن پھر عصمت کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑتی ہی اس سے معلوم ہوا کہ اگر علی کی عصمت حق ہوتی تو ضرور تھا کہ ان کی خبر کے سوا وہ کسی اور طریقے سے بھی معلوم ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہی پس اگر علم کے شہر کا دروازہ سوائے علی کے اور کوئی نہیں ہی تو نہ اُن کی عصمت ثابت ہو گی اور نہ اُمورِ دین میں سے کوئی اور امر ثابت ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث کسی جاہل زندیق نے افترا کر لی ہی جس سے بظاہر اُس نے تعریف نکالی ہی مگر یہ درحقیقت تعریف نہیں ہی بلکہ زندیقیوں کو دین اسلام میں قدح کرنے کا طریقہ بتانا ہے یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہی کہ تمام اسلامی شہروں کو رسول اللہ کا علم بغیر علی کے پہنچا چنانچہ اہل مدینہ اور اہل مکہ میں تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اُنھوں نے علی سے کوئی بات نہیں سیکھی اسی طرح شام اور بصرے کا حال ہی کہ اُن کے رہنے والوں نے علی سے کوئی روایت نقل نہیں کی اِلّا ماشاء اللہ ہاں علی کے علم کا شہرہ کوفے میں کسیقدر بیشک تھا اور باوجود اس کے اہل کوفہ بھی قرآن اور حدیث کو عثمان کے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی سیکھ چکے تھے چہ جائیکہ علی سے سیکھتے جو ان کے بعد ہوئے فقہائے اہل مدینہ دین کو فاروق اعظم کی خلافت میں سیکھ چکے تھے اور اہل یمن کو معاذ کا تعلیم دینا اور ان میں رہنا علی سے بدرجہا زیادہ ہی اسی وجہ سے اہل یمن کی وہ روایتیں جو اُنھوں نے معاذ بن جبل سے نقل کی ہیں ان روایتوں سے کہیں زیادہ ہیں جو اُنھوں نے علی سے نقل کی ہیں

شریح وغیرہ اکابر تابعین میں سے ہیں انھوں نے فقہ معاذ بن جبل ہی سے حاصل کیا تھا جس وقت علی کوفے گئے ہیں تو شریح وہاں قاضی تھے اُنھوں نے اور عبیدۃ السلمانی نے علی سے کچھ نہیں پڑھا خلاصہ یہ ہے کہ علی کے کوفے جانے سے پہلے علم اسلام تمام شہروں میں پھیل چکا تھا۔

حضرت علیؓ کی ذکاوت اور علم حاصل کرنیکا شوق

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام یعنی علی بن ابی طالب انتہا درجہ کے ذکی اور علم حاصل کرنے کے بڑے شائق تھے رات دن بچپنے سے لیکے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کی خدمت میں رہے فقط

جواب

بات یہ ہو کہ حضرت علی کی ذکاوت اور تحصیل علم کے شوق سے ہم انکار نہیں کرتے مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ابو بکر و عمر سے زیادہ علی ہرگز ذکی نہیں تھے اور نہ انھوں نے ابو بکر و عمر کی نسبت حضور انور سے کچھ زیادہ حاصل کیا صحیحین میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہو تو وہ عمر ہے محدث ملہم کو کہتے ہیں جسپر اللہ الہام کرے۔

صحیحین میں دوسری حدیث دودھ کے پیالے کی ہی جو حضور انور نے خواب میں فاروق اعظم کو دیا تھا اس حدیث کا ذکر پہلے ہو چکا ہی صحیحین میں ایک تیسری روایت ہی جو ابو سعید سے مروی ہی وہ کہتے ہیں حضور انور نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا میرے صحابہ میرے روبرو پیش کئے جاتے ہیں اور وہ کُرتے پہنے ہوئے ہیں بعض کے کُرتے چھاتی تک ہیں بعض کے کچھ نیچے ہیں مگر جب عمر پیش کئے گئے تو اُن کا کرتہ اسقدر نیچا تھا کہ وہ گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اسکی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا دین۔

یہ تینوں حدیثیں صحیح ہیں جو فاروق اعظم کے علم اور دین کی شاہد ہیں مگر علی کے حق میں کوئی ایسی روایت منقول نہیں ہوئی۔ جب عمر کا انتقال ہوا تو ابن مسعود نے کہا تھا میں یہ خیال کرتا ہوں کہ علم کے نو حصے عمر لے چلے ہیں اور باقی کے دسویں حصے میں ہم سب لوگ شریک ہیں۔

اسمیں شک نہیں کہ ابو بکر حضور انور کی خدمت میں نہ صرف علی سے بلکہ اور سب سے بہت زیادہ رہتے تھے ابو بکر و عمر کا حضور انور کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا علی کے رہنے سے بدرجہا زیادہ تھا جیسا کہ صحیحین

میں ابن عباس سے مروی ہی ابن عباس کہتے ہیں کہ جب فاروق اعظم تختے پر لٹائے گئے تو جنازہ اُٹھنے سے پہلے لوگوں کی عجیب کیفیت تھی کوئی ان کے حق میں دعا کرتا تھا کوئی ان کی تعریف کرتا تھا کوئی اُن کے لیئے استغفار کرتا تھا اسی اثنار میں یکایک کسی نے پیچھے سے آکے میرے مونڈھے پہ ہاتھ رکھا میں نے پھر کے دیکھا تو وہ علی تھے علی کو عمر کی وفات سے بہت ہی صدمہ تھا وہ بے اختیار عمر کی طرف خطاب کرکے یہ کہنے لگے تم نے اپنے بعد ایسا کوئی نہیں چھوڑا جو تم سے زیادہ مجھے محبوب ہو کہ میں اس جیسے عمل کرکے اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں خدا کی قسم میں یقین کرتا ہوں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں دوستوں ہی کے ساتھ کردے گا کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس طرح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ابوبکر و عمر چلے ہیں میں ابو بکر اور عمر اندر گئے میں ابوبکر و عمر باہر گئے غرض تم دونوں کو رسولِ خدا ہر بات میں اپنے ساتھ ہی بیان فرمایا کرتے تھے فقط

(یہ حدیث بہ تبدیل الفاظ ہم اوپر بھی بیان کر آئے ہیں)

یہ تواتر سے ثابت ہے کہ ابوبکر و عمر بہت بہت رات گئے تک مسلمانوں کے بارے میں حضور انور سے باتیں کرتے رہتے تھے۔

وہ مسائل جنمیں عمر و علی کا اختلاف ہی ان میں سے اکثر عمر ہی کا قول ارجح و غالب ہے جیسا کہ اس حاملہ کا مسئلہ جس کا شوہر مرگیا ہو وغیرہ

اسمیں ذرا شک نہیں کہ اہل مدینہ کا مذہب اہل عراق کے مذہب سے راجح ہی یہ لوگ اکثر مسئلوں میں عمر اور زید کی پیروی کیا کرتے تھے ان کے مقابلہ میں عراقی علی اور ابن مسعود کی پیروی کرتے تھے ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فاروق اعظم نے بہت سی باتوں میں عثمان اور علی سے مشورہ لیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بات سمجھنے کی ہی کہ علی کا ان کے ساتھ ہونا علی کے اکیلے ہونیسے بہت زیادہ قوی ہے چنانچہ ان کے قاضی عبیدۃ السلمانی نے علی سے کہا تھا کہ آپ کی رائے عمر کے ساتھ جماعت میں ہونی ہمیں زیادہ محبوب ہے آپ کی اُس رائے سے جو آپ تنہا ظاہر کریں۔

اسپر سب مسلمانوں کا اتفاق ہی کہ سعید بن مسیب تابعین میں سب سے بڑے عالم تھے ان کا خلاصہ فقہ عمر ہی کے فیصلے تھے ابن عمر بھی وہ فیصلے اُنسے دریافت کیا کرتے تھے۔

ترمذی میں حضور انور سے مروی ہی آپ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہی ہوتا۔

(اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہی)

یہ بات عجیب و غریب ہی کہ کوفہ جسے علی نے اپنا دار الخلافہ بنایا وہ بھی زیادہ تر ان کے اثر میں نہ رہا سب کوفے والے اور ابن مسعود کے شاگرد مثلاً علقمہ۔ اسود۔ شریح۔ حارث بن قیس عبیدۃ السلمانی۔ مسروق۔ زر بن جبیش۔ ابو وائل وغیرہ سب کے سب عمر اور ابن مسعود کے علم کو علی کے علم سے افضل سمجھتے تھے اور اکثر مسائل میں عمر اور ابن مسعود ہی کا قول لیتے اور اُسی پر عمل کرتے تھے نہ کہ علی کے قول پر فقط۔

پھر شیعی علمار فرماتے ہیں "العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر" یعنی بچپنے کا علم اس طرح سے دل پر جم جاتا ہی جیسے پتھر پر نقش۔ پس علی کے علوم اوروں کے علوم سے بہت زیادہ ہوئے کیونکہ ان کے حق میں قابل کلی اور فاعل تام حاصل ہی فقط

اس کا جواب یہ ہی کہ شیعی علمار کا یہ قول صرف اس بات کا نتیجہ ہی کہ وہ علوم حدیث سے ناواقف ہیں یہ خبر نہیں کسی شاعر کا قول ہی یا کسی تیز طبیعت شیعہ نے یہ بے معنی اور بھونڈا قول وضع کرلیا ہی حضور انور کے ساتھ اس قول کی نسبت دینی درحقیقت حضور کی بہت بڑی توہین کرنی ہی حضور کے صحابہ کی اللہ نے تائید کی تھی جس سے اُنھوں نے قرآن مجید کو اچھی طرح حاصل کرلیا ان صحابہ میں ایک علی بھی تھے۔

اَب ایک اور تماشے کی بات سُنئیے قرآن مجید اسوقت کامل ہوا تھا کہ جب علی کی عمر تیس برس کے قریب ہوگئی تھی قرآن مجید کا زیادہ حصہ آپ نے جوانی ہی میں حفظ کیا تھا بچپنے میں آپکو ایک سورۃ بھی حفظ نہیں تھی سارے قرآن مجید کے حافظ بھی حضرت علی نہیں تھے اگرچہ بعض کا یہ قول ہی کہ آپ نے اخیر میں سارا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔

مذہبی دنیا میں یہ بات مسلم ہی کہ انبیار ساری خلقت سے زیادہ عالم ہوتے ہیں حالانکہ سوائے مسیح کے کسی نبی کو خداوند تعالیٰ نے چالیس برس سے پہلے نبوت عطا نہیں فرمائی اس سے بچپنے کے نقش فی الحجر کا کلیہ ٹوٹ گیا۔

یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ حضور کی تعلیم عام تھی اسمیں کسی کی عمر وغیرہ کی تخصیص نہ تھی ہاں طالب کی استعداد کی بے شک شرط تھی ابوہریرہؓ کو دیکھو جنے صرف تین برس اور چند مہینے میں اتنا قرآن مجید

حفظ کر لیا تھا کہ اور کسی نے اتنا نہ کیا تھا۔

علم نحو کی ایجاد

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ علم نحو کی ایجاد کرنے والے حضرت علی ہی ہیں آپ نے ابوالاسود سے فرمایا تھا کہ کل کلام کی تین قسمیں ہیں۔ اسم فعل۔ حرف۔ اسکے علاوہ وجوہ اعراب بھی آپ ہی نے سکھائے تھے۔

جواب

بس یہ ہے کہ یہ علم علوم نبوت سے نہیں ہے بلکہ ایک مستنبط علم ہے اور یہ اس زبان کے قواعد میں جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یاد کرنے میں وسیلہ ہوتا ہے۔

خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں بے شک یہ علم نہ تھا نہ اسکی کوئی ضرورت تھی جب علی کوفے میں رہنے لگے تو لوگوں نے بیان کیا ہے کہ علی نے ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ میں نے ابوالاسود دئلی سے کہا کہ کلام اسم فعل اور حرف ہے اتنا کہدینے سے کسی بڑی علمیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف اتنی سی بات پر شیعی علمار کیوں بغلیں بجاتے ہیں تعریف تو ان کی کرنی چاہیئے جنھوں نے نحو کو مبسوط کر دیا بڑے بڑے نحوی کوفے اور بصرے میں گزرے ہیں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی نئی نئی باتیں پیدا ہوتی گئیں مثلاً خلیل نے علم عروض ایجاد کیا۔ اسی طرح اعراب وغیرہ اوروں نے ایجاد کئے۔

حضرت علی کی فقہ

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ تمام فقہا حضرت علی ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ ہے ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام یا فقیہ ایسا نہیں ہوا جسنے اپنی فقہ میں کبھی حضرت علی کی طرف رجوع کیا ہو بلکہ انھوں نے اپنا اپنا فقہ فقہائے سبعہ یعنی عمر۔ زید۔ ابن عمر وغیرہ سے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ امام مالک اہل مدینہ کے شاگرد تھے اور اہل مدینہ حضرت علی کے قول کے قریب بھی کبھی نہیں گئے تھے۔ اسی طرح امام شافعی نے اول ابن جریج کے دو مکی شاگردوں سے پڑھا یعنے سعید بن سالم قداح اور مسلم بن خالد زنجی سے اور ابن جریج نے ابن عباس کے شاگردوں یعنی عطا وغیرہ سے پڑھا تھا اور ابن عباس خود مستقل مجتہد تھے وہ جب کبھی صحابہ کے قول سے فتویٰ دیتے

تھے تو ابو بکر و عمر ہی کے قول سے دیتے تھے علی کے قول سے اُنھوں نے کبھی فتوٰی نہیں دیا۔ بلکہ وہ علی کی اکثر باتوں کا انکار اور اُن سے خلاف کیا کرتے تھے۔

امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی پڑھا ہے اور اہل عراق کی کتابیں بھی لکھی ہیں اور اپنے لیئے محدثین کا مذہب اختیار کیا اب رہے امام ابو حنیفہ رح تو اُن کے خاص اُستاد حماد ابو سلیمان ہیں اور حماد ابراہیم کے شاگرد ہیں ابراہیم علقمہ کے اور علقمہ ابن مسعود کے شاگرد ہیں ہاں امام ابو حنیفہؒ نے عطا وغیرہ سے بھی پڑھا۔ اب رہے امام احمد بن حنبلؒ وہ بھی محدثین کے مذہب پر ہیں اُنھوں نے ابن عیینہ سے تعلیم پائی اور ابن عیینہ نے عمرو بن دینار سے اور اُنھوں نے ابن عباس ابن عمر اور ہشام ابن بشیر سے اور ہشام نے حسن کے شاگردوں سے اور ابراہیم نخعی سے تعلیم پائی اسی طرح اسحٰق بن راہویہ ابو عبید، اوزاعی اور لیث وغیرہ اُن کا اکثر فقہ اہل مدینہ سے ہوتا تھا نہ کہ کوفیوں سے۔

شیعی علمار یہ بھی فرماتے ہیں کہ مالکیہ نے اپنا علم صرف علی اور اُن کی اولاد ہی سے حاصل کیا ہے ہم کہتے ہیں یہ بھی محض غلط ہے اور بالکل سفید جھوٹ ہے امام مالک کی کتاب موطا موجود ہے اُسمیں کوئی روایت نہ علی سے ہے نہ اُن کی اولاد سے اِلّا ماشاء اللہ اِس کی سب روایتیں اوروں ہی سے ہیں ہاں امام جعفر سے کل نو حدیثیں ہیں اور سوائے امام جعفر کے علی کی اولاد میں کسی سے امام مالک نے کوئی روایت نہیں لی۔ اسی طرح وہ حدیثیں جو صحاح۔ سنن اور مسانید میں ہیں ان میں حضرت علی کی اولاد میں سے بہت ہی کم روایتیں پائی جاتی ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام جعفر صادق

شیعی علمار یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے امام جعفر صادق سے پڑھا ہے یہ سب سے زیادہ سفید جھوٹ ہے اور ایسا جھوٹ کہ جسے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اُس کے سفید جھوٹ ہونے کی فوراً شہادت دیگا۔ امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق کے ہمعصروں میں سے ہیں یہ اُن کی شاگردی کس طرح کر سکتے تھے امام صادق کا انتقال ۱۴۸ھ ہجری میں ہوا ہے اور امام ابو حنیفہ کا انتقال ۱۵۰ھ ہجری میں۔

امام ابو حنیفہ امام جعفر کے والد ابو جعفر کی زندگی میں فتوٰی دیا کرتے تھے یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابو حنیفہ نے ایک مسئلہ بھی امام جعفر صادق یا اُن کے والد سے سیکھا ہو بلکہ امام ابو حنیفہ نے ان لوگوں سے تعلیم پائی تھی جو ان دونوں سے بڑے تھے جیسے عطاء بن ابی رباح

اوران کے اصلی استاد حماد بن ابی سلیمان اور جعفر بن محمدؑ مدینے میں تھے۔

امام شافعی اور محمد بن حسن

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے محمد بن حسن سے تعلیم پائی ہی یہ بھی محض غلط ہی شافعی نے محمد بن حسن سے کچھ نہیں پڑھا۔ہاں ان کے حلقے میں بیٹھے ہیں اوران کا طریقہ معلوم کرکے اُنسے مناظرہ کیا ہے۔سب سے پہلے امام شافعی ہی نے محمد بن حسن کی غلطیوں پر روشنی ڈالی ہی محمدؒ ابن حسن امام مالک اوراہل مدینے کا رد کیا کرتے تھے۔امام شافعیؒ نے نہایت انصاف اورآزادی سے محمد بن حسن کے کلام کا اوراہل مدینے کے قول کا موازنہ کیا جب انھیں اہل مدینے کا قول حق معلوم ہوا تو انھوں نے بلا تامل اہل مدینہ کے قول کی تائید کی۔

پھر عیسےٰ بن ابان نے ایک کتاب تصنیف کی جسمیں اُس نے دل کھول کے امام شافعی کا رد کیا ہی اس کا جواب بجواب ابن سریج نے ایسا دندان شکن دیا کہ عیسےٰ بن ابان کے بخیے اُڑ گئے۔

اَب امام احمد کو لو اُنھوں نے امام شافعی سے کچھ نہیں پڑھا لیکن ان کے حلقے میں شریک ہوئے ہیں جیسا کہ امام شافعی محمد بن حسن کے حلقے میں شریک ہوئے تھے مگر یہ عجیب بات ہی کہ اکثر مسائل میں امام شافعی اورامام احمد کا اتفاق ہی اور محمد بن حسن سے ان میں سے ایک کا بھی اتفاق نہیں ہی۔امام شافعیؒ عمر میں امام احمد سے دس برس سے کچھ زیادہ بڑے تھے۔

اصل یہ ہی کہ ان ائمہ اربعہ میں کوئی ایسا نہیں ہی جس نے فقہ کے قواعد میں کوئی بات بھی امام جعفر صادق سے سیکھی ہو،ہاں حدیثیں ان سے روایت کی ہیں جیسا کہ ان کے سوا اوروں سے بھی روایت کی ہیں مگر اوروں کی حدیثیں اُن کی حدیثوں سے کئی گونا زیادہ ہیں۔

اسکے علاوہ زہری اور صادق کی روایت میں کوئی نسبت نہیں ہی نہ قوت میں نہ کثرت میں امام بخاری نے جب یہ سنا کہ یحییٰ بن سعید قطان نے امام جعفر صادق کی روایتوں پر اعتراض کیا ہی تو اُن کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور اُنھوں نے جب مزید تحقیقات کی تو انھیں بھی جعفر صادق کی روایتوں میں شک ہو گیا اسی لیئے امام بخاری نے جعفر صادق کی کوئی حدیث روایت نہیں کی۔روایتوں کا ایک طوفان ہی جو زبردستی امام جعفر کے سر چپکا گیا ہے حالانکہ وہ اس سے بالکل بری تھے جھوٹ کا یہاں تک مبالغہ ہوا اور وہ اسقدر بڑھا کہ کئی امور جعفر

صادق کی طرف منسوب کر دیے گئے یعنی علم بطاقہ - ہفت - جدول - اختلاج اعضا - منافع قرآن - حوادث پر گفتگو کرنا - قرآن کی تفسیر میں اشارات کی قسمیں نکالنا وغیرہ - اسے اچھی طرح سمجھ لیجے کہ یہ سب امور ان کے ذمے لگانے محض بہتان اور طوفان ہیں -

مالک اور ربیعہ وغیرہ

شیعی علمار کہتے ہیں کہ امام مالک ربیعہ کے شاگرد ہیں اور ربیعہ عکرمہ کے اور عکرمہ ابن عباس کے اور ابن عباس علی کے شاگرد ہیں -

ہم کہتے ہیں یہ بھی صریح جھوٹ ہی کیونکہ ربیعہ نے عکرمہ سے کچھ نہیں پڑھا بلکہ امام مالک نے اپنی کتابوں میں سوائے ایک یا دو واثر کے ربیعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا اور نہ عکرمہ کا کہیں نام لیا کیونکہ ابن عمر اور سعید بن مسیب کی طرف سے انھیں یہ خبر لگ گئی تھی کہ انھوں نے ان پر کچھ اعتراض کئے ہیں اس لیئے امام مالک نے انھیں ترک ہی کر دیا - اسی طرح مسلم نے بھی ان کی کوئی حدیث روایت نہیں کی ہاں ربیعہ نے اہل مدینہ کے فقہا یعنی سعید بن مسیب وغیرہ سے پڑھا ہی مگر سعید ہمیشہ عمر فاروق ہی کی شاگردی کا فخر کرتے تھے - ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انھوں نے زید بن ثابت اور ابو ہریرہؓ سے بھی تعلیم پائی ہی - اسی وجہ سے بعض علمار نے کہا ہی کہ امام مالک کے موطار کے اصول ربیعہ سے لیئے گئے ہیں اور ربیعہ نے سعید بن مسیب سے اور انھوں نے حضرت عمر سے -

ہاروں رشید نے ایک دن امام مالک سے کہا کہ تم نے اپنی موطار میں ابن عمر کی حدیثیں بہت لکھی ہیں اور ابن عباس کی کم اس کا کیا سبب ہی ؟ تو انھوں نے یہ جواب دیا اے امیر المومنین ابن عمر ابن عباس سے زیادہ پرہیزگار تھے -

خلاصہ یہ ہی کہ امام مالک کی موطار موجود ہی اُسے اول سے آخر تک دیکھ جاؤ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ شیعی علمار نے جو کچھ بیان کیا ہی وہ کس قدر غلط ہی -

اب رہا شیعی علمار کا یہ کہنا کہ ابن عباس علی کے شاگرد ہیں یہ بھی بالکل غلط ہی کیونکہ ابن عباس نے حضرت علی سے جتنی روایتیں کی ہیں وہ بہت ہی کم ہیں ان کی اکثر روایتیں صحابہ میں حضرت عمر - زید بن ثابت اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے ہیں - ابن عباس ہمیشہ ابو بکر و عمر کے قول پر فتوی دیتے

تھے علی کی تو اُنھوں نے بہت سے مسئلوں میں مخالفت کی ہی جیساکہ امام بخاری نے لکھا ہے کہ جب علی کے پاس زندیق لوگ گرفتار ہو کے آئے تو علی نے انھیں آگ میں جلوادیا جب اِس ہولناک خبر کی ابن عباس کو اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے صاف طور پہ کہا کہ علی نے بُرا کیا اگر میں اُسوقت ہوتا تو انھیں کبھی نہ جلانے دیتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی سخت ممانعت کر گئے ہیں

علیؓ اور قرآن مجید کی تفسیر

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علم تفسیر بھی حضرت علی ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہی کیونکہ اس علم میں ابن عباس ان کے شاگرد ہیں۔

(بقول شیعی علماء) ابن عباس فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی ب کی تفسیر حضرت امیر المومنین علی نے مجھ سے شام سے لیکے صبح تک بیان کی تھی فقط۔

ہم اس سے بھی صاف انکار کرتے ہیں کیونکہ ہمیں کوئی سند ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ ابن عباس نے ایسا کہا ہی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ منقولات سے دلیل بیان کرنے والے پر کم سے کم یہ بات بہت ضروری ہی کہ وہ ایسی اسناد کو صاف بیان کر دے جس سے اِس نقل کی صحت ثابت ہو جائے ورنہ محض اتنی سی بات سے کہ یہ منقولات کی کتابوں میں مذکور ہے اِن سے استدلال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہی چہ جائیکہ جب یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان کتابوں میں بہت سی باتیں جھوٹی بھی ہیں۔

دوسرے محدثین خوب جانتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ ہی کیونکہ یہ قِر جو ابن عباس سے نقل کیا جاتا ہے ان کے ذمے نرا اتہام ہی اس روایت کی اُن سے منقول ہونے کی کوئی سند نہیں ہی خوش اعتقاد یا اپنے فرضی پیر کو آسمان پر چڑھانے والے ہمیشہ ایسی حکایتیں بلا اسناد ہی بیان کر دیتے ہیں اور ان حکایتوں کو اکثر وہ جُہلا نقل کیا کرتے ہیں جو بے حقیقت باتوں میں گفتگو کرتے ہیں اور انکا مقصدِ عظم ناواقف آدمیوں کو گمراہ کرنے کا ہوتا ہی۔ ابن عباس سے صحیح صحیح سندوں کے ساتھ بہت سی تفسیر منقول ہوئی ہی مگر اُسمیں علی کا کہیں ذکر تک نہیں آیا ہاں اور صحابہ سے ابن عباس نے روایت کیا ہی مگر علی سے اِن کی روایتیں بہت ہی کم ہیں۔ اصحاب صحاح نے ابن عباس کی کوئی ایسی حدیث روایت نہیں کی جو علی سے مروی ہو بلکہ اُن کی ایسی حدیثیں بہت

سی روایت کی ہیں جو عمر فاروق عبدالرحمن بن عوف اور ابوہریرہؓ وغیرہ سے منقول ہیں۔
اسکے علاوہ ابن عباس۔ عمر فاروق اور ابن مسعود وغیرہ ایسے صحابہ سے تفسیر کی ہی جنہوں نے
علی سے کوئی بات اخذ نہیں کی نہ مسلمانوں کے پاس کوئی تفسیر ہے جو علی سے ثابت ہوئی ہو
اور جو حدیث اور تفسیر کی کتابیں صحابہ و تابعین کے آثار سے بھری ہوئی ہیں علی کی روایت
ان میں بہت ہی کم ہی۔ چالاک آدمیوں نے اپنی طرف سے کتابیں تصنیف کیں اور علی اور
اُن کی اولاد کے سر چپیک دیں۔ جُہلا میں بات یقین کرلی گئی کہ یہ کتابیں انہیں بزرگوں کی
ہیں۔ مثلاً نہج البلاغۃ کے جتنے خطبے ہیں وہ سب یار لوگوں کی جدت پسند طبیعت کا نتیجہ ہیں
مگر غضب دیکھئے کہ ان خطبوں کو حضرت علی کے سر چپیک دیا۔ اسی طرح حقایق السلمی میں امام
جعفر صادق سے جو تفسیر نقل کی گئی ہو اسمیں درحقیقت جعفر کے ذمے نرا اتہام ہی اتہام ہی
بیچارے جعفر کو اس تفسیر سے کچھ تعلق نہیں۔

حضرت علی اور علم طریقت

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ علم طریقت بھی جناب امیر علی بن ابی طالب ہی کی طرف منسوب ہی
کیونکہ صوفیہ سب کے سب خرقہ کو انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں یہ بھی محض غلط ہی عام طور پر سنیوں کو بھی ایک عرصے سے یہ دھوکہ ہو رہا ہے
کیونکہ ان میں بہت سے سُنی نما یا صوفی نما شیعہ اصحاب اس کثرت سے پیدا ہو گئے ہیں کہ بیچارے
جاہل انہیں کے ہو کے رہگئے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اسپر وہ آمنا و صدقنا کہنے کے لئے
سب سے پہلے تیار ہیں۔ آجکل ہندوستان میں یہ بہت بڑی آفت پھیلی ہوئی ہی صوفی نما
شیعوں کا ایسا داؤں چل گیا ہے کہ انھوں نے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی عظمت کو مسلمانوں
کے دلوں سے بالکل نسیاً منسیا کر دیا ہی وہ جھوٹی اور موضوع روایتیں اپنے مریدوں کے
جلسوں اور اپنے وعظوں میں نہایت بے باکی سے بیان کرتے ہیں اور اُن میں حضرت علی کی فرضی
فضیلت کا راگ گایا جاتا ہی۔ جاہل مرید معاذ اللہ اپنے پیر کے کلام کو کلام خدا سمجھ کے اُس کا
یقین کر لیتے ہیں اب اُسکی حقیقت سنئے اور غور سے سنئے کہ اہل معرفت جو امت مرحومہ میں لسان صدق
کیساتھ مشہور ہیں وہ سب کے سب ابوبکر صدیق کے مقدم ہونے پر متفق ہیں اور اس بات

کے قائل ہیں کہ حقایق ایمانیہ اور احوال عرفانیہ میں ابوبکر ساری امت سے بڑھے ہوئے تھے پس ایسے شخص سے جسکو لسان صدق ان حقائق میں مقدم کہیں جو ان کے نزدیک تمام امور سے افضل ہیں اُس شخص کو کیا نسبت ہو سکتی ہی جس کی طرف لباس خرقہ کو منسوب کیا جاتا ہی حالانکہ صحیحین میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہی آپ نے فرمایا ہی" ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم وانما ینظر الی قلوبکم واعمالکم" یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری ظاہر صورتوں اور تمھارے مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں تمھارے اعمالونکو دیکھتا ہی۔ اِس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حقائق قلوب کو لباس ابدان سے کچھ بھی نسبت نہیں ہی۔

اَب خرقہ کو دیکھا جائے تو آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ خرقے متعدد ہیں انمیں زیادہ تر مشہور دو خرقے ہیں ایک خرقہ عمر کی طرف منسوب ہی اور دوسرا علی کی طرف۔ عمر کے خرقے کے دو سلسلے ہیں ایک اویس قرنی تک دوسرا ابو مسلم خولانی تک باقی وہ خرقہ جو علی کی طرف منسوب ہی اُس کا سلسلہ حسن بصری تک ہی اور متاخرین اُسے معروف کرخی کے سلسلے سے مانتے ہیں کیونکہ اسمیں شک نہیں کہ جنید۔ سری سقطی کی صحبت میں رہی اور سری سقطی نے معروف کرخی سے فیض پایا لیکن معروف کرخی سے اوپر سلسلہ ٹوٹتا ہے اسے ماننے والے کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ معروف کرخی نے علی بن موسٰی رضا کی صحبت سے فیض اُٹھایا ہے مگر یہ یقیناً غلط ہی اِس کا ذکر ان مصنفین نے کہیں نہیں کیا جو معروف خبروں کو متصل سندوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں جیسے ابو نعیم اور ابو الفرج ابن جوزی اس نے کرخی کے فضائل میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہی۔ اسکے علاوہ معروف کرخی کرخ میں سب سے علیحدہ رہتے تھے اور علی بن موسٰی کو مامون نے اپنے بعد ولیعہد مقرر کر دیا تھا اور ان کا شعار سبز لباس ٹھیرا دیا تھا پھر اُس نے اس سبز شعار کو بدل دیا اور سیاہ لباس قرار دیا معروف ہرگز ان لوگوں میں نہیں ہیں جو علی بن موسٰی کے ساتھ رہے ہوں نہ کسی معتبر راوی نے یہ نقل کیا کہ معروف کا اور موسی رضا کا ساتھ رہا ہو یا اُنہوں نے ان سے کچھ فیض اُٹھایا ہو ہم صحبت ہونا تو دوسری بات ہی۔

دہن کا ذکر کیا یہاں سر ہی غائب ہے گریباں سے

کہیں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ معروف کرخی نے علی بن موسٰی کو دیکھا بھی ہو۔ یاد رکھو یہ

ساری باتیں اختراعی اور جھوٹی ہیں۔

باقی دوسرا سلسلہ دیکھو لوگ کہتے ہیں کہ معروف کرخی داؤد طائی کی صحبت میں رہے ہیں یہ بھی محض بے اصل ہی معروف خبروں میں انکا کہیں ذکر نہیں ہی پھر لوگ یہ کہتے ہیں کہ داؤد طائی حبیب عجمی کی صحبت میں رہے ہیں یہ بھی محض غلط اور بالکل غلط ہی ہاں یہ بات صحیح ہے اور ہم اُسے مانتے ہیں کہ حبیب عجمی حسن بصری کی صحبت میں رہے ہیں۔حسن بصری کے ان کے علاوہ بہت سے شاگرد تھے مثلاً ایوب سختیانی۔یونس بن عبید۔عبداللہ بن عوف۔محمد بن واسع مالک بن دینار۔اور حبیب عجمی وغیرہ یہ لوگ بصرے کے عابد مشہور ہیں۔

اسی سلسلے میں بعض نے یہ بھی کہا ہی کہ حسن بصری علی کی صحبت میں رہے ہیں مگر یہ قول باتفاق تمام اہلِ معرفت کے بالکل باطل ہی کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہی کہ حسن بصری کی علی سے کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی ہاں حسن نے علی کے شاگردوں سے کچھ حاصل کیا ہی۔مثلاً احنف بن قیس اور قیس بن عباد وغیرہ یہ دونوں حضرت علی کے شاگرد ہیں اہل صحیح نے اسے اسی طرح نقل کیا ہی۔

حسن بصری عمر فاروق کی شہادت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور جب عثمان شہید ہوئے تو یہ مدینہ منورہ میں تھے اُن کی والدہ اُم سلمہ کی خادمہ لونڈی تھیں عثمان کے شہید ہونے کے بعد یہ بصرے چلے گئے تھے علی اُسوقت کوفے میں تھے یہ زمانہ حسن کی نوعمری کا تھا نہ وہ کسی سے واقف تھے نہ انھیں کوئی جانتا تھا۔

علی سے جو یہ اثر نقل کیا جاتا ہی کہ آپ بصرے کی جامع مسجد میں گئے اور سوائے حسن کے سب قصہ گویوں کو نکال دیا یہ محض غلط اور بالکل غلط ہی اور اُسکے جھوٹ ہونے پر سب کا اتفاق ہی ہاں جو بات ٹھیک ہی وہ یہ ہے کہ علی جب مسجد میں گئے تو انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کوئی قصہ بیان کر رہا ہی آپ نے دریافت کیا تیرا نام کیا ہی؟ اُس نے جواب دیا ابو یحییٰ علی نے کہا تو ناسخ و منسوخ میں تمیز کر سکتا ہی؟ اُس نے کہا نہیں۔آپ نے فرمایا کمبخت تو خود بھی تباہ ہوا اور تو نے اوروں کو بھی تباہ کیا۔پھر آپ نے فوراً اُسے مسجد سے نکلوا دیا۔

ہم نے جو خرقہ کی سندیں بیان کی ہیں اُسکی دو وجہ ہیں اول یہ کہ یہ سندیں ہمیں معلوم ہیں دوسرے یہ کہ ہمارے بیان کرنے سے حق و باطل میں تمیز ہو جائیگی باقی جن لوگوں کے پاس اس خرقہ

کی سندیں ہیں جو جابر کی طرف منسوب ہیں وہ سندیں بالکل منقطع ہیں۔

نقل متواتر سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ صحابہ نے اپنے مریدوں کو کبھی خرقہ نہیں پہنایا نہ کبھی انکے بال کترے نہ یہ فعل تابعین نے کیا ہاں متاخرین میں سے بعض مشرقی مشائخ نے ایسا کیا ہی۔

حسن بصری کے قصے صحیح صحیح سندوں کے ساتھ بہت سی کتابوں میں مذکور ہیں اور جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے اِن سے یہی ثابت ہوتا ہے ان سب سے ضعیف تر حضرت علی کی طرف فتوۃ کی نسبت کرنی ہی اس کی اسناد میں بہت سے راوی مجہول ہیں جنکا ہمیں کہیں پتہ نہیں لگا۔

جو شخص صحابہ اور تابعین کے حال سے واقف ہوگا وہ یقیناً جان لیگا کہ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے نمک پیا ہو یا ایسی ہی کوئی بات کی ہو نہ اُن میں سے کوئی شخص کسی طریقے کے ساتھ مخصوص ہوا جسکا نام فتوۃ رکھا گیا ہے بلکہ وہ سب صحابہ سے مستفید ہوتے اور بیعت ہوتے تھے اور ایک کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے دوسرے صحابی یا تابعی سے آزادی کے ساتھ فیض اُٹھاتے تھے مثلاً ابنِ مسعود کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے عمر۔ علی اور ابو درداء وغیرہ سے فیضیاب ہوتے تھے اسی طرح معاذ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ابن مسعود وغیرہ سے فیض لیتے تھے اسی طرح ابن عباس کے ابن عمر اور ابوہریرہ وغیرہ سے اور زید بن ثابت کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ابوہریرہ وغیرہ سے فیض حاصل کرتے تھے یہ سب کے سب ایک ہی دین ایک ہی طریق اور ایک ہی سبیل پر متفق تھے اللہ کی عبادت کرتے اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں سرگرم رہتے اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو بات اُنہیں سچے راویوں کے ذریعہ سے پہنچتی تھی اُسے فوراً بدل وجان قبول کر لیتے تھے قرآن وحدیث سے جو انکی سمجھ میں آتا تھا برابر مستفید ہوتے تھے جو انھیں نیکی اور خیر کی نصیحت کرتا اُسے فوراً تسلیم کر لیتے تھے ان میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جس نے اپنے پیر یا اپنے شیخ کو خدا سمجھ لیا ہو اُس سے کسی قسم کی فریاد کی ہو یا اُسے مثل اُس معبود کے سمجھ لیا ہو جس سے دعائیں مانگی جاتی ہیں جس سے امید کی جاتی ہی۔ جس کی عبادت میں سرخم کیا جاتا ہی جسپر توکل کیا جاتا ہی اور موت وحیات غرض ہر حالت میں جس سے فریاد کیجاتی ہی نہ اُسے وہ مثل اُس نبی کے سمجھتے تھے جسکی اطاعت کرنی واجب ہے۔ مطلب تو یہ ہی کہ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا ہو اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا ہو۔ باقی

اِسکے خلاف جو شخص عقیدہ رکھے وہ مسلمان نہیں ہی۔

صحابہ نیکی اور تقوے پر ایک دوسرے کے معاون تھے نہ گناہ اور عداوت پر۔ وہ ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کی نصیحت کرتے تھے۔ امام اور شیخ ان کے نزدیک بمنزلہ نماز کے امام اور معلم حج کے تھا مقتدی امام کے پیچھے نماز پڑھتے اور اس کی اقتدا کیا کرتے ہیں انکی نماز ان کی طرف سے نماز نہیں ہو جاتی۔ وہ انھیں وہی نماز پڑھاتا ہی جس کا اللہ نے اور اللہ کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اگر وہ اس سے سہواً یا عمداً عدول کرے تو یہ اسکا اتباع نہیں کرتے۔ اسی طرح معلم حاج حاجیوں کو حج کے طریقے بتاتا ہے اور یہ اپنی طرف سے حج کرتے ہیں معلم کا حج ان کی طرف سے نہیں ہو جاتا۔ اگر وہ بتانے میں خطا کرے تو یہ اسکی پیروی نہیں کرتے اور جب دو معلموں اور دو اماموں میں اختلاف ہوتا ہی تو غور کیا جاتا ہے کہ ان میں حق پر کون ہی پھر اس کا اتباع کیا جاتا ہی اور ان میں فیصلہ قرآن و حدیث سے ہوتا ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر۔ یعنے اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو اور ذی اختیار لوگوں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہو جاؤ تو اگر تم اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اس (معاملہ) کو اللہ اور اللہ کے رسول کے پاس لیجاؤ۔

جتنے صحابہ مختلف شہروں میں بود و باش رکھتے تھے وہاں کے لوگوں نے اُن سے علم دین حاصل کیا مگر شرق و مغرب کے اکثر مسلمانوں نے علی سے کچھ بھی نہیں سیکھا کیونکہ علی جب مدینہ میں رہتے تھے تو مدینہ کے لوگ اُن کے زیادہ محتاج نہ تھے اور اگر تھے بھی تو اتنے ہی تھے جتنے اُن کے اور ہمعصروں کے تھے مثلاً عثمان غنی وغیرہ۔ اور جب علی کوفہ گئے تو وہاں کے لوگ اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے دین کو اُن لوگوں سے سیکھ چکے تھے جنھیں عمر فاروق نے کوفہ بھیجا تھا یعنے سعد بن ابی وقاص ابن مسعود۔ حذیفہ۔ عمار اور ابو موسیٰ اشعری وغیرہ۔ اب رہے اہل بصرہ انھوں نے عمران بن حصین ابو بکرہ۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ اور انس وغیرہ سے علم دین حاصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ اہل شام معاذ بن جبل۔ عبادہ بن صامت۔ ابو درداء اور بلال وغیرہ کے علم دین میں شاگرد تھے۔

ان شہروں کے عابد زاہد دین کو اُن ہی صحابہ سے حاصل کر لیتے تھے جو انھیں ملتے تھے۔ کوئی کسی کی کچھ خصوصیت نہیں سمجھتا تھا۔ بھلا یہ کہنا کیونکر ٹھیک ہو سکتا ہے کہ اہل زہد اور اہل تصوف کا طریقہ علی ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

زہد کی کتابیں موجود ہیں انھیں غور سے پڑھو کسی کتاب میں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس طریقہ کا تعلق خاص علی ہی سے ہے امام احمد کی کتاب موجود ہے۔ ابن المبارک۔ وکیع بن جراح کی کتابیں۔ حلیۃ الاولیاء۔ صفۃ الصفوہ وغیرہ جن میں صحابہ اور تابعین کے قصے بہت ہیں اب بھی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ان کتابوں میں علی کے تصوف کی بابت کوئی امر ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ وہ ابوبکر عمر۔ معاذ ابن جبل ابن مسعود۔ ابی بن کعب۔ ابوذر۔ ابوالدرداء اور ابوامامہ وغیرہ سے بڑھے ہوئے تھے۔

حضرت علی کا علم فصاحت

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ علی علم فصاحت کے تو منبع تھے بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ علی کا کلام مخلوق کے کلام سے اوپر اور خالق کے کلام سے نیچے ہے اسی لئے تمام خطیب اِن ہی سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ فقط

جواب

یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ علی بعض صحابہ میں اچھا خطبہ پڑھنے والے تھے مگر ابوبکر و عمر کے خطبہ کو انکا خطبہ نہیں پہنچ سکتا تھا ان کے علاوہ ثابت بن قیس بن شماس تو خطیب رسول اللہ کے نام سے مشہور تھے یقیناً اور بلاشک ابوبکر کا درجہ ان میں بڑھا ہوا تھا کیونکہ وہ حضور کی موجودگی اور عدم موجودگی غرض ہر حالت میں خطیب ہوتے تھے۔ جب حضور موسم حج میں باہر تشریف لیجاتے تھے تو آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور حضور انور کے لئے ہر جگہ خطبہ پڑھتے تھے جس خطبہ میں آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے حضور انور ابوبکر کا خطبہ خاموشی سے سنتے تھے اور اسی پر بس کر لیتے تھے۔ ابوبکر کا خطبہ حضور انور کی معونت کیلئے آپکی تبلیغ کا توطیہ تمہید ہوتا تھا نہ یہ کہ وہ اللہ کے رسول سے پیش قدمی کرتے تھے اسی طرح ثابت ابن قیس بھی بعض اوقات حضور کی طرف سے خطبہ پڑھ دیتے تھے جس سے انکا نام خطیب رسول اللہ پڑ گیا تھا۔

جب حضور انور اور ابوبکر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے ہیں تو حضور کی طرف سے سب سے پہلے ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا۔ آپ کی فصاحت و بلاغت آپ کا روحانی جوش اُس وقت موجزن ہوا کہ جن لوگوں نے آپ کا خطبہ سُنا اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ محمد رسول اللہ یہی ہیں۔ مگر بعد ازاں اُن کی

غلطی کی اصلاح ہوگئی۔

حضور انور کی وفات کے بعد بھی ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا۔ سقیفہ کے دن بھی ابوبکر ہی نے خطبہ پڑھا تھا اور یہ ایسا خطبہ تھا جس سے تمام حاضرین کو بہت بڑا فائدہ ہوا یہاں تک کہ عمر فاروق نے یہ فرمایا کہ میں نے اپنے دل میں ایک نہایت عمدہ تقریر سوچی تھی میں چاہتا تھا کہ اُسے ابوبکر کے بیان کرنے سے پہلے ہی بیان کردوں کیونکہ مجھے وہ بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی اور میں اُس کے جملوں کی اُلٹ پھیر کر رہا تھا تاکہ اسمیں کسی قسم کی کوئی بات غیر مناسب نہ ہو جائے مگر جب میں نے بولنا چاہا تو ابوبکر نے مجھے منع کردیا کہ ذرا ٹھیرو اسوقت اُن پر خفا ہونا مجھے مناسب معلوم ہوا میں خاموش ہو کے بیٹھ گیا۔ پھر ابوبکر نے بیان کیا۔ تو واقعی وہ مجھسے زیادہ باوقار اور ہوشیار تھے۔ قسم ہے اللہ کی جو باتیں میں نے غور و خوض کے بعد پیدا کی تھیں وہ سب بلکہ اُنسے بھی کہیں زیادہ ابوبکر نے فی البدیہ بیان کردیں کوئی بات ان میں کی ایسی نہیں ہے جو ابوبکر نے نہ بیان کی ہو۔

انس کہتے ہیں کہ ابوبکر نے ہمیں خطبہ سنایا اُس سے پہلے ہم پریشانی کی وجہ سے مثل لومڑیوں کے تھے وہ برابر ہماری دلجمعی کرتے رہے یہاں تک کہ ہم مثل شیروں کے ہو گئے۔

زیاد بن ابیہ بھی بہت سلیس اور بلیغ خطبہ پڑھتے تھے۔ اُن کی نسبت شعبی کا قول ہے کہ میں جس کا کلام سُنتا تھا اُس کے خاموش ہوجانے کی تمنا کیا کرتا تھا اس اندیشہ سے کہ زیادہ کہنے کی وجہ سے کہیں اکتا نہ جائے اور پھر اُسکے کلام کا لطف جاتا ہے سوائے زیاد کے کہ وہ جتنا زیادہ کہتے تھے اُسیقدر بیان پُر لطف ہوتا جاتا تھا۔ اسیوجہ سے زیاد کے خطبے بہت سے لوگوں نے لکھے ہیں۔

اب سُنئے امیر معاویہ اور عایشہ صدیقہ کے بھی بہت بلیغ خطبے ہوتے تھے احنف بن قیس کا قول ہے کہ میں نے ابوبکر۔ عمر فاروق۔ عثمان اور علی کے خطبے سُنے ہیں لیکن عایشہ صدیقہ سے زیادہ مؤثر اور بلیغ خطبہ میں نے کسی مخلوق کا اپنی عمر میں نہیں سُنا۔

اِس کے علاوہ عرب میں اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بڑے بڑے خطیب ہوئے ہیں لیکن ان سب نے علی سے کچھ نہیں سیکھا پس شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علم فصاحت کے منبع علی ہی تھے صریح جھوٹ ہے اسکی بڑی دلیل یہ ہے کہ حضور انور تو یقیناً علی سے زیادہ فصیح و بلیغ خطبہ پڑھتے تھے حالانکہ آپ نے علی سے کبھی کچھ نہیں سیکھا تھا۔

بعض لوگ نادانی اور بے وقوفی سے کلام کی فصاحت محض لفاظی میں سمجھتے ہیں خطبائے عرب لفاظی کو جانتے بھی نہ تھے۔ اُنکا کلام مختصر اور پُر مغز ہوتا تھا مگر ایران میں اِس فصاحت نے لفاظی کا جامہ پہن لیا۔ وہ خطبے جو حضرت علی کے نام سے مشہور کیئے جاتے ہیں اور جنکا اصلی مصنف ایک ایرانی ہی پوری لفاظی کا جلوہ دے رہے ہیں۔ اہل عرب کی سادگی کی اُنہیں مطلق ہوا تک نہیں لگی۔

یہ اچھی طرح سمجھ لیجیئے کہ کلام میں تشدق کرنے اور سجع لانے کا نام ہرگز فصاحت نہیں ہے حضرت علی کے اصلی خطبوں میں کہیں ان بیہودہ باتوں کا مطلق اثر نہیں پایا جاتا خطبارِ عرب یعنی صحابہ وغیرہ کے خطبے سجع کے بیہودہ تکلف سے بالکل پاک تھے اور نہ تکلفِ تحسین جسے علم بدیع کہتے ہیں جو محض الفاظ میں ہوتا ہے ان میں پایا جاتا تھا متاخرین شعرا وغیرہ میں یہ آفت موجود ہے قرآن مجید میں جو اس قسم کی آیتیں پائی جاتی ہیں مثلاً وھم یحسبون انھم یحسنون وان ربہم بھم وغیرہ میں صنعتِ تجنیس کی وجہ سے تکلف نہیں کیا گیا۔

یہ بیان خود مقصود نہیں ہی بلکہ مقصود کا تابع ہی جیسا قرآن مجید میں اشعار کے اوزان پائے جاتے ہیں یعنے اکثر جملے اشعار کے مصرعے معلوم ہوتے ہیں مگر مقصود ان سے شعر نہیں ہی مفصلہ ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں۔

وقدور راسیات۔ نبئی عبادی انی انا الغفور الرحیم۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک بلکہ وہ بلاغت جس کا اِس آیۃ میں حکم ہی وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً۔ اِس سے مراد علم معنی اور بیان ہیں جسکا مطلب یہ ہی کہ معنی ایسے بیان کئے جائیں جو مطلوب کے بالکل مناسب ہوں اور الفاظ بھی ایسے ذکر کئے جائیں جو ان معنی کے بیان کرنے میں اعلی درجہ کے ہوں پس بلاغت سے غایت مقصود کو پہنچنا یا عمدہ بیان سے معنی کی غایت کو پہنچنا مراد ہے لہذا بلیغ وہی ہی جسمیں یہ دونوں باتیں ہوں یعنی معنی مقصودہ کی تکمیل اور اسکی غایت کو عمدہ طریقہ سے ظاہر کردے بعض لوگوں کا مذاقِ سخن فقط معنی کی طرف ہوتا ہی اور وہ ان معنی کے حق کو اُن بیان کردہ الفاظ سے پورا نہیں کرتے اسی طرح بعض لوگ اپنے مافی الضمیر معنی کو بیان کرتے ہیں لیکن یہ معنی اِس موقع کے مقصود مطلوب کے ساتھ چسپاں نہیں ہوتے یعنی اِس معنی سے ان کا مقصود مطلوب حاصل نہیں ہوتا باقی اُسکے سوا سجع۔ اوزان تجنیس اور تطبیق وغیرہ کا تکلف کرنا متاخرین

شعرار، خطبار، مترسلین اور وعاظ کا تکلف ہی جیسا کہ ہم ابھی اوپر لکھ چکے ہیں صحابہ تابعین اور فصحائے عرب کا یہ طریقہ نہیں تھا نہ اس کا اہتمام کسی عرب نے آجتک کیا جن لوگوں نے اپنے کلام میں یہ غیر ضروری تکلف کیا اُنھوں نے بغیر کسی مطلوبہ معنی کے الفاظ پر ملمع کر دیا ایسے لوگ مثل اُس مجاہد کے ہیں جو اوّل درجہ کا بزدل ہو کے تلوار کو ہوا میں پھرانے لگے اسی وجہ سے جب کوئی شاعر مدح یا ہجو میں مبالغہ کرتا ہی تو وہ اُسکے ذریعہ سے جھوٹ میں افراط کرنے کی طرف نکل جاتا ہی۔ تخیلات یا تمثیلات سے مدد لیتا ہی اسی لیئے شائستہ جلسوں اور مہذب انجمنوں میں شعرار کے کلام کی کوئی وقعت نہیں ہی اس بیہودہ مبالغے اور جھوٹ بولنے سے مشرقی دنیا میں شعرار بھاٹوں کے پہلو بہ پہلو شمار کئے گئے ہیں قومی تمدن محسوسات اور جذبات پر اُن کا کوئی اثر نہیں پڑتا وہ بالکل ایک کم وقعت چیز ہیں اگر تمام شعرار یک قلم ملک سے بدر کر دئے جائیں تو قوم کسی قسم کا نقصان اُس سے نہیں اُٹھا سکتی واقعات پر بحث کرنا انہیں مطلق نہیں آتا وہ اپنے خیال کی پیروی کرتے ہیں جنکا خیال محدود ہی اور اسپر تمدن کا مطلق اثر نہیں پڑا ہم نہج البلاغۃ کی نسبت کئی دفعہ اشارۃً لکھ چکے ہیں کہ جو خطبے حضرت علی کے نام سے اسمیں درج کئے گئے ہیں یقیناً اور بلاشک حضرت علی کے ذمے محض بہتان اور جھوٹ لگایا گیا ہی اس قسم کے کلام سے حضرت علی کی شان کہیں ارفع و اعلیٰ تھی مگر تیز طبع موجدوں نے طرح طرح کی جھوٹی باتیں خود گھڑ کے اپنے دل ہی دل میں یہ سمجھ لیا ہی کہ ہم حضرت علی کی بہت بڑی مدح کر رہے ہیں حالانکہ وہ مدح نہیں ہی اور در حقیقت نہ وہ حق ہی اور نہ مدح ہی جس شخص نے یہ کہا کہ انسانوں میں حضرت علی کا کلام ساری مخلوق سے فوقیت رکھتا ہی۔ اُس نے بڑی بھاری غلطی کی کیونکہ حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام علی کے کلام سے بدرجہا فوقیت رکھتا ہی اور یہ دونوں مخلوق ہیں اسکے علاوہ وہ معنی صحیحہ جو علی کے کلام میں پائے جاتے ہیں وہ اوروں کے کلام میں بھی بکثرت ہیں لیکن نہج البلاغۃ کے مصنف اور اس کے ہم خیالوں نے اور لوگوں کا اکثر کلام لے لے کے اُسے علی کا کلام ٹھیرا دیا ہی نہج البلاغۃ کے دو حصے کرنے چاہئیں ایک حصہ تو وہ ہی جسمیں خاص حضرت علی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ خود آپ نے ایسا فرمایا تھا ان میں بعض باتیں حق بھی ہیں یعنی یہ کہ علی ایسا کہہ سکتے تھے لیکن درحقیقت وہ علی کا کلام نہیں ہی یہی وجہ ہی کہ جاحظ وغیرہ کی کتابوں میں بہت سا کلام اور فصیح فصیح جملے اور لوگوں سے منقول ہیں حضرت علی کا وہاں نام بھی نہیں ہی لیکن

جسم کے معراج ہوئی تھی تو سلف میں سے کوئی شخص بھی یہ شہادت نہیں دیتا کہ حضور انور کے سوا کوئی دوسرا شخص بھی مع جسم آسمان پر گیا تھا اگر حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے کسی کا شایخ یا اہلبیت کی بابت یہ عقیدہ ہو جائے تو یقیناً یہ اسی قسم کی گمراہی ہے جیسے غالیہ فرقے کے لوگ اہلِ بیت وغیرہ میں سے کسی کو نبوت دیتے ہیں اور . . . کسی کو خدا بنا رکھا ہے یہ تمام امور صریح کفر ہیں ان کے کفر ہونے میں علمائے اسلام میں سے کوئی بھی شک نہیں کرتا یہ میمون قداح کی اولاد کا عقیدہ ہے جنکا جدامجد ایک یہودی اور ایک آتش پرست کا تربیت یافتہ تھا یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم محمد بن اسمعیل بن جعفر کی اولاد ہیں اور ان کے اکثر متبعین نے ان کی بابت نبوت بلکہ الٰہیت کا اعتقاد کر لیا تھا ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ محمد بن اسمعیل بن جعفر نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے اسی طرح ان غلاۃ میں ایک اور فرقہ ہے یہ لوگ علی اور بعض اہل بیت کے حق میں نبوت اور الٰہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں ایسے ہی نساک میں ایک فرقہ ہے یہ لوگ بھی بعض شیوخ کی بابت ایک قسم کی الٰہیت یا نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ انبیاء سے افضل تھے خاتم الاولیاء کو خاتم الانبیاء سے افضل ٹھیراتے ہیں اسی طرح ایک اور فرقہ ہے جو تمام اولیاء کو کل انبیاء سے افضل قرار دیتا ہے اور محی الدین ابن عربی کو خاتم الاولیاء بتاتا ہے اور یہ بھی اس فرقے کا عقیدہ ہے کہ خاتم الانبیاء خاتم الاولیاء سے مستفید ہوتا ہے ان کے علاوہ ایک اور فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ کامل فلسفی حقائق علمیہ اور معارف الٰہیہ میں نبی سے زیادہ عالم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے تمام اقوال باتفاق کل علماء اسلام کے کفر میں داخل ہیں۔ فقط

علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے

شیعی علماء کہتے ہیں کہ سب صحابہ اپنے تمام مشکل مسئلوں میں علی ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور وہی اُنکی مشکلات کو حل کرتے تھے۔ عمر نے اپنے بہت سے فیصلے رد کر دئے اور یہ کہا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا فقط

جواب

صحابہ دینی امور میں اکیلے علی یا اور کسی کی طرف کبھی رجوع نہ کرتے تھے نہ ظاہر مسئلہ میں نہ مشکل میں جب کوئی بڑا حادثہ پیش آتا تھا تو عمر فاروق سب صحابہ سے مشورہ لیتے تھے جسکا ذکر ابھی ہم اوپر کر چکے

ہیں۔ مثلاً عثمان۔ علی۔ عبدالرحمن۔ ابن مسعود۔ زید بن ثابت اور ابوموسیٰ سب ان کے مشیر ہوتے تھے۔

اصل یہ ہو کہ جسے کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تھا وہ کبھی علی سے دریافت کرلیا کرتا تھا۔ کبھی ابی بن کعب اور کبھی عمر فاروق سے ہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہو کہ علی کی بہ نسبت ابن عباس سے مسئلے زیادہ دریافت کئے جاتے تھے اور یہ ابن عباس ہی تھے جو علی کی بہ نسبت بڑی بڑی مشکلات حل کر دیا کرتے تھے یہ بات اس لیئے نہ تھی کہ ابن عباس علی سے زیادہ جانتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ جو لوگ علی سے نہ مل سکے اور ابن عباس تک اُن کی رسائی آسانی سے ہوگئی اُنھوں نے ابن عباس ہی سے دین کا علم سیکھا اور مسئلے دریافت کئے۔

اَب رہے ابوبکر ان کی نسبت کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ انھوں نے علمی امور میں علی سے کوئی بات حاصل کی ہو بلکہ بہت سی جگہ سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ علی کو ابوبکر کی شاگردی کا فخر حاصل تھا چنانچہ صلاۃ توبہ وغیرہ کی حدیثیں اِسکی صریح دلیل ہیں۔

عمر بذات خود علی اور دیگر صحابہ سے زیادہ جاننے والے اور سمجھ دار تھے اور اکثر فیصلوں میں پہلے ہی سے اپنی رائے فرمادیا کرتے تھے اور وہ رائے ایسی صائب ہوتی تھی کہ لوگ آپ کی پیروی کرتے تھے جیسا عمرتین اور عول وغیرہ میں۔ ہاں مشورہ سے انکار نہیں کیا جاتا جس کا بیان اپنی اپنی جگہ کئی بار ہو چکا ہے۔

اَب رہا شیعی علمار کا یہ کہنا کہ علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہی یہ جملہ ایک نحوی کتاب میں آنے سے کچھ ایسا مشہور ہو گیا ہے کہ ہر شخص خواہ کوئی ہو اُس کا یقین کر چکا ہی شیعی علمار کی چالاکی داد دینے کے قابل ہی کہ اُنھوں نے قواعد عربی کی کتاب میں اُسے داخل کر دیا تاکہ جو بچہ پڑھے اسکی نظر سب سے پہلے اسی جملہ پر پڑے۔ اِس جملہ یا قول کی کہیں سند نہیں ہی اور جس نے اُسے نقل کیا ہی اُس نے سخت جھوٹ بولا ہی۔

اَب دوسرا پہلو یہ ہی کہ ہم تھوڑی دیر کے لیئے عمر فاروق کی نسبت یہ یقین کئے لیتے ہیں کہ انھوں نے ایسا کہا تو اسمیں علی کی فضیلت کی کونسی بات ہوگئی۔

گاہ باشد کہ کودکے ناداں | بغلط بر ہدف زند تیرے
گاہ باشد کہ پیر دانشمند | بر نیاید درست تدبیرے

اگر اتنیا ایک بار اتفاق ہو گیا کہ عمر فاروق کو کوئی بات نہ سوجھی اور علی نے بتادی تو اُس میں تیس مار خانی کونسی ہوئی۔ عمر فاروق تو ایسی باتیں علی سے بھی کم درجہ لوگوں کے حق میں فرمایا کرتے تھے یہ آپ کی انتہائے راستبازی۔ حق پژوہی اور دین داری کی دلیل ہے۔

مثلاً ایک عورت نے مہر کی بابت جو آپ کے سامنے دلیل پیش کی تو آپ نے فرمایا مرد سے غلطی ہو گئی اور عورت کا کہنا ٹھیک ہوا۔

اس قصہ کی تفصیل یہ ہے کہ عمر فاروق کی یہ رائے تھی کہ مہر شریعت سے مقرر ہونا چاہیئے جس کی صورت یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کے مہر سے کسی عورت کا مہر نہ بڑھایا جائے جیسا کہ اکثر فقہا کی یہ رائے ہے کہ کم سے کم مہر کی مقدار نصاب سرقہ یعنی دس درہم ہے اس سے کم نہ ہو غرض جب مہر شریعت سے مقرر ہو گیا اور اُسکے بعد پھر کسی نے مہر بڑھا دیا تو عورت اُس کی مستحق نہیں ہے اس لیئے اس زیادتی کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے جیسا کہ اس شراب کی قیمت جو کسی سلمان نے بیچی ہو یا کسی سلمان نے شراب کے اُٹھانے لیجانے کی مزدوری لی ہو وغیرہ وغیرہ تو اس میں ظاہر قول علمار کا یہی ہے کہ آئیسا روپیہ بیت المال میں داخل کیا جائے کیونکہ جس نے کچھ عوض دے کے حرام فائدہ اُٹھالیا وہ مثل اُس شخص کے ہے جو خرچی دے کے عورت سے کالا مونہ کرے یا کچھ روپیہ دیکے گانا بجانا سنے یا مول لے کے شراب پیئے۔ اب اگر اسکی غرض پُوری ہونے کے بعد یہ روپیہ پھر اُسی کو دیدیا جائے تو یہ معصیت پر اسکی اعانت کرنی ہے اور اگر مے فروش یا کسبی وغیرہ کو دیا جائے تو یہ ناپاک عوض اُسکے لیئے مباح کیا جائیگا بھلا شریعت اس قسم کی دادستد کو کیونکر گوارا کر سکتی ہے۔

عمر فاروق امام عادل تھے اس لیئے ان کی یہ رائے ہوئی کہ شرعی مہر سے جو کوئی مہر بڑھائے اُس میں بھی یہی حکم دیا جائے۔ اُس فیصلہ کے ہونے کے بعد ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہا کہ آپ ہمیں ایسی چیز سے محروم نہ کیجے جو اللہ پاک نے اپنی کتاب میں ہمیں عطا کر دی ہے یعنی جسکا اُس نے اپنی کتاب میں حکم دیدیا ہے۔ آپنے دریافت کیا کہ کتاب اللہ میں کہاں ہے عورت بولی سُنئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے واٰتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا" دوسری روایت یہ ہے کہ اُس عورتنے آپسے یہ کہا آپ کی بات مانیں یا کتاب اللہ کی۔ عمر فاروق بہت آمادگی سے بولے نہیں

کتاب اللہ کے مقابلہ میں میری بات ہرگز نہ مانو۔ یہ سُن کے اُس عورت نے آپکے آگے قرآن مجید کی مذکورہ آیت پڑھی اِس پر آپنے فرمایا بے شک مرد سے غلطی ہوگئی اور عورت کا کہنا ٹھیک ہوا۔

باوجود اسکے علم دین اور الہام کی بابت جیسا حضور انور نے عمر فاروق کے حق میں فرمایا ہی ایسا نہ کبھی عثمان کے حق میں فرمایا نہ علی نہ طلحہ اور زبیر کے حق میں۔

ترمذی میں ابن عمر سے مروی ہی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کی زبان اور دلپر اللہ نے حق کا سِکہ بٹھا دیا ہے۔

ابن عمر کہا کرتے تھے رسول اللہ کے زمانے میں جب کوئی بات پیش آتی تھی اور اسمیں سب اپنی اپنی رائے دیتے تھے اور عمر بھی اپنی رائے دیتے تھے تو لبا اوقات عمر کی رائے کے مطابق آسمان سے وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

سنن ابوداؤ میں ابو ذر سے مروی ہی وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے حق کو عمر کے لیئے نوک زبان بنا دیا ہی۔

ترمذی میں عقبہ بن عامر سے مروی ہی وہ کہتے ہیں رسول اللہ فرماتے تھے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔

صحیحین میں ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہی وہ کہتے ہیں رسول اللہ فرماتے تھے تم سے پہلی امتوں میں بہت آدمی محدث ہوا کرتے تھے اگرچہ انبیار نہیں میری امت میں اگر کوئی ہوا تو وہ عمر ہوگا ابن وہب نے کہا ہی کہ محدث کے معنی ملہم کے ہیں یعنی جسے الہام ہو۔

صحیحین میں مروی ہی رسول اللہ نے عمر فاروق رضؓ سے فرمایا اَے ابن خطاب قسم ہی اُس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہی تمھیں جس گلی میں شیطان پھرتا ہوا مل جاتا ہی تو وہ تمھارا رستہ چھوڑ کے دوسری گلی میں بھاگ جاتا ہی (مطلب یہ کہ عمر فاروق کا جسطرف گزر ہو وہاں شیطانی باتوں کا نام و نشان مٹ جاتا ہی) عمر فاروق کے فضائل میں اِس قسم کی باتیں بہت سی ہیں جنکے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔

حضرت علی کی بہادری

شیعی علمار کا قول ہی کہ جناب امیر علیہ السلام سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے آپکی تلوار سے اسلام کی بنیادیں قایم ہوگئیں اور ایمان کے ستون مضبوط ہو گئے آپ کسی جنگ میں کبھی نہیں بھاگے

جیسا کہ آپ کے سوا سب بھاگ گئے تھے آپ نے اپنی جان آڑ کر کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بچایا تھا یعنی اُسوقت کہ آپکے بستر پر آپ چادر اوڑھ کے لیٹ گئے تھے اور مشرکین نے یہ سمجھا تھا کہ آپ محمدؐ ہی ہیں اور آپکے قتل پر کل مشرکین نے اتفاق کر لیا تھا علی رسول اللہ کے خون کی حفاظت کرنے اور آپکی سلامتی کا سبب ہوئے اسی کے ذریعہ سے مذہب اسلام کی دعوت کرنے کی غرض بھی پوری ہو گئی صبح کو جب مشرکین نے علی کی صورت کو دیکھا تو منتشر ہو گئے ان کے سب منصوبے غلط ہو گئے اور اُن کی تدبیریں خاک میں مل گئیں۔

جواب

حضرت علی کی بہادری سے کوئی انکار نہیں کرتا وہ منجملہ ہزارہا صحابہ کے ایک بہادر صحابی تھے بیشک حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں آپ مشرکین حملہ آوروں سے لڑے جیسا کہ اور صحابہ لڑے مگر کوئی امتیاز ان لڑائیاں میں آپنے پیدا نہیں کیا کل صحابی نہایت بہادر جفاکش جری اور حضور انور پر جان قربان کرنے والے تھے سب کی کوشش سے اور خداوند تعالیٰ کے فضل سے اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوئیں کوئی نادان سے نادان شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اکیلے علی ہی نے اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔

حضرت علی بہادری کے متعلق جو یہ کہا گیا کہ وہ سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے یہ محض لغو در بالکل غلط ہے ہاں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سب آدمیوں سے زیادہ بہادر تھے اور کسی صحابی کی بہادری یا شجاعت آپکی بہادری کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی ہر جنگ میں ہمیشہ آپ ہی آگے رہتے تھے یہاں تک کہ خطرناک سے خطرناک موقعوں پر بھی جبکہ دشمن برابر دباتا چلا آتا ہی آپ کا گھوڑا آگے رہتا تھا ایک دفعہ مدینہ میں ایک خوفناک آواز سے کل صحابہ چونک پڑے اور جسطرف سے وہ آواز آتی تھی اُس طرف شب کو بہت سے بہادر صحابہ شمشیر بدست روانہ ہوئے انھیں راستے میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ملے جو ان سے پہلے حادثے کے موقع پر پہنچنے کے لیئے روانہ ہو چکے تھے اور آپ اُسوقت تنہا تھے۔

جسقدر مسلمانوں اور کافروں میں لڑائیاں ہوئیں کسی لڑائی میں بھی حضرت علی نے ایسا کام نہیں کیا کہ جسمیں امتیاز ہوتا خیبر کا ایک واقعہ ہر بار دوہرایا جاتا ہی خیبر کشا۔ خیبر شکن۔ ایسے ایسے القاب حضرت علی کو دیئے گئے ہیں مگر ان کچی گھاٹیوں پر جو خیبر کے نام سے مشہور تھیں ہم پہلے اچھی طرح روشنی ڈال چکے ہیں خیبر کی کچی گھاٹیاں بہت ہی معمولی تھیں وہ فتح ہو چکی تھیں صرف اندر جانا باقی رہا تھا۔

اب ہی یہ بات کہ حضرت علی کسی لڑائی میں نہیں بھاگے اور دوسرے صحابہ بھاگ گئے تھے

محض غلط بالکل غلط اور سر تا پا جھوٹ ہی حنین کی ہزیمت میں جبکہ ابوبکر و عمر حضور کے ہمرکاب تھے حضرت علی کا تو میلوں پتہ نہ تھا میدانِ جنگ سے فرار ہونا اور دشمن کے مقابلے سے پیچھے ہٹنا اسمیں بہت بڑا فرق ہی سپاہی خواہ کسی قوم و ملک کا ہو میدانِ جنگ سے کبھی نہیں بھاگنے کا باقی ایک فریق کا چیرہ دست ہو جانا اور دوسرے فریق کو دبانا اور فریق مغلوب کا دبنا اور دبکے پیچھے ہٹنا یہ کسی قسم کی نامردی اور بزدلاپن نہیں ہی بلکہ عین شجاعت یہی ہی کہ بیکار اپنی جانیں نہ برباد کیجائیں اور دشمن کی زد سے اپنے کو بچالیا جائے یہ ہرگز شجاعت نہیں ہی کہ ایک شخص ہزاروں آدمیوں میں جا پڑے کبھی کوئی صحیح الدماغ ایسا نہیں کرسکتا یہ درحقیقت ایک جنون ہی اور مجانین ہی ہمیشہ ایسے دیکھے گئے ہیں جو جلتی آگ میں گر پڑیں۔ چلتی ریل سے کود پڑیں۔ جہاز سے سمندر میں گر پڑیں۔ کسی بلند مقام سے نیچے آپڑیں یا بازار میں تلوار لیکر لوگوں پر وار کریں یہ بہادری نہیں ہی اور اسے شجاعت نہیں کہتے۔

حضرت علی اسمیں شک نہیں ایک بہادر سپاہی تھے اور وہ کسی صورت سے بھی بلا مبالغہ دشمن کے مقابلہ سے پیٹھ پھیرنے والے نہیں تھے مگر یہی کیفیت ان ہزارہا صحابہ کی بھی تھی جنہوں نے حضور انور کے ہمرکاب ہو کے مکہ فتح کیا تھا ہم نے کہیں بھی کسی کتاب میں کسی شعر میں خواہ وہ زمانہ جاہلیت سے تعلق رکھتا ہو یا زمانۂ اسلام سے یہ نہیں دیکھا کہ صحرا کے فرزند اور سنگلاخ چٹانوں کے رہنے والے کبھی بزدل ثابت ہوئے ہوں وہ سچے مچ شیر تھے شیر ممکن ہی کہ کبھی خوف کھا کے دُم دبالے مگر یہ ایسے شیر تھے کہ خوف و ہراس کبھی ان کے پاس ہو کے بھی نہیں پھٹکتا تھا۔

تنہا لڑائی میں تو حضرت علی بیشک بعض صحابہ میں ممتاز تھے اور فوج کے ایک آدھ دستے کو بھی لڑا سکتے تھے مگر سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ اور خالد جیسے سپہ سالارانِ اسلام کی سی اُن میں مطلق قابلیت نہ تھی یہ سپہسالار بیس بیس اور پچیس پچیس ہزار فوجوں کو لڑانے میں کامیاب ہوئے ہیں مگر حضرت علی کو کبھی ایسا موقعہ نصیب نہیں ہوا۔

اگر جمل کی کہانی کو تسلیم کر لیا جائے تو وہاں بھی حضرت علی کی فتح انکی سپہ سالاری کی قابلیت سے نہیں ہوئی بلکہ اُنکے لشکر کی تعداد عائشہ صدیقہ کے لشکر سے چوگنی پچگنی تھی جنگِ صفین وغیرہ کی کہانیاں اگر جنگ جمل کی طرح تسلیم کر لی جائیں تو وہاں سوائے ہزیمتوں کے اور کچھ بھی نہیں رکھا یقیناً حضرت علی سپہ سالاری کی قابلیت نہیں رکھتے تھے اسلیئے انھیں ہمیشہ مخالفوں کے مقابلے میں ناکام

رہنا پڑا اپنے فوجی سپاہیوں کا تو انھوں نے بہت کچھ رونا رویا ہی مگر سچی بات یہ ہی اور بلاخوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک بہادر سپاہی تھے مگر قابل جنرل نہیں تھے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت علی کی تلوار سے اسلام کی بنیادیں قایم ہوگئیں ایک ایسا لغو استدلال ہے جسکی لغویت کی نظیر نہیں ملتی ایک علی ہی کی تلوار سے نہیں بلکہ کسی کی تلوار سے بھی دین اسلام کی بنیادیں مضبوط نہیں ہوئیں اسلام کی بنیادیں اُسکے پیروان کی سچائی راست بازی خوش معاملگی نیک نیتی اور خداپرستی سے مضبوط ہوئی ہیں ہمارا یہ دعویٰ ہی کہ آج تک ایک کافر بھی کسی مسلمان کی تلوار سے مسلمان نہیں ہوا نہ مذہب پھیلانے کے لیے ایک فرد واحد نے بھی کبھی دنیا میں تلوار اُٹھائی یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تلوار گردنوں کو تسخیر کرسکتی ہی مگر دلوں کو تسخیر نہیں کرسکتی انسانی سالہا سال کے عقائد و آبائی خیالات کے نقوش کبھی تلوار نہیں مٹاسکتی وہ جھوٹا ہی جو کہتا ہی کہ اسلام تلوار سے پھیلا اگر وہ کیا چیز تھی جس نے سلمانوں کو اتنا قوی بنادیا کہ وہ دست بہ شمشیر ہوگئے۔

قرآن مجید اس بات کی شہادت دے رہا ہی کہ دین میں کبھی زبردستی نہیں ہی ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہی اس آیت کے خلاف جس شخص نے کیا ہم اُسے مسلمان نہیں سمجھتے ہمارا تو خیال ہی کہ مسلمان ہو کے کوئی کلام خدا سے انحراف نہیں کرنے کا۔

صحابہ نے تلواریں چلائیں اپنی حفاظت کے لیے جب صحابہ لڑے جنگ مدافعت لڑے۔ جب تک وہ ستائے نہیں گئے یا اُن سے عہدشکنی نہیں کی گئی انھوں نے کبھی خصم کے مقابلے میں تلوار نہیں اُٹھائی چونکہ سلمانوں کا ہر سپاہی تلقینِ دین اپنا فرض سمجھتا تھا لہذا جب کبھی وہ کسی شہر کو فتح کرتے تو وہ ضرور خالق ارض و سما کی اس عظیم الشان نعمت یعنی اسلام کو نافرمان مخلوق کے آگے پیش کرتے اور یہ کہتے کہ اگر تم اس نعمت یا آسمانی ہدیہ کو قبول کرلو تو ہمارے بھائی ہو پھر تم میں اور ہم میں کچھ فرق نہیں رہنے کا اور اگر تم اس نعمت سے روگردانی کرتے ہو تو ہمیں اس حفاظت کا جو تمھارے دشمن سے تمھاری کرینگے کچھ معاوضہ مقرر کردو جس معاوضے کا نام جزیہ رکھا گیا۔

تمام دنیا مسلمان ہوگئی وہ کیوں؟ تلوار سے نہیں بلکہ سلمانوں کی راست بازی اور صادق الوعدی کی وجہ سے لہذا یہ کہنا کہ حضرت علی نے دین اسلام کی بنیادیں مضبوط کردیں محض غلط بالکل غلط ہی۔

اگر آپ محض آزادی اور سچائی سے ملاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہو کہ حضرت علی کی تلوار جب وہ خلیفہ

ہوئے ہیں ہمیشہ مسلمانوں پر اُٹھی اور ابوبکر اور عمر کی تلواریں ہمیشہ کسریٰ اور قیصر کے تاجوں پر بجیں یہ واقعات مثل شاہدات کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا اسلام کو کتنا نقصان پہنچا اگر جمل اور صفین وغیرہ کہانیوں کو مان لیا جائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ حضرت علی یا ان کے سپاہیوں کی تلواروں نے حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے تیس چالیس ہزار صحابہ کو کس طرح ایک دوسرے کے مقابلے میں خاک وخون میں لٹا دیا مگر ہم ان کہانیوں کو نہیں مانتے اسپر بھی اسکا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اگر حضرت علی دس بارہ برس زندہ رہتے تو پھر مسلمانوں کا خدا حافظ تھا۔

اَب دوسری بہت بڑی بات یہ ہی جیسا کہ شیعی علماء اکثر اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں کہ بعض لڑائیوں میں ابوبکر وعمر حضور انور کو تنہا چھوڑ کے فرار ہوگئے یہ ایسا نامعقول فسانہ ہی جس کی لغویت کی کوئی انتہا نہیں کسی معتبر نوشتے اور کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ لوگ حضور انور سے علیحدہ ہوئے ہوں ہاں اُحد کی لڑائی میں جبکہ مسلمانوں کو اپنی بیوقوفی سے اور حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کہنا نہ ماننے سے چشم زخم اُٹھانی پڑی اور غنیم نے حملہ کیا اور دبایا تو حضور انور کا گھوڑا ایک پہاڑی کے نیچے آگیا تھا اور تھوڑا ہی عرصہ حضور کو صحابہ سے علیحدہ ہوئے گزرا تھا کہ اُسی حالت میں صحابہ میں ایک انتشار پیدا ہوگیا اور وہ اپنے نبی کی تلاش میں پریشان ادھر اُدھر پھرنے لگے اور بہت جلدی انھوں نے اپنی نبی کو پالیا اور سب آپکے گرد جمع ہوگئے اسوقت بھی دشمن برابر حملے کررہا تھا جسکا مفصل ذکر ہم گزشتہ صفحوں میں کرآئے ہیں۔

اَب رہا حضرت علی کا حضور کی جگہ لیٹ جانا اسکی مفصل بحث بھی ہوچکی ہی جسکا اعادہ کرنا غیر ضروری ہی۔

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی نے بہت دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑی بڑی تکلیفوں سے بچایا ہی بالکل غلط اور محض لغو ہی کہیں بھی اس کا پتہ نہیں لگتا کہ علی نے حضور انور کی کسی تکلیف کو کبھی رفع کیا ہو حضور نے اپنے صحابہ کی ہمیشہ بڑی بڑی تکلیفیں رفع کی ہیں اور آپ ہی کے احسان سب پر زیادہ ہیں ہاں اتنی بات ضرور ہی کہ اگر ابوبکر کی نسبت یہ کہیں کہ انھوں نے اپنے نبی کی کسی تکلیف کو رفع کیا تھا تو زیبا ہی کیونکہ جب مشرکین مکہ نے حضور انور کو مارا اور قتل کرنا چاہا تو ابوبکر نے سینہ سپر ہوکے مشرکین سے یہ کہا ہائیں بدنصیبو تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہی کہ میرا رب اللہ ہی یہ سنکر انہیں غصہ آگیا اور انھوں نے ابوبکر کو خوب مارا اور سخت ایذا پہنچائی مگر یہ کہیں منقول نہیں ہی کہ علی کو کبھی اس حمایت کا بھی موقعہ پیش آیا یا مخالفوں نے حضور انور کو گھیر لیا ہو اور علی یا ابوبکر یا اور کسی صحابی نے حضور کو اپنی تلوار کے بل پر دشمنوں سے نجات دلوائی ہو۔

ہے بلکہ ہزار ہا چڑے چڑیا کی کہانیاں بکری جیسے کذاب مصنفوں نے گھڑلی ہیں مثلاً منتقلات الانوار وغیرہ کتابیں جو جھوٹی اور محض جھوٹی اور غلط روایتوں سے بھری ہوئی ہیں ایسے واقعات ان میں بیان کئے گئے ہیں اہل علم اسپر متفق ہیں کہ یہ سب جھوٹ اور سراسر بہتان ہے بیوقوفوں نے ان کتابوں کی روایتوں کو دیکھکے اپنا اعتقاد خراب کرلیا اور انہیں کے ہوکے رہ گئے فقط

حضرت علی کا قتال

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سب غزووں میں پہلا غزوہ بدر کا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینے آئے ہوئے اٹھارہ مہینے ہوئے تھے کہ یہ غزوہ ہوا اسوقت حضرت علی کی عمر ستائیس برس کی تھی اُنھوں نے تنہا چھتیس آدمیوں کو قتل کیا جتنے مشرک غزوہ بدر میں مارے گئے علی کے مقتولین کی تعداد اُن میں نصف سے بھی زیادہ ہے اسکے علاوہ صحابہ کے ساتھ حضرت علی نے جو مشرکوں کا قتل کیا وہ علیحدہ ہے۔

جواب

یہ بھی محض غلط بالکل غلط اور سراسر لغو ہے وہ تمام علماء جو سیر اور مغازی میں ماہر ہیں اسکی لغویت پر متفق ہیں اس کا ذکر کسی ایسے راوی نے کبھی نہیں کیا جسپر نقل میں اعتماد کیا جائے۔

صحیح روایت میں یہ ہے کہ کئی حملہ آور مشرک ایسے قتل ہوئے کہ ان کے قتل میں علی کی مطلق شرکت نہ تھی جیسے ابوجہل۔ عقبہ بن ابی معیط۔ ربیعہ کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹا یا تو عتبہ بن ربیعہ یا شیبہ بن ربیعہ اور ابی بن خلف وغیرہ۔

اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب مشرکین میں سے تین آدمی لڑنے کے لیئے میدان جنگ میں آئے یعنی عتبہ۔ شیبہ۔ اور ولید تو ان کے مقابلے کے لیئے لشکر اسلام سے تین انصاری نکل کے آموجود ہوئے انھوں نے دریافت کیا تم کون ہو انصاریوں نے اپنے نام بتائے مشرکوں نے کہا تم شریف خاندان تو ہو مگر ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے ہم تو اپنے چچا کی اولاد سے لڑنا چاہتے ہیں تم سے ہمیں کچھ مطلب نہیں ہے۔ حضور انور نے جب یہ سُنا تو آپ نے کہا حمزہ اُٹھو۔ عبیدہ اُٹھو۔ علی اُٹھو ان کے مقابلے میں جاؤ۔ مشرکین حملہ آوروں میں ولید سب سے کم عمر کا تھا اسی طرح مسلمانوں میں علی کم عمر کے تھے لہذا عمر کے لحاظ سے علی اور ولید کا مقابلہ ہوا علی نے ولید کو قتل کردیا حمزہ بھی اپنے مقابل پر غالب آئے کوئی کہتا ہے حمزہ کے مقابلے میں عتبہ تھا کوئی کہتا ہے شیبہ تھا۔ عبیدہ اپنے مقابل کو قتل نہ

کر سکے ہاں فقط زخمی کر دیا حمزہ نے اُسکے قتل کرنے میں عبیدہ کو مدد دی۔

بعض کا قول ہے کہ علی نے اُس دن دس آدمی قتل کئے مگر اسمیں اختلاف ہے ابن ہشام نے علی کے مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ گیارہ بتائی ہے اور یہی رائے موسیٰ بن عقبہ اور اموی کی ہے چھ مقتولوں میں اختلاف ہے کہ اُنھیں علی نے قتل کیا تھا یا کسی اور نے تین مقتول تو حضرت علی کی تلوار کی نذر ہوئے تھے اور باقی تین میں دوسرے شریک تھے بس یہ ساری کہانی ہے نہ چھتیس کا کسی روایت سے پتہ لگتا ہی نہیں کا جو اصلیت تھی وہ ہم نے لکھدی کہ یہ ساری کارروائیاں طرقیہ کی ہیں انہیں کے صدقے میں جھوٹی روایتوں کا سیلاب تمام دنیا میں پھیل گیا اور افسوس ہے کہ اسلامی دنیا کا بہت بڑا حصہ ابھی تک اسی سیلاب میں غوطے مار رہا ہے انشاءاللہ اس سیلاب کی بھی عمر پوری ہو جائیگی اور یہ جدید تحقیق کے ارضِ مقدس میں جذب ہو کے رہجائیگا اور پھر صدق و کذب آپ کھوٹے دکھائی دینے لگیگا فقط

حضرت علی اور غزوہ اُحد

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں سوائے جناب امیر علی علیہ السلام کے سب بھاگ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔ بعدازاں جو چند آدمی لوٹ کے رسول اللہ کے پاس آئے اُن میں سب سے اول عاصم بن ثابت۔ ابو دجانہ اور سہل بن حنیف تھے۔ اب رہے عثمان وہ تو تین دن کے بعد آئے تھے اُن کی صورت دیکھ کے رسول اللہ نے فرمایا کہ اے عثمان تم نے تو اس غزوے میں بالکل اپنی آبرو کھو دی اسکے برخلاف علی کی شان پر فرشتوں تک کو تعجب ہوا چنانچہ جبرئیل آسمان پر چڑھتے ہوئے یہ کہتے جاتے تھے لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔

(پھر شیعی علماء گوہرافشانی کرتے ہیں) اس غزوہ میں علی نے بہت سے مشرکین قتل کئے تھے اور یہ غزوہ ان ہی کے ہاتھ پر فتح بھی ہوا تھا۔

(پھر علماء شیعی فرماتے ہیں) قیس بن سعد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی کرم اللہ وجہہ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے غزوہ احد کے دن میرے سولہ زخم آئے تھے جن میں سے چار زخم کھا کے میں زمین پر گر پڑا تھا اسی عالم میں کہ میں زمین پر پڑا ہوا ہوں کہ ایک خوبصورت شخص میرے پاس آیا اور اُس نے میری مٹھی پکڑ کے مجھے کھڑا کر دیا اور کہا اے علی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں اُن پر حملہ کرو اور انھیں قتل کرو۔ اللہ اور اللہ کا رسول تم سے بہت خوش ہے۔ اس قصہ کے بعد میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوا اور ساری کیفیت عرض کر دی۔ رسول اللہ نے مجھ سے دریافت کیا علی تم نے پہچانا یہ کون آدمی تھا میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ وحیہ کلبی کی شباہت سی اُس شخص میں معلوم ہوتی تھی۔ رسول اللہ نے اسپر فرمایا علی اللہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرے اور تمہیں خوش و خرم رکھے یہ جبرئیل تھے فقط

جواب

علی اور جبرئیل کی کہانیاں اس کثرت سے بیان ہوئی ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ایسا قصہ تیار ہو جس سے زیادہ لذیذ مشرقی فسانوں میں تو کوئی فسانہ نہ نکلے۔ انشاء اللہ کہیں آگے ہم مختصر طور پر اس دلکش کہانی کو لکھیں گے اب تو فقط واقعات احد پر بحث کرتے ہیں اور شیعی روایتوں کو جانچتے ہیں کہ وہ کیا وزن رکھتی ہیں شیعی علماء نے جو کچھ بیان کیا ہی ممکن ہی کہ وہ شخص جو غزووں کے حالات سے محض ناواقف ہو شاید یقین کرلے مگر جسے ان غزووں کے حالات کا علم ہی وہ ان چڑے چڑیا کی کہانیوں کو چانڈو بازوں کی گپوں اور مجذوبوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دینے کا بلکہ اُنسے گراہوا سمجھیگا کیا تماشہ کی بات ہی جیسا کہ بیان کیا گیا ہی کہ اس غزوہ میں علی نے بہت سے مشرکین کو قتل کردیا تھا اور فتح بھی اُن ہی کے ہاتھ پر ہوئی تھی۔ افسوس صد افسوس۔ واقعی بات سچ ہی جھوٹ کی آفت اور اسکا سبب جہل ہوتا ہے۔ کون کہتا ہی کہ اس غزوہ میں فتح ہوئی تھی۔ لاحول ولا قوۃ۔ بچہ بچہ جو واقعات اسلام سے واقف ہے اسے جانتا ہی کہ احد کی گھاٹی میں پہلے تو مسلمانوں نے مشرکین کو بھگا دیا تھا مگر بعد ازاں جنگجو مسلمانوں نے یہ سمجھ کے کہ ہماری فتح ہوگئی ہی اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن جبیر جو تیراندازوں کے اس پرے کی کمان کر رہے تھے اُنھوں نے بہتیرا چاہا کہ اُنکے سپاہی جگہ نہ چھوڑیں مگر وہ اس ہنگامہ میں کامیاب نہیں ہوئے۔ دشمن کو یہ غنیمت ہوا۔ وہ پلٹ کے اُنپر آپڑا۔ اسوقت دشمن کے اس دستہ کی کمان خالد بن ولید کر رہا تھا وہ یہ مورچہ خالی دیکھ کے مسلمانوں پر آپڑا اور اُنھیں دبانا شروع کیا اُس روز ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور حضور انور رسولِ خدا کے پاس سوائے بارہ آدمیوں کے اور کوئی نہ رہا تھا۔ اِن ہی بارہ ۱۲ میں ابوبکر و عمر بھی تھے یہ دن حقیقت میں بہت سخت آزمائش کا تھا دشمن فتحیاب ہو کے واپس ہوگئے۔ مشرکین میں سے صرف چند آدمی قتل ہوئے قریش نے حضور انور کے قتل کرنے کی بہتیری تدبیریں کیں مگر کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ جاں نثار

صحابہ کا چھوٹا سا دستہ جو بطور باڈی گارڈ کے حضور کے ساتھ تھا اسنے قریشوں کے دھاوے کو نہیں چلنے دیا اس دستے میں ابوبکر و عمر و علی نہیں تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے دستے سے جنگ کر رہے تھے حضور کی مبارک پیشانی زخمی ہو گئی تھی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ اُس روز علی کے سولہ زخم آئے جن میں سے چار زخم کھا کے آپ زمین پر گر پڑے یہ علی کے ذمے نرا بہتان ہے۔ اہل علم کے نزدیک مشہور و معروف کتابوں میں سے یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں ہی شیعی علمار کو بتانا چاہیئے کہ اس کی اسناد کہاں ہیں اور اہل علم میں سے اُسے کس نے صحیح کہا ہے اور ان کتابوں میں سے کس کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ اس مورچے کے قریب پہنچے تو علی تھوڑی دیر کے بعد نمودار ہوئے اور اپنی ڈھال میں تہر اس بھر کے حضور کی خدمت میں لائے تاکہ آپ پی لیں۔ اس میں آپ کو کچھ بدبو معلوم ہوئی آپ نے اُسے نہ پیا ہاں اپنے چہرے کا خون دھولیا ابن اسحاق وہ شخص ہے کہ شیعیت کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہی پس غزوہ اُحد کے یہ واقعات ہیں جو ہم نے بیان کئے۔

اب شیعی علمار کا یہ کہنا کہ عثمان تین دن کے بعد آئے تھے محض جھوٹ اور غلط ہی اور ایسے ہی یہ قول بھی ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ جبرئیل آسمان پر اُڑتے ہوئے یہ کہتے جاتے تھے۔ لافتے الاعلی الخ کیسی مضحکہ خیز اور بے بنیاد باتیں ہیں کیسی ذوالفقار اور کیسے علی علی کو ذوالفقار سے تعلق ہی کیا تھا ابوجہل کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا اُسی کی یہ تلوار تھی جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ آگئی تھی اور وہ حضور انور کے حصے میں آئی تھی اور اُحد کے دن بھی آپ ہی کے پاس تھی۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے ابن عباس سے یہی روایت کی ہی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا اور وہی خواب صحابہ سے بیان کیا تھا کہ میں نے اپنی تلوار ذوالفقار میں شکستگی دیکھی ہی اور اسکی تعبیر میں نے یہ لی ہی کہ تمھیں شکست ہوگی چنانچہ غزوہ اُحد واقع ہوا اور اسمیں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔

ذوالفقار کی کہانیاں بھی عجیب و غریب ہیں مثلاً بہت سے اصحاب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جب آپ اُس سے کسی کو مارتے تھے تو وہ کئی ہاتھ بڑھ جاتی تھی۔ سیج الدماغ پڑھے لکھے اور علماء

اسے خوب جانتے ہیں کہ ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا نہ علی کی تلوار میں نہ کسی اور کی تلوار میں۔ ان کہانیوں پر بحث کرنا بھی عبث ہے یہ کہانیاں تو ایسی ہیں کہ انھیں فقط نقل کر دیا جائے اور کچھ نہ لکھا جائے کیونکہ ایک معمولی عقل کا شخص بھی ان کی لغویت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

پھر حضرت علی کے ہاتھ کی کہانی اور وہ یہ ہے کہ خیبر کے دن آپکا ہاتھ اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ سارا لشکر اُس پر چڑھ بیٹھا تھا۔ پھر خچر کی کہانی ہے کہ آپ نے ایک خچر کے حق میں بد دعا کی تھی کہ خدا تعالے تیری نسل قطع کر دے اُسی روز سے اُسکی نسل قطع ہو گئی۔ یہاں بھی خوب پیٹ بھر کے جھوٹ بولا گیا ہے علی کے پاس خیبر کے معرکہ میں کوئی خچر ہی نہ تھا یہاں تک کہ حضور انور کی زندگی میں کسی مسلمان کے پاس کوئی خچر نہیں تھا ہاں حضور کے پاس صرف ایک خچر تھا جو مقوقش شاہ مصر نے حضور کے لیئے تحفتًا بھیجا تھا مگر یہ خچر غزوہ خیبر کے بعد آیا تھا۔

خچر کی نسل حضرت علی سے پہلے ہی کی یونہی چلی آتی ہے صرف اُن کی بد دعا سے خچر کی قطع نسل نہیں ہوئی اگر اُن کی بد دعا کو مان بھی لیں تو صرف ایک خچر کے حق میں مان سکتے ہیں۔ نہ کہ جنس کے حق میں ان کہانیوں میں اُونٹ کے کوہان کی کہانی بھی بہت ہی دلکش ہے بعض دل چلوں نے تحریر فرمایا ہے کہ اہل بیت کے چند آدمی کہیں قید ہو گئے۔ ظالموں نے اُنھیں ننگا کر کے اونٹوں پر سوار کر دیا تھا اُن کی ستر پوشی کے لیئے اونٹوں کی پیٹھ پر کوہان پیدا کر دیئے اس کہانی کی حقیقت آپ پر خود روشن ہو گئی ہو گی۔ کس دلیری سے جھوٹ بولا جاتا ہے اسلام کے زمانے میں اہل بیت میں سے کبھی کوئی قید نہیں کیا گیا۔ نہ اُن کی عورتوں کو ننگا کر کے کبھی اونٹوں پر سوار کیا گیا تاکہ اُن کی ستر پوشی کے لیئے کوہان کے پیدا ہونے کی ضرورت ہوتی۔ کبھی مسلمانوں کے زمانے میں بنی ہاشم کو کسی نے بُری نگاہ سے نہیں دیکھا ہاں بد قسمتی سے اس ہندوستان جنت نشان میں اہل بیت کے سچے عاشق اور جوشیلی محبت کا دم بھرنے والے یعنی ہمارے شیعی بھائیوں کی عام مجالس میں کُھلے بندوں خاندان نبوت کی بے گناہ خواتین اور معصوم بچوں پر جس طرح تبرّے کی بھرمار ہوتی ہے پناہ بخدا کہیں اُن کے شامی سپاہیوں کے ہاتھ سے بال کھنچوائے جاتے ہیں کہیں اُن کی چادریں کھنچوائی جاتی ہیں کہیں اُن کے گلو پر تھپّڑ لگوائے جاتے ہیں کہیں بُھس اُڑوایا جاتا ہے۔ غرض لغت میں توہین کے جتنے الفاظ مل سکتے ہیں۔ اُن سے مطلق دریغ نہیں کیا جاتا۔

غزوۃ الاحزاب اور حضرت علی

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوۃ الاحزاب جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں جب اسکی تیاری سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو قریش نے دس ہزار جوانوں سے سلمانوں پر چڑھائی کی ان کا سپہ سالار ابو سفیان تھا کنانہ اور اہل تھامہ بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ ہولیئے جب اہل نجد نے غطفان قبیلے میں دیکھا کہ اسوقت سلمانوں پر عام چڑھائی ہو رہی ہے تو وہ بھی اُن کے ساتھ ہو لیئے اور سلمانوں کے بلندی اور نشیبی مقامات میں اُتر آئے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اذجاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم"

(پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار آدمیوں کو لیکر میدانِ کارزار میں آئے پہلے آپ نے اپنے اور دشمن کے بیچ میں ایک خندق کھُدوائی اس اثناء میں یہودی بھی حملہ آوروں کے ساتھ ہو گئے۔ اب مشرکوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اس تعداد پر ان کی یہاں تک جرأت ہوئی کہ عمرو اور عکرمہ بن ابو جہل دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کے خندق کی ایک گھاٹی سے نکل کے سلمانوں کی طرف آئے اور جنگ کی درخواست کی اُسی وقت علی اُن سے لڑنے کو کھڑے ہو گئے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ عمرو ہے آپ خاموش ہو کے بیٹھ گئے۔ اُس نے پھر دوبارہ اور سہ بارہ جنگ کی درخواست کی۔ ہر دفعہ علی ہی کھڑے ہوتے تھے اور نبی کے اِس کہنے سے کہ یہ عمرو ہے بیٹھ جاتے تھے جب چوتھی بار اُس نے یہ درخواست کی تو نبی نے علی کو اجازت دیدی حضرت علی نے اُس سے فرمایا کہ تو نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ قریش کا کوئی آدمی اگر تجھے دو امروں میں سے ایک امر کی طرف بلائے گا تو تو اُسے ضرور اختیار کرے گا۔ لہذا میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں کہ تو اسلام قبول کرلے۔ عمرو نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں اسپر علی نے کہا اچھا تو تو پھر جنگ کے لیئے تیار ہو جا اُس نے کہا میں تمھیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا حضرت علی نے فرمایا کہ اگر تو مجھے قتل کرنا پسند نہیں کرتا تو میں تو تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں یہ سُنکر عمرو کو غصہ آگیا اور اُسیوقت گھوڑے سے اتر پڑا اور اب تلواریں چلنی شروع ہوئیں حضرت علی نے فوراً اُسے قتل کر دیا عکرمہ اپنے ساتھی کو مقتول پا کے بھاگ گیا۔ پھر اسیطرح چالیس پچاس ہزار

حملہ آوروں میں بھاگڑ مچ گئی اور وہ سب سر پر پاؤں رکھ کے فرار ہو گئے اسپر رسول اللہ نے فرمایا کہ علی کا عمر بھر میں صرف دو کافر قتل کر دینا ثقلین کی ساری عبادات سے بہتر اور افضل ہے۔

جواب

آپ بغیر کسی تحقیق کے اور بغیر کسی سند کے اگر غور سے اس حکایت کو دیکھیں گے تو بے ساختہ مُنہ سے نکل جائیگا کہ اس سے زیادہ جھوٹ دنیا میں اور کوئی نہیں بول سکتا۔ خیال کیجئے کہ دس ہزار تو مشرکین کی تعداد بیان کی جاتی ہے اور اُن کے ساتھ تین بڑے بڑے قبیلے ذکر کئے گئے ہیں اودھر یہودی علیٰحدہ ہیں تو کم سے کم کل تعداد مخالفوں کی چالیس پچاس ہزار ہو گی اور یہ چالیس پچاس ہزار فوج تین چار میل کے فاصلہ پر تو ضرور ہی پھیلی ہوئی ہو گی حملہ آوروں میں سے ایک شخص نے بھی عمرو بن ود اور علی کی لڑائی نہیں دیکھی کیونکہ وہ سب لوگ خندق کے پرے تھے اور مقتول اور اُسکا ساتھی عکرمہ خندق کے اس پار تھے عمرو کا قتل ہونا اور عکرمہ کا گھاٹی سے اُتر کے اپنے کیمپ میں پہنچ جانا یہ کسی صورت سے کل فوج کی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتا اور کسی غزوے میں بھی قریش کی طرف سے ایسی نامردی ظاہر نہیں ہوئی کہ انکا صرف ایک شخص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جائے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں بھاگ جائیں ایک بزدل سے بزدل اور نامرد سے نامرد جماعت بھی ایسا نہیں کر سکتی۔

یاد رکھیئے کہ ایسی من گھڑت کہانیاں کسی صورت سے بھی حضرت علی کا وقار نہیں بڑھا سکتیں۔ یہ کذب جو اس دلیری سے بولا گیا ہے اسے کذب بار دکہنا چاہیئے۔ عمرو بن ود کے قتل ہونے کے بعد بھی قریش مسلمانوں کا اسیطرح محاصرہ کئے رہے مگر جب قہر خداوندی تند اور تیز آندھی کی صورت میں انپر نازل ہوا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اسکے متعلق صاف اور کھلے الفاظ میں خداوند تعالے نے فرمایا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیہم ریحا و جنودا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرا۔ اذ جاءوکم من فوقکم و من اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا۔ الآیۃ یعنی اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم پر (کافروں کے) لشکر آپہنچے تو ہم نے انپر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جو تمھیں نظر نہ آئے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے جب وہ

تم پر تمہارے اوپر سے آئے اور تمہارے نیچے سے آئے اور جب اُن کی کثرت دیکھ کر تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور تمہارے دل حلق کو آ گئے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرتے تھے فقط

اِس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہی کہ اِس جنگ میں مسلمانوں نے قتال نہیں کیا اور نہ قتال کی وجہ سے مشرکین کو اللہ نے پھیرا بلکہ اُن کے بھگانے کی ایک اور ہی صورت کر دی اہل علم کے ہاں حدیث۔ تفسیر۔ مغازی اور سیر سے یہی متواتر و مشہور ہے اب کوئی یہ کیونکر کہہ سکتا ہی کہ علی کے ہاتھ سے عمرو بن ود کے قتل ہونے سے سارے مشرک بھاگ گئے تھے۔

پھر شیعی علماء نے جو یہ تحریر فرمایا ہی کہ اس قتل کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو ثقلین یعنی تمام جن وانس کی عبادت سے بہتر و افضل قرار دیا ہے محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے یہ حدیث موضوعات میں سے ہے اسی واسطے علماء مسلمین میں سے کسی نے اِسے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا جس پر اعتماد کیا جاتا بلکہ اسکی اسناد بھی معروف نہیں ہیں نہ صحیح نہ ضعیف یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک کافر کا قتل کرنا تمام جن وانس کی عبادت سے افضل ہو جائے اسلیئے کہ اس میں تو انبیاء کی عبادت بھی داخل ہی کیونکہ ثقلین میں وہ بھی ہیں۔

اسی کو دوسرے پہلو سے غور کیجیئے کہ ایسے بہت سے کافر قتل کیئے گئے جن کا قتل کرنا عمرو بن ود کے قتل کرنے سے بدرجہا بڑھ کے تھا اُس شخص کو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسی عداوت بھی نہ تھی نہ اُس کی ذات سے حضور کو اور مسلمانوں کو کوئی ایذا پہنچی جیسے اور صنادید قریش سے پہنچی تھی جو جنگِ بدر میں قتل کئے گئے تھے جیسے ابوجہل۔ عقبہ بن ابی معیط۔ شیبہ بن ربیعہ اور نضیر بن حارث وغیرہ۔ جنکی ایذا رسانی کی بابت قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئی ہیں مگر اِس عمرو کے بارے میں تو کوئی آیت نازل نہیں ہوئی نہ کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ عمرو بن ود حضور انور اور مسلمانوں سے عداوت رکھنے میں یکتا ہے۔ نہ اِس کا غزوۂ بدر میں کچھ ذکر ہے نہ اُحد میں نہ اُن کے سوا قریش کے اُن مغازی ہیں جن میں قریشیوں نے حضور انور کا مقابلہ کیا ہی نہ کسی سریہ میں اس کا ذکر ہے سوائے قصہ خندق کے حالانکہ کتب صحاح اِس قصہ سے بالکل خاموش ہیں حدیث اور تفسیر کی کتابیں ان مشرکین کے ذکر سے جنھوں نے حضور کو ایذا دی ہے بھری پڑی ہیں۔

عمرو بن ود کا تو کہیں بھی ذکر نہیں۔ نہ یہ قریش کے جنگی افسروں میں سے تھا پھر بھلا یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے اور کس طرح زیبا ہی کہ ایسے شخص کا قتل کرنا ثقلین کی عبادت سے افضل ہی۔ لاحول ولاقوۃ۔ ثقلین کی عبادت کی شیعی علماء نے کیا قدر کی ہے۔ سبحان اللہ۔ قتل کریں ایک فرضی شخص کو حضرت علی اور ثقلین کی عبادت کا پلڑہ اونچا ہو جائے۔

حضرت علی اور غزوۂ بنی نضیر

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوہ بنی نضیر میں علی نے اس تیر انداز کو قتل کر دیا تھا جنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید کئے تھے۔ اس کے بعد دس آدمیوں کو اور قتل کیا اور بقیۃ السیف کافور ہو گئے۔

جواب

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی ہی کس طرح آفتاب کی روشنی کو باریک جالی کی چادر سے روکا جاتا ہی اور کس دلیری سے چاند پر خاک ڈالی جاتی ہی بنی نضیر سے حضور انور اور مسلمانوں کی کوئی جنگ ہی نہیں ہوئی۔ حضور کے دندان مبارک احد میں شہید ہوئے تھے نہ غزوہ بنی نضیر میں۔ انصاف سے خیال کیجئے کہ فرضی اوصاف حضرت علی کے سر تھوپنے سے شیعی علماء نے کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں اور کذب کو کس بلند درجہ پر پہنچا دیا ہے۔

جو روایت یہ حضرات بیان فرماتے ہیں نہ اُس کی کہیں سند بیان کرتے ہیں نہ اُسے صحیح ثابت کرتے ہیں محض جہلا کو دھوکا دینے کے لیے جو چاہا لکھ مارا۔ کیونکر ہو سکتا ہی کہ اگر کوئی انسان کسی جزئی مسئلہ میں نقل کو حجت بنانی چاہے اور اس نقل کی اسناد نہ پیش کرے تو اسکی وہ حجت کس طرح مقبول ہو سکتی ہی پھر بھلا اصولی مسایل میں ایسی نقل کا حجت ہونا تو خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔

اب سنئے بنی نضیر کی حقیقت اس پر سارے جہان کا اتفاق ہی کہ سورۂ حشر بنی نضیر ہی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی یہ لوگ یہودی تھے ان کا واقعہ احد اور غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا۔ اس میں نہ کسی نے مقابلہ ہونے کو ذکر کیا نہ کسی کے بھاگنے کو اور نہ کسی نے اس میں حضور انور رسول خدا کے دانت شہید کئے۔ ہاں اس غزوہ میں حضور انور اور مسلمان بیشک شریک ہوئے تھے اور بنی نضیر کا فقط محاصرہ کر لیا تھا باقی اور کچھ نہیں۔ اسی بیان میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہی ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا فباذن اللہ و لیخزی الفاسقین ○ بنی نضیر

جب محصور ہو گئے تو وہیں ہاتھ پیر مارتے تھے اور رہ جاتے تھے باہر نکل کے انھوں نے جنگ نہ کی۔ حضور انور نے انھیں اخیر میں جلاوطن کر دیا تھا۔

صحیحین میں ابن عمر سے مروی ہے کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ سے جنگ کی ٹھان لی تھی اخیر حضور نے بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنی قریظہ کو ان کی جگہ رہنے دیا۔

غزوۂ سلسلہ اور حضرت علی

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک دہقانی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے یہ خبر دی کہ عربی قبائل مدینہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ اس نیت سے فلاں مقام پر جمع ہو رہے ہیں۔ دہقانی کی اس خبر پر رسول اللہ نے اپنے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ میرا جھنڈا کون لیتا ہے۔ ابو بکر بولے میں لیتا ہوں رسول اللہ نے انھیں جھنڈا دیدیا اور سات سو نبرد آزما مسلمان اُن کے ساتھ کر دئے جب یہ وہاں پہنچے تو اُن لوگوں نے ابو بکر سے کہا کہ تم جس طرح آئے ہو اسیطرح واپس چلے جاؤ کیونکہ ہماری تعداد بہت بڑی ہے تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے یہ سنکے ابو بکر واپس چلے آئے۔ ان کے آنے پر صحابہ سے پھر دریافت کیا گیا۔ جواب میں عمر نے جھنڈا مانگا۔ چنانچہ وہ گئے اور واپس ہو کے چلے آئے۔

تیسرے روز رسول اللہ نے دریافت کیا کہ علی کہاں ہیں۔ علی بولے یا رسول اللہ میں تو یہیں حاضر ہوں اسیوقت آپ نے اُنھیں اپنا جھنڈا دیدیا۔ آپ وہاں پہنچے۔ نماز صبح کے بعد اُن سے آپ کا مقابلہ ہوا۔ حضرت علی نے چھ سات آدمیوں کو فوراً قتل کر دیا۔ اُن کے قتل ہوتے ہی باقی سب بھاگ گئے۔ اسپر خداوند تعالے نے امیرالمومنین علی کے فعل کی قسم کھا کے یہ فرمایا والعادیات ضبحاً الخ

جواب

نہ اس غزوہ کا کبھی حال سنا نہ کسی کتاب میں پڑھا نہ اہل علم میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا سوال یہ ہے کہ اسکی اسناد کیا ہیں جن سے اس نقل کی صحت و غیر صحت پوری معلوم ہو جائے یہ ایک بہتان عظیم ہے جو راشدین صحابہ پر اٹھایا گیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ تو یقیناً ویسا ہی جھوٹ ہے جیسا طرقیہ نقل کیا کرتے ہیں۔ عنتر اور بطال کی ایسی حکایتیں بہت ہیں ان ہی میں اس غزوہ کو بھی سمجھ لینا چاہیئے مغازی اور سیر کی مشہور کتابوں میں کہیں بھی اس غزوہ کا نام و نشان نہیں ہے۔ نہ اس فن کے ائمہ نے کہیں اسکا

ذکر کیا۔ موسیٰ بن عقبہ۔ عروہ بن زبیر۔ زہری۔ ابن اسحاق۔ واقدی۔ سعید بن یحییٰ اموی۔ ولید بن مسلم اور محمد بن عائذہ وغیرہ اس بارہ میں بالکل خاموش ہیں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کل غزوے اور خاص کر وہ غزوے جن میں قتل و قتال تک نوبت آئی مشہور و معروف اہل علم کے نزدیک متواتر اور استوار ہیں۔ حدیث۔ فقہ۔ تفسیر۔ مغازی اور سیر کی کتابوں میں حضور انور کے حالات کے ساتھ ان کا تذکرہ صاف لفظوں میں پایا جاتا ہے۔

عادتاً اور شرعاً یہ بات بالکل ممتنع ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی غزوے میں اس قسم کے امور ظہور میں آتے اور اہل علم میں سے کوئی انھیں نقل نہ کرتا اور یہ ممتنع ہونا بعینہ ایسا ہی جیسے ایک دن رات میں پانچ نمازوں سے زیادہ فرض ہونا یا ایک سال میں رمضان شریف کے ایک ماہ کے روزوں سے زیادہ فرض ہونے ممتنع ہیں۔

اِس کے علاوہ سورۂ والعادیات میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اور یہ ابن مسعود عکرمہ اور عطاء وغیرہ سے مروی ہے جس سے مذکور قول کا کذب صاف ظاہر ہوتا ہے مگر دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اسے ابن عباس اور قتادہ نے نقل کیا ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں حضرت علی سے یہ منقول اور مشہور ہے کہ عادیات کی تفسیر آپ حجاج کے اونٹوں سے کرتے تھے اس سے بھی شیعی علماء کی گھڑنت کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔

سب سے بڑے تماشہ کی بات یہ ہے کہ ایک قوم پر جو لڑنے کے لیے تیار ہو حملہ کیا جاتا ہے مگر دشمن یہ کہتا ہے ہم بہت ہیں اور تم تھوڑے ہو جاؤ ہم سے نہ لڑو حملہ آور سنکے چپکا چلا آتا ہے اور دشمن بھی ہوں ہاں کچھ نہیں کرتا یہ ایسی ناپاک کہانی ہے کہ ایک سمجھ دار بچہ بھی اُسے نہیں تسلیم کرنے کا دشمن فطرتاً اپنے دشمن پر قابو پانا چاہتا ہے اور وہ اپنے دشمن کا کمزور پہلو ڈھونڈتا رہتا ہے بھلا اس مسخرے پن کا کچھ ٹھکانا ہے کہ وہ اپنے حملہ آور دشمن سے کہے کہ تم تھوڑے ہو ہماری تعداد زیادہ ہے تم ہم سے مقابلہ نہ کر سکو گے لہٰذا واپس چلے جاؤ اور وہ شخص ان کی یہ الٹی منطق سنکے واپس چلا آئے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ابو بکر و عمر نے کسی غزوہ میں پیٹھ نہیں پھیری۔ غزوہ حنین میں بعض بدمعاشوں نے جوان کے بھاگنے کی کہانیاں بنائی ہیں اہل علم ان کہانیوں کو چانڈو خانہ کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں غزوہ سلسلہ ایک من گھڑت غزوہ ہے اور اس کے موجد شیعی علماء ہیں باقی ذات السلاسل

بیشک ایک سریہ ہے جسمیں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاص کو افسر بنا کے بھیجا تھا اس لیئے کہ اس میں بنی عذرہ سے مقابلہ تھا کہ شاید وہ بغیر جنگ کے مطیع ہو جائیں اور خونریزی کی نوبت نہ آئے۔ پھر ابو عبیدہ بن جراح کو بھی ابن عاص کے پیچھے روانہ کر دیا تھا۔ اس سریہ میں علی کا کہیں ذکر نہیں ہی یہ واقعہ مدینہ منورہ سے بہت دور شام کی حدود میں ہوا تھا۔

غزوۂ بنی مصطلق اور حضرت علی

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر نے بنی مصطلق میں سے مالک اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ قیدیوں میں جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بھی تھیں جو مسلمان ہو کے رسول اللہ سے نکاح کرنا چاہتی تھیں اسی اثناء میں جویریہ کا باپ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ شریف زادی کو تو قید نہیں کیا کرتے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ تم جویریہ کو اختیار دیدو کہ خواہ وہ یہاں رہے یا تمھارے ساتھ چلی جائے یہ سنکے جویریہ کا باپ بہت خوش ہوا اور رسول اللہ کے اس احسان پر شکر گزار ہوا یہ اپنی بیٹی جویریہ کے پاس آیا اور کہا اے بیٹی اپنے خاندان اور قوم کو رسوا نہ کرو میرے ساتھ اپنے گھر چلی چلو۔ جویریہ نے جواب دیا میں نے تو اللہ اور اللہ کے رسول کو اختیار کر لیا ہے مجھے تمھارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہی۔

جواب

یہ سب سے ضروری بات ہی کہ جس نقل سے حجت کیجائے پہلے اُسکی اسناد بیان کر دینی ضرور ہیں یا کسی ایسی کتاب کا حوالہ دینا چاہیئے جس سے حجت ہو سکے ورنہ اس نقل کی صحت و غیر صحت کا علم کیونکر ہو سکتا ہی۔ جو شخص سیرت سے واقف ہی وہ ضرور کہہ سکتا ہی کہ سب باتیں ان ہی جھوٹے قصوں میں کی ہیں جو شیعی علماء نے گھڑ لیئے ہیں کیونکہ کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ بنی مصطلق کے غزوہ میں علی نے ایسا کیا تھا۔ علی اور جویریہ بنت حارث کی گرفتاری کیسی۔ انھوں نے ہرگز اس خاتون کو قید نہیں کیا اس غزوہ کے بیان میں صرف اتنا منقول ہی کہ جویریہ میدان جنگ میں گرفتار ہو کے جب حضور انور کی خدمت میں حاضر کی گئیں تو حضور نے انھیں آزاد کر دیا اور پھر حضور کا نکاح اُن سے ہو گیا۔ اس نکاح کا یہ اثر ہوا کہ جویریہ کے قبیلہ کے کل مرد و عورت فوراً رہا کر دیئے گئے۔ مسلمانوں نے ان کی بہت خاطر مدارات کی اس خیال سے کہ ہمارے آقا کی سسرال کے یہ لوگ ہیں نکاح کا منشا

بھی بہت بڑا ہی تھا کہ دو قومیں باہم شیر و شکر ہو جائیں چنانچہ ایسا ہو گیا۔

اب یہ کہانی کہ جویریہ کا باپ آیا اور اُس سے حضور انور اور لڑکی سے یہ یہ باتیں ہوئیں محض فسانہ اور بعد کی گھڑت ہے۔

غزوہ خیبر اور حضرت علی

خیبر کے ساتھ حضرت علی کو لوگوں نے بہت کچھ جھوٹی تعریف کر کرکے آسمان پر چڑھا دیا ہے مگر اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے نہ اس میں حضرت علی کی کچھ شجاعت ثابت ہوتی ہے نہ فنونِ جنگ کی مہارت یہ ایک فسانہ ہے اور بے جوڑ فسانہ ہے جسکی بابت ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف شیعی علمار کی گوہر فشانی پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

شیعی علمار فرماتے ہیں۔ خیبر حضرت امیرالمومنین علی ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔ اس جنگ میں پہلے ابوبکر کو رسول اللہ نے جھنڈا دے کے بھیجا تو وہ بھاگ آئے پھر عمر کو دیا تو وہ بھی بھاگ آئے پھر علی کو دیا اُنھوں نے میدان کارزار میں آتے ہی مرحب پہلوان کو قتل کر دیا اس کے قتل ہوتے ہی خیبر یئے بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ میں گھس کے سفر ورین نے دروازہ بند کر لیا۔ امیرالمومنین نے اس قلعہ کا دروازہ اُکھیڑ ڈالا وہ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ اُس قلعہ کی خندق پر بطور پل کے آپ نے رکھ دیا اس دروازے کو بیس بیس آدمی ملکے بڑی شکل سے بند کیا کرتے تھے دروازہ اُکھیڑتے ہی سب مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ نے قسم کھا کے کہا کہ یہ دروازہ پانسو آدمیوں کی قوت سے بھی نہیں اُکھڑ سکتا تھا لیکن علی نے قوت ربانی سے اُسے اُکھیڑ دیا ہے۔ یہی ذریعہ مکہ فتح ہونے کا تھا۔

لعنت اللہ علی الکاذبین کہنے کے بعد ہم شیعی علمار سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ علمار نقل میں سے اس حکایت کو کس نے نقل کیا ہے اور اس کی سند کہاں ہے اور اُس کا ثبوت کیا ہے۔ خیبر کی مفصل کیفیت سنئے۔ خیبر سارا ایک ہی دن فتح نہیں ہوا تھا۔ بلکہ خیبر میں متفرق گڑھیاں تھیں جنہیں سے بعض تو بزور شمشیر فتح کی گئی تھیں اور بعض صلح سے صلح ہونے کے بعد جب خیبر یئے اپنے معاہدہ سے پھر گئے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے تو اُن سے خفیف سی جنگ ہوئی اور وہ مغلوب ہو گئے اس جنگ میں نہ ابوبکر بھاگے نہ عمر یہ قصہ چند شریر النفس لوگوں

کی ایجاد ہے۔ ہاں یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ علی نے ایک گڑھی کا دروازہ بیشک اکھیڑ لیا تھا مگر اُسکا ٹیل بنانا یہ چانڈو خانہ کی گپ سے بھی زیادہ ہے۔ اسیطرح یہ بھی چانڈو خانہ کی گپ ہے کہ مکہ فتح ہونیکا بھی یہی ذریعہ تھا۔ مکہ کے فتح ہونے میں علی کی کوئی کارروائی نمایاں نہیں ہوئی۔ جیسا اور حاضرین نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق کیا ایسا ہی علی نے بھی کیا تھا بلکہ فتح مکہ میں بعض باتیں علی سے ایسی ظہور میں آئی تھیں کہ اگر حضور انور دست اندازی نہ کرتے تو علی کے ہاتھ سے کئی خون ناحق ہو جاتے مثلاً علی نے اپنی بہن کے دیوروں کو قتل کرنا چاہا تھا حالانکہ وہ لوگ آپکی بہن ام ہانی کی پناہ میں آچکے تھے۔ جسوقت حضور انور کو علی کے ارادہ کی اطلاع ملی آپ نے فوراً اُنھیں روک دیا اور حضور نے صاف طور پر کہدیا کہ ام ہانی نے جنھیں پناہ دی ہے اُنھیں میری پناہ میں سمجھنا چاہیئے۔

علی نے دشمن خدا و رسول ابو جہل کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی تھی اس سے فاطمۃ الزہرا کو اس قدر رنج ہوا کہ وہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سخت شکایت کی یہ سنکے حضور انور سخت غضبناک ہوئے۔ فقط

غزوۂ حنین اور حضرت علی

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کے نکلے تھے۔ ابو بکر نے جنگجو مسلمانوں کو ڈرا دیا اور کہا آج تو ہم اس کثرت تعداد پر بھی کبھی غالب نہیں آسکتے یہ سنتے ہی مسلمانوں کا سارا لشکر فرار ہو گیا۔ اور رسول اللہ کے پاس صرف نو آدمی ہاشمی قبیلہ کے رہگئے اُن ہی میں ایمن بن ام ایمن بھی تھے۔ امیرالمومنین علی تلوار لیئے ہوئے رسول اللہ کے آگے آگے چلتے تھے آپ نے چالیس مشرکین کو قتل کیا باقی سب بھاگ گئے۔

جواب

شیعی علماء کی اس حمیت اسلام اور غیرت مسلمین کی انتہا ہے کہ صرف ابو بکر کی عداوت میں وہ خیرالقرون کے بہادر صحابہ کو کیسا بزدل بنا رہے ہیں۔ دس ہزار مسلمانوں کی فوج اور حضور انور اُس کے سرگروہ مگر وہ ایک فقرہ پر سر پہ پاؤں رکھ کے بھاگ جائے۔ کسی غیر قوم کا متعصب سے متعصب شخص بھی یہ کبھی نہیں کہنے کا کہ جو شیلے عرب جن کے سپہ سالار حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوں وہ ایسے بزدل نکلیں کہ صرف ایک فقرہ سے اپنے نبی کو چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوں نہ علی اُنھیں

روک سکیں اور نہ خود حضور انور اور پھر تنہا علی چالیس مشرکوں کو قتل کر کے میدان کارزار فتح کر لیں اور دس ہزار مسلمان ایک مشرک کو بھی قتل نہ کر سکیں۔

ہر روایت بغیر کسی سند کے بیان کی گئی ہے۔ ابو بکر نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ گو بعض ناواقف آدمیوں نے یہ لکھا ہے کہ ابو بکر نے یہ کہا تھا "آج ہم تھوڑے ہونے کی وجہ سے غالب نہ آسکیں گے" مگر یہ بھی محض غلط ہے۔ بعض آدمیوں نے فوج میں اپنی تعداد کی کمی پر گفتگو کی تھی اور بس۔

ابن اسحاق نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ اس غزوہ میں رسول اللہ کے پاس مہاجرین انصار اور ہاشمیوں میں سے چند آدمی رہ گئے تھے۔ مہاجرین میں ابو بکر و عمر وغیرہ تھے بنی ہاشم میں علی، عباس اور ان کے صاحبزادے فضل۔ ابو سفیان بن حارث۔ ربیعہ بن حارث۔ اسامہ بن زید۔ اور ایمن بن ام ایمن تھے۔ بعض علماء نے قثم بن عباس کو بھی لکھا ہے کہ وہ بھی موجود تھے۔ مگر ابو سفیان بن حارث کو شمار نہیں کیا۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابن اسحاق وہ شخص ہے جس کا میلان خاطر بالکل شیعیت کی طرف ہے۔ وہ یہ تحریر کرتا ہے۔ اُسے خوب دیکھو اور سمجھو کہ ابو بکر و عمر کی نازک سے نازک موقعوں پر موجودگی کیا کہتی ہے۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی تلوار لیے ہوئے رسول اللہ کے آگے آگے چل رہے تھے اور انھوں نے چالیس آدمیوں کو قتل کیا تھا محض جھوٹ اور بالکل غلط ہے اس کے غلط ہونے پر علماء سیر۔ اور مغازی وغیرہ کا اتفاق ہے۔

حنین کی جنگ کی اصلی کیفیت یہ ہے کہ مخالفین نے کئی ہزار نبرد آزما گھاٹیوں میں چھپا رکھے تھے اور ہر مقام سے ایسی ناکا بندی کر رکھی تھی کہ زد پر آنے کے بعد پہلو بچانا مشکل تھا مسلمان بالکل بے خبری میں یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھے چلے آئے جب دشمن نے دیکھا کہ وہ ان کی زد پر آگئے ہیں اُنھوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا اور ایسا برسایا کہ ٹھکانا نہ رہا۔ مسلمان اس اچانک حملے سے سخت پریشان ہوئے اور یکا یک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مگر عباس کی آواز نے انھیں پھر واپس بلا لیا اور وہ یا لبیک یا لبیک کہتے ہوئے اسطرح دشمن پر جھپٹے جیسا بپھرا ہوا غضبناک شیر گورخر پر جھپٹتا ہے اور دم بھر میں اُنھوں نے مخالفوں کا تیا پانچا کر دیا مخالف اپنا سامانِ باربرداری اور سامانِ حرب چھوڑ کے بھاگے۔ حضور نے وہ کل سامان مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت علی اور علم غیب

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ حضرت علی عالم الغیب تھے یعنی آیندہ واقعات کو ہونے سے پہلے بتادیا کرتے تھے مثلاً جب طلحہ اور زبیر نے عمرہ کرنے کے لیئے جانے کی آپ سے اجازت چاہی تو آپنے قسم کھاکے یہ فرمایا کہ تم عمرہ کرنے نہیں جاتے بلکہ بصرے جانا چاہتے ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(پھر شیعی علمار فرماتے ہیں) ایک دفعہ آپ بیعت لینے کی غرض سے ذیقار میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں آپنے یہ فرمایا کہ کوفے کی طرف سے ایک ہزار آدمی تمھارے ہاں آئینگے اس سے کم ہونگے نہ زیادہ وہ مجھسے موت پر بیعت کرینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان میں سب سے پچھلے اویس قرنی تھے۔

(بقول شیعی علمار) ایک دفعہ آپ نے یہ بیان کیا تھا کہ شہر بان لعین کے ہاتھ پیر کاٹے جائینگے اور اُسے سولی دیجائیگی چنانچہ معویہ نے اُس کے ساتھ ایسا ہی کیا۔

ایک دفعہ آپ نے سمار التمار سے فرمایا تھا کہ عمرو بن حریث کے دروازے کے پاس تجھے سولی دیجائیگی اور اُسے آپ نے وہ کھجور کا درخت بھی دکھادیا تھا جسپر اُسے سولی دینی تھی یہ واقعہ بھی اسی طرح ہوا۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا تھا کہ کہیل بن زیاد کو حجاج قتل کریگا اِسیطرح قمبر کو حجاج ذبح کریگا پھر براء بن عازب سے فرمایا کہ میرا لختِ جگر حسین شہید کیا جائیگا اور تو اُسکی مدد نہ کرے گا۔ اور آپ نے حسین کے شہید ہونے کی جگہ بھی بتادی تھی وغیرہ وغیرہ۔

جواب

جتنی باتیں شیعی علمار نے بیان کی ہیں ان باتوں میں انسانی خون کرب وبلا اور قتل وغارت کا رنگ ملا ہوا ہے کوئی پیشین گوئی آپ نے ایسی نہیں کی کہ فلاں ملک مسلمان فتح کرینگے وہاں اسلام کا ڈنکا بجیگا فلاں مشرک یا کافر پر خداوند تعالےٰ رحمت کریگا اور اُسے ایمان کی دولت عطا کریگا ان باتوں پر اور بدا کے ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ کیا حضرت علی خونی لباس میں مخلوقِ خدا کو قتل وغارت کرنے کی پیشینگوئیاں کرنے آئے تھے اور آپ کی پیشینگوئیوں میں سوائے انسانی نسل کی بربادی کے اور کسی قسم کی پیشینگوئی نہیں ہے اگر ہم تھوڑی دیر کے

لیئے ان پیشینگوئیوں کو صحیح تسلیم کرلیں تو ان سے حضرت علی کی کچھ برتری ثابت نہیں ہوتی بعض غائبہ امور کو بیان کردینا تو اُن لوگوں سے بھی ہوا ہے جو حضرت علی سے بہت کم درجے کے تھے کیونکہ ابوبکر۔ عمر اور عثمان کے متبعین میں بعض لوگوں نے اس سے کئی گنا غیب کی خبریں بیان کردی تھیں اور وہ صحیح بھی ہوگئی تھیں ایسی غیب کی خبروں کے بیان کردینے سے راشدین صحابہ پر ان کی فضیلت نہیں تسلیم کی گئی۔ یہانتک کہ اپنے زمانے کے بزرگوں سے بھی وہ افضل نہیں قرار دیئے گئے ہر زمانے میں اس قسم کے لوگ موجود تھے اور ہیں اب ہمارے زمانے میں بھی اس قسم کے بہت سے آدمی ہیں جو پیشینگوئیاں کیا کرتے ہیں اور ان کی پیشینگوئیوں کا بہت سا حصہ سچ ہوجاتا ہے۔ گزشتہ زمانے میں بھی ایسے آدمیوں کے ہونیکا پتہ لگا ہے صحابہ میں سے حذیفہ بن الیمان اور ابوہریرہ وغیرہ نے اس سے کئی گنا زیادہ خبریں حاضرین کے روبرو بیان کردی تھیں خود فاروق اعظم نے اس قسم کی بہت سی باتیں بیان کی ہیں آپکے علاوہ مختلف اولیاء کے حالات اور کرامات میں بہت سی کتابیں تصنیف ہیں جن میں اس قسم کی پیشینگوئیاں موجود ہیں اور جنکا اُن کے وقت پر پورا ہونا بیان کیا گیا ہے مثلاً امام احمد کی کتاب الزہد۔ حلیۃ الاولیا۔ صفوۃ الصفوہ۔ اور ابو محمد خلال کی مصنفہ کتاب کرامات الاولیا وغیرہ انکے علاوہ ابن ابی الدنیا۔ اور لال کائی کی کتابیں ہیں جن میں ابوبکر وعمر کے بعض تبعین کی کرامتیں مذکور ہیں مثلاً ابوبکر کے نائب علاء بن حضرمی۔ ابومسلم خولانی۔ ابوالصہبار اور عامر بن عبد قیس وغیرہ جیسے علی بدرجہا بڑھ کے ہیں لیکن ان سے کرامتیں صادر ہونے میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو اسپر دلالت کرے کہ یہ لوگ کسی صحابی سے افضل ہیں چہ جائیکہ خلفاء راشدین سے افضل ہوجائیں۔

اب شیعی علماء کی حکایتوں پر غور کیجئے جو اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں سے ایک حکایت کی سند بھی شیعی علماء نے ذکر نہیں کی ممکن ہے انمیں بعض صحیح ہوں اور بعض جھوٹی ہوں مگر جب تک ان کی سند نہ بیان کیجائے ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ صحیح ہیں اس کے علاوہ وہ کتابیں جو آئندہ حالات کے بیان کرنے میں علی یا اہل بیت کی طرف منسوب ہیں وہ سب جھوٹی اور بالکل غلط ہیں مثلاً کتاب الجفر اور بطاقہ وغیرہ اسیطرح یہ دعا بھی محض غلط ہے کہ علی کو رسول خدا نے ایک خاص علم کی تعلیم کی تھی اور وہ علم آپ نے کسی دوسرے شخص کو نہیں بتایا۔

صحیح بخاری میں حذیفہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی سے پوچھا تھا کہ تمہارے پاس وحی میں کا کوئی ایسا امر ہے جو قرآن شریف میں نہ ہو آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسنے بے جان اور جاندار کو پیدا کیا ہے کہ ہمارے پاس ایسا کوئی امر نہیں ہے سوائے ایک فہم کے اور اُسمیں بھی ہماری کوئی خصوصیت نہیں ہے اللہ تعالےٰ جسے چاہے قرآن کے سمجھنے کی فہم عطا کر دے پھر آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس یہ صحیفہ ہے میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے فرمایا یہ ایک یادداشت کے طور پر ہے اِس میں خونبہا کا بیان ہے قیدیوں کو چھڑانے کی فضیلت ہی وغیرہ وغیرہ فقط۔

بعض بیباک آدمیوں نے نہ صرف حضرت علی کو بلکہ بعض دیگر صحابہ کو بھی اس امر میں مخصوص کیا ہے کہ رسول اللہ نے دین باطن کے کچھ احکام اُنھیں سکھا دئے تھے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں بالکل غلط اور جھوٹی ہیں۔

صحیحین میں ابوہریرہ کی ایک روایت ہے مگر وہ بھی ہماری اس تحقیق کی منافی نہیں ہے مثلاً ابوہریرہ کہتے ہیں کہ دو باتیں میں نے آنحضرت کی لکھ لیں انمیں سے ایک تو میں نے بیان کر دی اور دوسری بیان نہیں کی۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اگر میں دوسری بیان کر دوں تو تم میری گردن اُڑا دوگے یہ حدیث بیشک صحیح ہی مگر اِسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو بات ابوہریرہ کو بتائی گئی تھی وہ اور کسی کو نہیں بتائی گئی۔ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ابوہریرہ کا حافظہ اوروں سے اچھا تھا اِس لیئے انھیں بہ نسبت اوروں کے بہت سی باتیں یاد رہ گئیں اسیطرح ابوحذیفہ نے کہا تھا خدا کی قسم میں اُس فتنے کو سب سے زیادہ جانتا ہوں جو مجھ میں اور لوگوں میں ہوگا۔ اِسکی یہ وجہ نہیں ہے کہ رسول اللہ نے اس کی بابت کوئی خفیہ بات مجھ سے کہی ہو اور اوروں سے نہ کہی ہو بلکہ رسول اللہ نے تو عام جلسے میں بیان فرمایا تھا جس میں میں بھی شریک تھا اِس جلسے میں جتنے لوگ شریک تھے سوائے میرے اب کوئی نہیں رہا۔

خلاصہ کلام یہ ہی کہ بعض صحابہ اور صالحین کو بعض آیندہ واقعات کا معلوم ہو جانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ کل ہی واقعات سے واقف ہوں لہٰذا بعض واقعات کے جاننے میں علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور سب واقعات کو جاننا نہ علی کے لیئے ثابت ہوتا ہی نہ کسی اور کے لیئے اب یہ بات دیکھنے

کی ہے کہ خود علی کے واقعات پر نظر کرو اگر اپنی آیندہ باتوں کا علم ہوتا تو وہ ہرگز مختلف موقعوں پر زک نہ اُٹھاتے وہ اپنی خلافت کے زمانے میں اپنی خلافت کو کامیاب اور مضبوط بنانے کے لیئے طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے مگر ان کی ایک تدبیر بھی نہ چلتی تھی اور سب الٹ جاتی تھیں جب تک اُنھوں نے امیر معاویہ سے مخالفت نہ کی تھی اُسوقت تک ہزاروں آدمی اُن کے ساتھ تھے بہت سے شہر اُنکے زیر نگین تھے لیکن جب وہ معاویہ سے بگاڑ کر بیٹھے تو روز بروز اُن کی حکومت میں ضعف آتا گیا یہاں تک کہ وہ بیدردی سے قتل کر ڈالے گئے۔ قتل ہونے سے پہلے مصر۔ یمن۔ حجاز وغیرہ سب اُنکے قبضے سے نکل چکے تھے بہت سے دوراندیش سلمانوں نے آپکو مشورہ بھی دیا تھا کہ جب تک آپ کی خلافت کو پورا استحکام نہ ہو جائے آپ معاویہ سے نہ بگاڑیئے یہ لوگ بلاشک وشبہ حضرت علی کے بہت دوست تھے اور یقیناً آپ سے محبت رکھتے تھے۔ مگر آپنے اُنکے مشورے کو نہیں مانا۔ اور پھر جو کچھ نتیجہ ہوا سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضرت علی اور آپ کا مستجاب الدعا ہونا

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ حضرت علی جو دعا کرتے تھے قبول ہو جاتی تھی بسر بن ارطاۃ کے حق میں آپ نے یہ بددعا کی تھی کہ اللہ عز وجل اُس کی عقل خبط کر دے۔ چنانچہ وہ مخبوط الحواس ہو گیا۔ پھر آپ نے عیزار کو بددعا دی کہ تو اندھا ہو جا۔ چنانچہ وہ اندھا ہو گیا اور جب انس نے آپ کی گواہی چھپائی تو آپنے بددعا کی کہ خدا کرے تو مبروص ہو جائے چنانچہ دعا کرتے ہی اُسمیں برص کا مرض پیدا ہو گیا اسیطرح زید بن ارقم کو بھی اندھے ہونے کی بددعا دی تھی چنانچہ وہ بھی اندھا ہو گیا۔

جواب

یہاں بھی شیعی علمار نے محض محبتِ اہل بیت کی بنا پر حضرت علی کو ویسا ہی خونخوار اور ویسا ہی خونی ثابت کیا ہے کسی سلمان کو آپ نے اندھا کر دیا کسی کو مبروص بنا دیا اور کسی کو مخبوط الحواس ایسے نبی کا داماد جو دنیا میں رحمت بنا کے بھیجا گیا تھا۔ اُسکا جانشین کسی کو اندھا کرتا ہے اور کسی کو مبروص بناتا ہے یہی محبت ہے یہی اہل بیت کا عشق ہے کہ فرضی باتیں ایجاد کر کے وہ زبردستی حضرت علی کے سر چپکی گئیں اگرچہ یقیناً یہ حضرت علی کی ذات پر بہت بڑا حملہ ہے مگر اس حملے کو اعلےٰ درجے کی تعریف تصور کیا گیا ہے۔

مستجاب الدعا کی صفت تو صحابہ میں اِس سے بھی زیادہ موجود تھی ہم کہتے ہیں صحابہ پر کیا موقوف ہی جب تک کوئی مسلم دنیا میں باقی رہیگا یہ فضیلت برابر رہیگی سعد بن ابی وقاص کی کوئی دعا کبھی خطا نہ کرتی تھی جو دعا کرتے تھے فوراً ہی قبول ہوجاتی تھی صحیحین میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے سعد کے حق میں یہ دعا کی تھی "اللھم سدد رمیتہ واجب دعوتہ" یعنی خداوندا انکا نشانہ ٹھیک رکھیو اور اُن کی دعا قبول کیجیو۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب فاروق اعظم نے ایک آدمی کو کوفے بھیجا کہ وہاں جا کے سعد کے حال کی تحقیق کرے وہ وہاں گیا اور جس سے اُسنے دریافت کیا اسی نے ان کی تعریف کی اخیر میں بنی عبس کے ایک شخص سے جو دریافت کیا تو اُسنے کہا بھائی میں ان کی بات کبھی ظاہر نکرتا لیکن تم مجھے قسم دیتے ہو اسلیئے میں تسے کہتا ہوں کہ سعد نہ تو کسی لشکر کے ساتھ جنگ میں جاتا ہے نہ رعایا میں انصاف کرتا ہے نہ غنیمت کا مال سب میں برابر تقسیم کرتا ہی جب یہ باتیں سعد نے سُنیں تو اُسکا دل پکڑا گیا اُسے سخت صدمہ ہوا اور اُسنے بلبلا کے یہ دعا کی کہ اگر یہ جھوٹا ہو اور اُسنے محض شرارت سے مجھپر یہ الزام لگایا ہو تو اُسکی عمر دراز کیجیو اور اُس کے فقر و فاقے میں ترقی دیجیو اور اُسے مصیبتوں میں مبتلا رکھیو چنانچہ ایسا ہی ہوا اس کی اتنی عمر ہوئی کہ بڑھاپے کی وجہ سے دونوں بھویں جھک گئی تھیں گھٹنوں نے جواب دیدیا تھا پیر رہ گئے تھے اور انھیں جنبش نہ ہوسکتی تھی بچے اُسے گلی کوچوں میں گھسیٹے گھسیٹے پھرتے تھے اور وہ کہتا تھا ہائے میں مصیبت زدہ بڈھا ہوں مجھے سعد کی بد دعا لگ گئی۔

اِسیطرح سعید بن زید مستجاب الدعوات تھے حماد بن زید نے ہشام بن عروہ سے اُنھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ اُس کی بیٹی اروی نے مروان کی عدالت میں سعید پر نالش کی اور عرضی دعوے میں یہ لکھا کہ میں نے اپنی زمین میں جو تخم ریزی کی تھی وہ تخم سعید نے چرا لیا ہی سعید نے جب یہ سنا تو اُسیوقت اُسنے خداوند کے حضور یہ دعا کی کہ اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اُسے اندھا کرکے اُسی زمین پر اُسے غارت کر دے چنانچہ اسیوقت وہ اندھی ہوگئی اور اُسی زمین پر پڑ کے مر گئی۔ براء بن مالک کی یہ کیفیت تھی کہ جب کسی بات میں اللہ کی قسم کھالیتے تھے تو اللہ انکی قسم کو پورا کر دیتا تھا جیسا کہ صحیحین میں لکھا ہی کہ اللہ کے بعض بندے ایسے بھی

ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دیتا ہی - برار بن مالک بھی اُنھیں
میں سے ہیں - علار بن حضرمی رسول اللہ کے نائب بڑے مستجاب الدعوات تھے آپ ابو بکر کی
خلافت میں بحرین کے گورنر بھی تھے - ابن ابی الدنیا نے بالاسناد روایت کی ہی کہ سہم بن منجاب کہتے
تھے ہمنے علار بن حضرمی کے ساتھ ہوکے دارین پر حملہ کیا اس موقع پر اُنھوں نے تین دعائیں
کی تھیں تینوں اللہ نے قبول کرلیں ان دعاؤں کو اُنھوں نے اسطرح بیان کیا ہی کہ ہم ان کے
ہمراہ چلکے ایک پڑاؤ پر اُترے ہمیں وضو وغیرہ کے لیئے پانی کی ضرورت ہوئی مگر کہیں پانی نہ ملا ہمنے
علار سے کہا کہ اسکا کچھ بندوبست کیجیئے اُنھوں نے دو رکعت نفل پڑھ کے یہ دعا کی اللھم
یا علیم یا حکیم یا علی یا عظیم ہم تیرے غلام ہیں تیرے راستے میں امن اور راستی کے دشمن
سے لڑنے جاتے ہیں ہمیں پانی کی سخت ضرورت ہے ایسی بارش کردے کہ ہم پی بھی لیں نہا بھی
لیں اور ہماری ساری ضرورتیں اُس سے پوری ہوجائیں - چنانچہ فوراً مینہ برسنے لگا اور ہمارے
پاس ہی ایک کنواں اُبل آیا ہمنے اس سے اپنی ساری ضرورتیں پوری کرلیں اور حسب خواہش
پانی بھر کے اپنے ساتھ لے لیا - جب ہم دارین کے قریب پہنچے تو ہمیں ایک دریا ملا دریا کے
پار ہمارا دشمن تھا اور ہم ادھر تھے دریا سے پار ہونا ہمارے لیئے محال تھا علار نے پھر دعا کی کہ اللھم
یا علیم یا حکیم یا علی یا عظیم ہم تیرے عاجز بندے ہیں تیرے راستے میں راستی اور امن کے
دشمن سے لڑنے جا رہے ہیں تو ہمارے لیئے کوئی راستہ نکال دے کہ ہم دریا پار ہوجائیں یہ
دعا کرکے علار ہمیں لیکے دریا میں گھُس گئے دریا ایسا پایاب ہوگیا کہ گھوڑوں کی زینیں تک بھی
نہ بھیگیں - ہم دشمن تک بآسانی پہنچ گئے اور جب ہم واپس آنے لگے تو علار کے پیٹ میں درد
اُٹھا کوئی صورت نجات کی نہ ہوئی اور وہیں انکا دم نکل گیا ہمارے پاس اتنا پانی نہ تھا کہ ہم اُنھیں
غسل دیتے ہمنے اُنھیں کفنا کے ویسا ہی دفن کردیا جب ہم تھوڑی دُور آگے بڑھے تو ہمیں افراط سے
پانی ملگیا ہمنے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ یہاں سے پانی لے کے چلیں اُنھیں قبر سے نکالیں اور نہلا
دُھلا کر پھر دفن کردیں ہم واپس آئے مگر ہمیں قبر کا نشان نہ ملا ہرچند ہمنے تلاش کیا مگر ہم قبر کی
تلاش میں ناکام رہے ہم سخت متعجب تھے کہ یہ کیا بات ہی اسی اثنار میں ہم میں سے ایک شخص کو
یاد آیا اُسنے کہا اُن کی قبر کی تلاش کا عبث فکر کرتے ہو وہ قبر نہیں ملنے کی میں نے خود اُنھیں یہ دعا

کرتے سنی تھی کہ میری قبر کو پوشیدہ کر دینا اور میرا ستر کسی کو نہ دیکھنے دینا اللہ نے اُن کی یہ دعا بھی قبول کر لی تھی یہ سنکے ہم اُنھیں وہیں چھوڑ کے چلے آئے۔

فاروق اعظم نے بھی بہت سی دعائیں کیں اور وہ سب قبول ہوئیں۔منجملہ اُنکے ایک دعا یہ تھی آپنے خداوند تعالےٰ کے حضور میں عرض کیا تھا بار الہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری رعیت پھیل گئی ہے۔اب ان پریشانیوں میں پڑنے سے پہلے ہی میری روح کو قبض کر لے چنانچہ اُسی سال آپ کا انتقال ہو گیا۔

اِسی قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں مستجاب الدعوات لوگوں کے بیان میں ابن ابی الدنیا نے ایک مستقل کتاب تصنیف کر دی ہے جو اسوقت موجود ہے باقی شیعی علماء نے جو کہانیاں حضرت علی کے نام سے نقل کی ہیں اُنکی کہیں بھی سند نہیں انس کا مبروص ہونا اور زید بن ارقم کا اندھا ہونا یہ ایسی نامعقول کہانیاں ہیں جو سرتاپا جھوٹ اور غلط ہیں فقط

حضرت علی کی کرامت

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی کے امام ہونے کی بہت بڑی بُرہان یہ ہے کہ جب آپ صفین جانے لگے تو راستے میں آپکے ساتھیوں کو پیاس لگی پانی کا کہیں نام ونشان نہ تھا سامنے ایک خانقاہ نظر آئی جسمیں ایک راہب رہتا تھا حضرت علی کیساتھ والوں نے اِس راہب سے دریافت کیا کہ پانی کہاں مل سکتا ہے اُسنے جواب دیا کہ پانی یہاں چھ سات کوس پر ملتا ہے میں تو ہر مہینے کا پانی اکٹھا جمع کر لیتا ہوں اِسی سے زندہ ہوں ورنہ اب تک میرا فیصلہ ہو جاتا یہ سنکے حضرت علی کے ساتھ والے آزردہ دل ہوئے اسپر حضرت علی نے ایک مقام کی طرف اشارہ کیا جو اس خانقاہ سے قریب تھا اور وہاں کھودنے کا حکم دیا جب وہ زمین کھُدی تو ایک پتھر نکلا اور وہ پتھر اتنا وزنی تھا کہ سب آدمی ملکے بھی اُسے جنبش نہ دے سکتے تھے حضرت علی نے تنہا اُس پتھر کو اُکھیڑ لیا اس کے اُکھیڑتے ہی پانی نکل آیا سب نے سیر ہو کے پیا یہ دیکھ کے راہب کو سناٹا آگیا وہ سیدھا امیر المومنین علی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نبی مرسل ہیں یا مقرب فرشتے ہیں۔ حضرت علی نے کہا نہ میں فرشتہ ہوں نہ نبی ہوں ہاں محمد رسول اللہ کا وصی ہوں راہب نے اُسی وقت دین اسلام قبول کیا پھر حضرت علی سے کہنے لگا یہ خانقاہ جسمیں میں رہتا ہوں اس

اس پتھر کے طالب کے نام پر بنائی گئی تھی اور پانی کا چشمہ اُسکے نیچے تھا آپ سے پہلے یہاں بہت سے لوگ آئے مگر کسی کو اُسکا پتہ نہ ملا وہ راہب اخیر عمر تک آپکی خدمت میں رہا یہاں تک کہ آپ کے جھنڈے کے نیچے شہید ہوگیا بقول شیعی علما راس قصّے کو حمیری نے اپنے قصیدے میں نظم کیا ہی۔

جواب

جہانتک اس قصے پر غور کیا گیا اسمیں کسی قسم کی کرامت حضرت علی کی نہیں معلوم ہوتی اتفاق سے کسی مقام پر چشمے کا نکل آنا کسی کی کرامت پر دلالت نہیں کرتا ایسے ہزاروں موقعے ہر شخص کی زندگی میں ہوجاتے ہیں جن میں اس قسم کے انکشافات کثرت سے حادث ہوتے ہیں۔

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ قصہ بھی اُن ہی جھوٹے فضائل میں سے ہے جنھیں علیوں نے حضرت علی کے سر چپک دیا ہی جن اشخاص نے یہ قصے گھڑے ہیں سچ پوچھئے تو وہ حضرت علی کے فضایل و مناقب سے بالکل بے بہرہ اور بے خبر ہیں اب رہا خانقاہ کے پتھر کا طالب کے نام پر بننا یہ بھی ایک بیہودہ کہانی ہی اسلام کو ایسی باتوں سے کچھ تعلق نہیں نہ اسلام میں یہ طریقہ جاری ہی گرجے خانقاہیں اور شوالے بیشک خاص خاص ناموں پر بنائے جاتے ہیں مسلمانوں کے عبادت خانے یعنی مسجدیں جنمیں اللہ کے پاک نام کا ذکر اذکار کیا جاتا ہی وہ تو اللہ ہی کے نام پر بنائی جاتی ہیں مخلوق کے نام سے اُنھیں کچھ تعلق نہیں جب کوئی بات دین اسلام کے بالکل خلاف ہو تو اُس سے کسی کی منقبت کیونکر نکل سکتی ہی۔

اب رہی راہب کی کہانی کہ اُسنے حضرت علی سے یہ کہا کہ تم نبی ہو یا مقرب فرشتے ہو محض غلط بالکل غلط اور سراسر جھوٹی ہی۔ راہب سخت گدھا تھا کہ اُس نے بغیر سمجھے بوجھے جو کچھ چاہا بک دیا۔ علی کو فرشتہ اُس نے کس لحاظ سے سمجھا جبکہ دیکھ چکا تھا کہ علی نے پانی پیا۔ فرشتوں کو پانی پینے سے کیا کام۔

اسیطرح اُس نے علی کو نبی کس طرح سمجھ لیا جبکہ محمد رسول اللہ کے بعد دوسرا نبی ہو نہیں سکتا انجیل یا توریت میں کہیں یہ نہیں لکھا ہی کہ اگر کوئی شخص کسی چشمہ کا پتہ لگائے تو اُسے نبی سمجھنا یہ تو ایسا غلط منطق اور بیہودہ استدلال ہی کہ کبھی مسلّم نہیں ہو سکتا۔ چشمے تو درکنار رہے لوگوں نے تو نئے ممالک کا پتہ لگا لیا لہٰذا اس استدلال کی بنا پر وہ خدا ہوئے معاذ اللہ۔

اب اس کہانی کے آخری الفاظ یہ رہ گئے کہ حضرت علی نے کہا نہ میں فرشتہ ہوں نہ نبی ہوں بلکہ رسول اللہ کا وصی ہوں۔ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ حضرت علی پر یہ نرا بہتان ہے انھوں نے کہیں اور کبھی ایسا نہیں کہا۔ مخالفوں سے آپ بہت مناظرہ کر چکے ہیں مگر کسی مناظرہ میں علی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ نہ آپ کی بابت آپ کے دوستوں یا ساتھیوں میں سے کسی نے یہ دعوےٰ کیا۔

علی نے ابن عباس کو خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیئے بھیجا تھا انھوں نے اسمیں علی کے بہت کچھ فضائل اور مناقب بیان کیئے لیکن یہ کبھی نہیں کہا کہ علی رسول اللہ کے وصی ہیں اگر یہ بات حق ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی اس کے نقل نہ کرنے کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حق نہیں ہے۔

خیال تو کیجیے جن لوگوں نے آپ کے ایسے ایسے فضایل نقل کیئے ہیں مثلاً رسول اللہ نے ایک غزوہ میں یہ فرمایا تھا کہ کل میں ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔

اسیطرح جنگ تبوک میں حضور انور کا یہ فرمانا۔ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ میرے لیئے تم ایسے ہو جیسے موسےٰ کے لیئے ہارون تھے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ تم مجھ سے ہو میں تم سے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بھلا کون عقل کا دشمن یہ خیال کر سکتا ہے کہ جن لوگوں نے ایسے ایسے فضایل تو نقل کر دیئے وہ وصی ہونے کا ذکر نہ کرتے۔ یہ وصی ہونے کی کہانی منجملہ اُن امور کے ہے جو کذاب لوگوں نے افترا کر لی ہیں اور صحیح احادیث کی کتابوں میں اُن کا کہیں پتہ نہیں۔

حضرت علی اور افواج جنات کا قتل عام

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جمہور نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنی مصطلق سے جہاد کرنے چلے تو ایک ویران جنگل کے قریب پہنچ کے آپ کو شام ہو گئی اندھیرے کی وجہ سے آپ راستہ بھول گئے۔ اُسیوقت جبرئیل آسمان سے نازل ہوئے اور رسول اللہ سے بیان کیا کہ کفار جنوں کی فوج کثیر اور جرار شکر جنگل میں چھپا بیٹھا ہے جس وقت آپ اور آپ کی فوج اسکی زد پر آگئی بس پھر وہ حملہ کر دیں گے اور آپ کو چشم زخم اُٹھانی پڑے گی یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ نے علی کو بلایا اور سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آپ نے سنتے ہی کہدیا کہ میں ابھی جا کے انھیں قتل کر آتا ہوں۔ چنانچہ آپ گئے اور سب جنوں کو قتل کر کے چلے آئے۔

جواب

اِس میں شک نہیں کہ اِس قسم کی دلکش مگر بے جوڑ کہانیاں ایک عرصہ تک کسی خاص قوم کا عملدرآمد رہیں اور ابھی تک مذہبی اصول خیال کی جاتی ہیں- اپنا اپنا مذاق ہی جب تک کوئی شخص ہوا کے تخت پر بیٹھ کے نہ اُڑے اور جب تک عالم جنات کو زیر وزبر نہ کر ڈالے جب تک کئی لاکھ من کا دروازہ ایک ہاتھ سے نہ اُٹھالے اور جب تک کل پیغمبروں کے ساتھ نہ پیدا ہوا ہو اور ہر بار نہ مر گیا ہو اور ہر عصر میں نہ جی جی اُٹھا ہو وہ نہ خلیفہ بن سکتا ہی نہ رسول اللہ کے وصی بننے کے قابل ہی نہ امام متقی ہو سکتا ہی اور نہ معصومیت کا ہار پہن سکتا ہی- بیشک اگر یہی بات ہی تو ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ بھان متی یا بہروپیے کی صفتیں بیشک رسول اللہ کے کسی صحابی میں نہیں تھیں- اگر ان صفتوں کے نہونے کی وجہ سے وہ خلافت امامت اور معصومیت سے خارج ہوتے ہوں تو بیشک خارج کر دینا چاہیئے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہی جہانتک ٹٹولا جاتا ہی حضرت علی کے انسانی فضایل کا ہمیں پتہ نہیں لگتا- ہاں خدائی فضایل کا ذکر ہر نوشتہ اور کتاب میں موجود ہی- ادھر اُنھیں انسان تسلیم کیا جاتا ہی اُدھر اُن کی عمر عالم کے برابر ہی نہیں بلکہ کائنات کی برابر تسلیم کیجاتی ہی ایک طرف اُنھیں سخت عاجز بے شرم بے حمیت- کمزور- بزدل ظالم کہا جاتا ہی اور دوسری طرف بڑا مرد میدان- جری- غیور صاحب جبروت وجلال بیان کیا جاتا ہی یہانتک کہ اسد اللہ یعنی شیر خدا نام رکھ دیا گیا بس اس سے زیادہ ان کی شجاعت کی علامت اور کیا ہو سکتی ہی-

ایک غیر طرفدار شخص جب اس رنگارنگی اور بوقلمونی کو دیکھے گا اور پھر علی کی بیگناہ ذات پر خیال کریگا اُسے اُس مرد باخدا کی مظلومانہ حالت پر سخت افسوس ہوگا کہ ناحق جنوں کو قتل کرا کے اس سے مذاق کیا گیا اور ناحق لاکھوں من کا دروازہ اُٹھوا کے اُسکی ہنسی اُڑائی گئی- یہ ساری باتیں اُس پر بڑی بہتان ہیں- اُس نے کبھی ایسا نہیں کیا وہ ایک کمزور انسان تھا مسلمان تھا- سچا تھا- نماز پڑھتا تھا روزے رکھتا تھا اور بس- مصریوں کی بغاوت اور عثمان کے قتل سے کچھ ابتری مدینہ میں چھا گئی تھی اور ہر شخص مقتول بوڑھے خلیفہ کی خون میں تر بتر گدی پر بیٹھتا ہوا گھبراتا تھا ایسی حالت میں بغیر کسی امید اور بغیر کسی حق یعنی قابلیت جہانداری وغیرہ کے خلیفہ بن گئے- سوائے باغیوں یا مصری ڈاکوں کے کسی نے بیعت نہ کی اور جن دو ایک صحابہ نے بیعت کی وہ بُری خیال کی گئی اور اُس سے کچھ

بدشگونی سی سمجھی گئی۔ چند ہزار آدمی مہیا کئے گئے اور نہایت نادانی سے بغیر سوچے سمجھے کار آزمودہ گورنروں کو معزول کرکے اپنے نالایق اور سخت نالایق رشتہ دار بھر دیئے شراب خواری اور عیاشی کی صوبوں کے عاملوں یا گورنروں میں کثرت ہوگئی اور ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ رعایا نے بغاوت کی اور علی کی خلافت سے سخت بیزاری ظاہر کی اور خود مختار بن بیٹھی۔ اسیطرح امیر معاویہ ایک آزمودہ کار اور مدبر اعظم سے بھی بدسلوکی برتی گئی اور اُسے سخت بیعزتی سے معزول کرنا چاہا اُس نے انکار کیا کہ سلطنت کی باگ ایک ناتجربہ کار شخص کے ہاتھ میں دینا علانیہ اسلام کو برباد کرنا ہی ایسا کبھی نہوگا۔ چنانچہ جواب سے دم بخود ہوگئے۔

قصّہ مختصر یہ کہ مدینہ میں نہ رہ سکے۔ کوفہ آباد کیا اور حکومت سمٹ سمٹا کے صرف کوفہ ہی میں رہ گئی مگر وہاں بھی ایک سلمان ہی نے آپ کو قتل کر ڈالا۔ آپ کے رفیق خوف کے مارے لاش اُٹھا کے لے گئے اور کہیں چھپا کے دفن کر دیا۔ بس یہ زندگی ہی یہ واقعات زندگی ہیں یہ حالات ہیں یہ زمانہ خلافت ہے یہ بیعت ہے اور یہ اُس کی بہار ہے۔

اب نفس مذکور حدیث پر خیال کیا جائے محدثین کے نزدیک یہ حدیث ان حدیثوں میں سے ہے جو حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور علی پر جھوٹی بنالی گئی ہیں بنی مصطلق کے غزوے میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی نہ جن آئے نہ جبرئیل نے جنوں کی خبر دی اور نہ جن قتل کئے گئے

اب شیعی علمار کا یہ کہنا کہ اُسے جمہور نے نقل کیا ہے اگر اس سے یہ مراد ہی کہ یہ حدیث سند ثابت سے مروی ہی یا ایسی کتاب میں ہی جس کے محض نقل ہونے پر اعتماد کرلیا جائے یا کسی ایسے محدث نے اُسے صحیح کہا ہی جس کے صحیح کہنے کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ بات بالکل غلط ہی کیونکہ نہ اُس کی کوئی سند ثابت ہے نہ یہ کسی معتبر کتاب میں منقول ہی نہ کسی نے اُسے صحیح کہا ہی۔

اور اگر شیعی علمار کی یہ مراد ہی کہ جمہور علمار نے اِسے روایت کیا ہے تو یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔ ہاں ممکن ہی ایسے شخص یا اشخاص نے اُسے روایت کیا ہو جنکی روایت سے حجت نہیں ہوسکتی تو ایسا نقل کرنا نہ کرنا یکساں ہے۔ یہ روایت مثل اُس روایت کے ہے یا دونوں روایتوں کو دو سگی بہن کہا جائے جن میں جنوں سے لڑنے کی کہانی ہے۔ ایک روایت تو غزوہ بنی مصطلق والی جسپر بحث ہو رہی ہی اور دوسری چاہ ذات العلم والی ذات العلم کوئیں کا نام ہے کہتے ہیں

حضرت علی نے اُس کوئیں میں لاکھوں جنوں کو ذوالفقار سے قتل کر دیا تھا۔

آدمیوں نے تو آج تک جنوں سے جنگ نہیں کی پھر یہ کیونکر ممکن ہی کہ علی کو جنوں سے جنگ کرنے کا موقع ہوا ہو۔

کوئیں سے ایک مشک پانی لانے کی حکایت بیشک بیان کی گئی ہی مگر صحیح تسلیم ہونے کے بعد بھی وہ بہت ہی معمولی سی بات ہی۔ مثلاً غزوہ حدیبیہ میں ایک کوئیں سے پانی لانیکو ایک آدہ سپاہی گیا اُسے کچھ خوف سا معلوم ہوا وہ واپس چلا آیا مگر علی ڈرتے ڈرتے گئے اور پانی بھر لائے۔ بس اللہ اللہ خیر سلا۔

ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں علی کی۔ جنوں سے جنگ کرنے کے بیان میں ایک بڑی طول طویل حدیث روایت کی ہی جو ابن عباس سے مروی ہی وہ کہتے ہیں جنگ حدیبیہ میں جب رسول اللہ مکہ جانے لگے تو گرمی کی شدت کی وجہ سے صحابہ کو پیاس لگی آپ نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی ایسا بہادر ہے کہ ذات العلم کے کوئیں سے پانی لا سکے تو لے آئے ایک صحابی اِس کہنے پر گئے مگر جنوں کے ڈر کے مارے واپس چلے آئے۔ پھر علی بن ابو طالب گئے اُنھوں نے ہاتھ پیر بچائے ڈرتے ڈرتے اُس کوئیں سے مشک بھر لی۔

شیخ ابوالفرح نے لکھا ہی کہ یہ حدیث یقیناً محالات میں سے ہی اِس کی سند میں محمد بن جعفر اور احمد سکونی راوی مجروح اور مشتبہ ہیں۔ ایک راوی اسمیں عمارہ بن یزید ہی جسکی بابت ابوالفتح نے لکھا ہی کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اس حدیث کو ابن اسحاق نے لکھا ہی اور ان سے بہت سے آدمیوں نے روایت کی ہی لیکن ان باتوں میں سے اُن میں ایک بھی نہیں ہی۔

حضرت علی اور سورج

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جناب امیر علی علیہ السلام کے لیے دو مرتبہ سورج لوٹا ایک مرتبہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور دوسری مرتبہ آپکے بعد پہلی مرتبہ کا ذکر جابر اور ابو سعید خدری نے کیا وہ کہتے ہیں ایک دن جبرئیل رسول اللہ کے پاس آئے اور آہستہ آہستہ عالم بالا کی باتیں کرنے لگے جب رسول اللہ وحی میں بالکل مستغرق ہو گئے تو آپنے امیرالمومنین علی کی زانو پر سر رکھدیا اور سورج کے غروب ہونے تک سر نہیں اُٹھایا امیرالمومنین نے عصر کی نماز وہیں بیٹھے بیٹھے اشاروں سے پڑھی

جب رسول اللہ کی آنکھ کھلی تو آپ نے علی سے فرمایا تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ سورج کو لوٹا دے تاکہ تم نماز عصر پڑھ لو علی نے دعا کی دعا کرتے ہی سورج لوٹ آیا اور آپ نے پھر کھڑے ہو کے نماز عصر پڑھی

دوسری مرتبہ آفتاب کے لوٹنے کا قصہ یہ ہے کہ جب بابل میں آپ دریائے فرات سے پار اترنے لگے تو آپ کے بہت سے ساتھی اپنے اپنے جانوروں کی دیکھ بھال میں لگ گئے اور آپ نے تھوڑے آدمیوں کو عصر کی نماز پڑھائی باقی سب کے سب رہ گئے جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہماری عصر کی نماز جاتی رہی تو وہ آپس میں اسکے متعلق کچھ کہنے لگے حضرت علی نے اُن کی گفتگو سے پہچان لیا کہ یہ عصر کی نماز کے جانے کا افسوس کر رہے ہیں آپ نے فوراً خداوند تعالیٰ سے سورج کے لوٹنے کی دعا کی اور فوراً سورج لوٹ آیا۔ حمیری نے اس قصے کو نظم بھی کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

ردت علیہ الشمس لما فاتہ　　وقت الصلوٰۃ وقد دنت للمغرب
حتی تبلج نورھا فی وقتھا　　للعصر ثم ھوت ھوی الکوکب
وعلیہ قد ردت ببابل مرۃ　　اخری وما ردت لخلق مغرب

یعنی علی کے لیئے آفتاب اُسوقت لوٹا دیا گیا جب عصر کا وقت نکل گیا اور مغرب کا وقت ہونے کو تھا جب آفتاب لوٹا تو اُس کی دھوپ پھر ویسی ہی ہو گئی جیسی کہ عصر کے وقت ہوتی ہے۔ اور پھر وہ ستارے کی طرح پھر گیا۔

دوسری مرتبہ علی کے لیئے آفتاب بابل میں لوٹایا گیا تھا حالانکہ غروب ہونے کے بعد کبھی کسی کے لیئے نہیں لوٹایا گیا۔

جواب

علی کی فضیلت اور ولایت جو اللہ کے نزدیک ہے اُسے اللہ خوب جانتا ہے اور اُسکا شکر ہے کہ صحیح صحیح طریقے کے ذریعہ سے ہمیں بھی اُسکا یقینی علم ایسا حاصل ہو گیا ہے کہ اب اُسکے ہوتے ہوئے نہ ہمیں کسی جھوٹ کے بنانے کی ضرورت ہے نہ ایسے قصوں کی جنکی صحت کا کہیں پتہ نہ لگے۔

علی کے لیئے آفتاب لوٹنے کی کہانی طحاوی اور قاضی عیاض وغیرہ نے نقل کی ہے اور انھوں نے بجائے علی کی کرامت ظاہر کرنے کے اس سے حضور انور کا معجزہ ظاہر کرنا چاہا ہے حالانکہ

علمار محدثین میں سے محققین اسبات کا یقین رکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیشک وشبہ محض جھوٹ اور موضوع ہو اسی لیئے ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں ابوجعفر عقیلی کی کتاب سے یہ نقل کیا ہو کہ عبداللہ بن موسیٰ سے روایت ہے وہ فضیل بن مرزوق سے وہ ابراہیم بن حسن سے وہ فاطمہ بنت حسین سے وہ اسمار بنت عمیس سے روایت کرتے ہیں اسمار کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ پر وحی اتر رہی تھی اور حضور کا سر مبارک علی کی گود میں تھا علی اسی طرح بیٹھے رہے اور عصر کی نماز نہ پڑھی یہانتک کہ آفتاب غروب ہوگیا جب حضرت وحی سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا اے علی تمنے نماز پڑھ لی عرض کیا نہیں اُسوقت آپ نے یہ دعا کی اللہم انہ کان فی طاعتك وطاعت رسولك فاردد علیہ الشمس،، اسمار کہتی تھیں کہ آفتاب غروب ہوچکا تھا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر دعا ہونے کے بعد واقعی وہ پھر طلوع ہوا اُسے بھی میں نے آنکھوں سے دیکھا۔

ابوالفرج نے لکھا ہو کہ یہ حدیث یقیناً موضوع ہو اسمیں راوی بھی بہت ہی مضطرب ہیں۔ اِن میں کوئی اِس قابل نہیں جسکی روایت اِس بارے میں حجت ہوسکے۔

اب رہا بابل کا قصہ اُسکے جھوٹ ہونے میں بھی ہرگز شک نہیں حمیری شاعر کا اُسے نظم کردینا اُس کی صداقت پر کیونکر دلیل ہوسکتا ہو۔ شعرا کا قاعدہ ہے کہ وہ عموماً مدح وذم میں مبالغے کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور اسی مبالغہ سے وہ اپنے اشعار کو چار چاند لگاتے ہیں۔ حمیری تمام جھوٹے شاعروں کا استاد اعظم ہو اور وہ مٹولا ہی کرتا ہو کہ اسی قسم کے دوراز قیاس قصے اُسے ہاتھ لگ جائیں تو وہ اُنھیں نظم کر دے۔ تاکہ وہ نظم جھوٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ شوق سے پڑھی جائے۔

صحیحین میں ابوہریرہ کی زبانی ایک روایت لکھی گئی ہو جسمیں گزشتہ انبیار کے قصے کہانیاں ہیں یہودیوں میں چونکہ یہ بات مشہور تھی کہ یوشع کی وجہ سے آفتاب بریں غروب ہوا تھا لوٹایا یا نہیں گیا تھا یہودیوں کی یہ کہانیاں علی کے آفتاب لوٹنے کے لیئے حجت نہیں ہوسکتیں۔ ابوہریرہ نے یہودیوں کی زبان سے جو کہانی سنی وہ بیان کردی اُن کی بلا سے صحیح ہو یا غلط۔ تعجب ہو کہ حجت میں ایسی روایت پیش کیجائے جو مسلمانوں کی نہ ہو بلکہ یہودیوں کی ہو۔

اب عصر کی نماز کے فوت ہونے کا مسئلہ سنیئے۔ عصر کی نماز کا فوت ہونا دو حال سے خالی نہیں

اگر محض پڑھنے والے کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے فوت ہوئی ہے تو وہ ضرور گنہگار ہوگا اور اُسکا یہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوگا اور جب کسی نے آیندہ ایسی سستی اور کوتاہی کرنے سے توبہ کرلی تو پھر آفتاب کے لوٹ آنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور اگر اُس کی سستی سے فوت نہیں ہوئی بلکہ سونے اور فراموشی سے فوت ہوگئی ہے تو اُسے غروب کے بعد بھی پڑھ لینے میں کوئی گناہ نہیں دوسرے یہ کہ وہ وقت تو محض غروب ہونے ہی سے نکل جاتا ہے جو نماز کے لیئے مقرر کیا گیا ہے اب اگر اس وقت کے بعد نماز پڑھی تو اُس کی نماز شرعی وقت پر ہرگز نہیں ہوسکتی اگرچہ آفتاب پھر لوٹ بھی آئے خداوند تعالےٰ کے اِس ارشاد "فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا" میں یہی مشہور غروب مراد ہے نہ کہ لوٹنے کے بعد کا غروب پس بندوں پر اسی غروب سے پہلے نماز پڑھنی واجب ہے اگرچہ آفتاب دوبارہ طلوع ہوکر پھر غروب ہوا کرے جو احکام آفتاب کے غروب ہونے کے ساتھ متعلق ہیں وہ اسی غروب سے حاصل ہوتے ہیں نہ کہ اس دوسرے غروب سے مثلاً اگر کسی نے آفتاب غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کرلیا اور اُسکے بعد آفتاب لوٹ آیا تو اُس کا روزہ ہرگز نہ جائیگا باوجودیکہ یہ صورت نہ کبھی کسی کے لیئے واقع ہوگی اور نہ ابتک ہوئی اِس صورت کو فرض کرنا بعینہ ایک ایسی چیز کا فرض کرنا ہے جسکا کبھی وجود نہ ہو یہی وجہ ہے کہ فقہائے دین اور علمائے مفسرین کے کلام میں ایسے مسئلے کا کہیں کچھ ذکر نہیں پایا جاتا کیونکہ ایسا ہونا ہی غیر ممکن ہے۔

اب سنیئے جنگ خندق کا واقعہ کہ حضور انور کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تھی حضور انور اور آپ کے اکثر صحابہ نے وہ نماز قضا پڑھی مگر آپ نے آفتاب کو لوٹانے کی تکلیف نہیں دی۔

صحیح میں ہے کہ جب حضور انور اپنے صحابہ کو بنی قریظہ کی طرف بھیجنے لگے تو اُنھیں یہ ارشاد کیا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پہنچ کے پڑھنا یہ حکم سنکے صحابہ چلے گئے اتفاق سے راستے میں عصر کا وقت ہوگیا آپس میں گفتگو ہونے لگی کہ آیا یہیں پڑھ لیں یا بنی قریظہ میں چلکے پڑھیں۔ تھوڑی سی گفت وشنید کے بعد نصف صحابہ نے تو راستہ ہی میں پڑھ لی اور نصف نے بنی قریظہ پہنچ کے۔ مگر یہاں آفتاب غروب ہوچکا تھا۔ پس حضور انور نے فریقین میں سے ایک کو بھی تنبیہ نہیں کی۔ ہماری غرض یہ ہے کہ یہ لوگ حضور انور کے صحابہ تھے جنھوں نے آفتاب کے غروب ہونے کے بعد عصر پڑھی تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ علی اور اُن کے ساتھیوں کے لیئے ایسی کونسی بات مانع تھی کہ وہ بعد غروب آفتاب

پھر نہ پڑھ سکے اگر یہ کہا جائے کہ غروب کے بعد نماز عصر ہوتی ہی نہیں اسی لیئے آفتاب لوٹایا گیا تھا تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ حضور انور اور آپکے صحابہ نے غروب کے بعد نماز کیوں پڑھی اور کیوں نہ اُن کے لیئے آفتاب لوٹایا گیا۔

جس شخص نے آفتاب لوٹنے کی روایت بیان کی ہی خواہ وہ یوشع کی نسبت ہو یا علی کی نسبت ایسی مضحکہ خیز اور لغو کہانی ہی جسکا ثانی مشکل سے ملیگا۔ روایت کرنے والا نہ تو آفتاب سے واقف ہے نہ اُسکے جسم سے۔ وہ سمجھتا ہے کہ روشنی کا ایک گولہ جتنا بڑا اُسے دکھائی دیتا ہی آسمان پر ادھر سے اُدھر روز مرہ پھرا کرتا ہی وہ آج زمین کے کسی گڑھے میں غرق ہو جاتا ہی اور کل اسمیں سے نکل آتا ہی نادان نے اپنی اسی نادانی اور اسی علم پر یہ روایت بھی گھڑلی ہی مگر مرحبا ہی ان عقلائے زمانہ پر جنھوں نے اس روایت کے آگے اپنے سر جھکا دیئے اور اُسے حضرت علی کی بہت بڑی کرامت قرار دیا۔ ہم اسپر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے جو روایت خود بخود اپنی آپ تکذیب کرے اُس کی تکذیب کرنے سے کیا فائدہ۔

مگر تو بھی ہم اُسپر کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں کیونکہ خاص اس ایک حدیث کے لئے یاوؤں نے ایک مستقل کتاب تصنیف کردی ہی اور اس کتاب میں اُسکی مختلف طریقوں کی سندوں کو جمع کیا ہے اس کتاب کا مصنف ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ بن احمد مکافی ہی اس کتاب کا نام مصنف نے مسئلہ فی تصحیح رد الشمس و ترغیب النواصب الشمس رکھا ہی اس کتاب میں اس حدیث کے متعلق عجیب و غریب بحث ہے لکھا ہی کہ یہ حدیث اسمار بنت عمیس خثعمیہ نے اور امیر المومنین علی بن ابو طالب نے اور ابو ہریرہ اور ابو سعید نے روایت کی ہے اور اسمار کی حدیث کو اسطرح ذکر کیا ہے مثلاً اسمار کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھ کے علی کو کسی کام کیلئے بھیجا تھا علی وہاں سے اتنی دیر میں آئے کہ حضور نے عصر کی نماز پڑھ لی پھر آپ انکی گود میں سر رکھ کے سو گئے اور ایسے سوئے کہ آفتاب کے غروب ہونے تک ذرا حرکت بھی نہ کی آفتاب غروب ہونے کے بعد اُٹھے اور یہ دعا کی کہ خداوندا علی تیرا بندہ ہی اسنے تیرے نبی کی خاطر سے اپنے آپ کو روک لیا تھا اُسکا کچھ قصور نہیں۔ لہٰذا تو اُسکو پھر طلوع کردے اُسی وقت آفتاب طلوع کر آیا یہانتک کہ پہاڑوں پر آگیا۔ علی اُٹھے اور وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی اسکے بعد آفتاب غروب ہو گیا۔

پھر اسمار کی ایک روایت میں یہ ہی کہ رسول اللہ نے صہبا میں ظہر کی نماز پڑھ کے علی کو کسی کام کے لیئے بھیجا اسکے آگے پھر وہی آفتاب کے لوٹ آنے کا ذکر ہے اس روایت سے یہ قصہ صہبا سے خصوصیت رکھتا ہے جو غزوہ خیبر میں ہوا تھا۔

اسی قصہ کو ابن ابی فدیک نے اسطرح بیان کیا ہی کہ رسول اللہ نے خیبر کے حدود صہبا میں ظہر کی نماز پڑھی تھی پھر آپ نے علی کو کسی کام کے لیئے بھیجا جسوقت وہ واپس آئے رسول اللہ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے علی بیٹھ گئے رسول اللہ نے اُنکی گود میں اپنا سر رکھ دیا پھر ذرا حرکت نہ کی یہانتک کہ آفتاب غروب ہو گیا اسکے بعد آپ کی آنکھ کھُلی پوچھا تمنے عصر پڑھی ہے علی نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے آفتاب کے لوٹ آنیکی دعا کی۔

اب اور سنئے ابراہیم بن حسن نے فاطمہ سے اُنھوں نے اسمار بنت عمیس سے اسطرح روایت کی ہی وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ کے عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد جبرئیل آپ پر نازل ہوئے آپکا سر علی کی گود میں تھا اور آپ سو رہے تھے اور آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی یہانتک کہ آفتاب غروب ہو گیا پھر آگے کا واقعہ مثل سابق روایتوں کے ہے۔

مگر طحاوی نے اسی سند سے یہ روایت اسطرح نقل کی ہی کہ رسول اللہ پر وحی آرہی تھی اور آپ کا سر مبارک علی کی گود میں تھا اسلیئے علی نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہانتک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔

آپ ذرا اسپر توجہ فرمایئے کہ طحاوی کے الفاظ پہلی روایتوں کے بالکل مناقض ہیں ان روایتوں میں تو یہ تھا کہ رسول اللہ علی کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہے تھے اور اتنے سوئے کہ آفتاب بھی غروب ہو گیا۔ اور عصر کی نماز بھی جاتی رہی اور پھر یہ بھی لکھا ہی کہ یہ قصہ غزوہ خیبر کا ہی جو صہبا میں ہوا ہی۔ طحاوی کی روایت میں آپکا جاگنا مذکور ہے اور جبرئیل کا وحی لیکے آنا یہ تناقض اس امر کی صریح دلیل ہی کہ یہ روایت محفوظ نہیں ہی کیونکہ ایک یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ سوتے تھے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ آپ جاگتے تھے اور آپ کی طرف وحی کیجاتی تھی یہ دونوں قول محض غلط بالکل غلط اور سرتاپا غلط ہیں۔ اسلیئے کہ عصر کے بعد سونا مکروہ ہی اس سے حضور انور نے منع فرمایا ہے اسکے علاوہ حضور انور کی فقط آنکھیں سویا کرتی تھیں دل نہیں سوتا تھا پھر علی سے عصر کی نماز کیونکر فوت ہو گئی؟

اب بحث کا دوسرا پہلو لیجئے نماز فوت کرنیکی دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہ یہ جائز ہو یا جائز نہو

پس اگر یہ جائز تھا اور علی نے آفتاب غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی تو اُن پر کوئی گناہ نہ رہا کیونکہ حضور انور غزوہ خندق میں ایسا کر چکے تھے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد آپ نے عصر کی نماز پڑھی مگر آفتاب آپ کے لیئے نہیں لوٹایا گیا اسیطرح ایک دن خود رسول اللہ علی اور تمام صحابہ صبح کیوقت سوتے رہ گئے یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا پھر سب نے بعد میں نماز پڑھی مگر اُنکے لیئے آفتاب کو شرق کی طرف نہیں لوٹایا گیا۔ اگر نماز کا فوت کرنا حرام تھا تو عصر کا فوت کرنا کبیرہ گناہ ہوا کیونکہ حضور انور نے فرمایا ہے جس کی عصر کی نماز فوت ہو گئی گویا اُس کا گھر بار سب چھین لیا گیا۔

علی خوب جانتے تھے کہ عصر کی نماز صلوۃ الوسطیٰ ہے پھر وہ اُسے کیونکر فوت کر سکتے تھے صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ سے نماز عصر فوت ہو گئی یہانتک کہ آفتاب غروب ہو گیا تو آپ نے اُن دشمنان دین کو جنھوں نے عصر کی نماز فوت کرادی بد دعا دی تھی یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے اور غزوہ خیبر اُسکے بھی بعد ہوا ہے پس علی کی شان اس سے کہیں ارفع ہے کہ وہ ایسا کبیرہ گناہ کرتے اور جبرئیل یا رسول اللہ اُنھیں ایسا کرنے دیتے یاد رکھو جسنے ایسی بیہودگی کی تو یہ اُسکے گناہوں میں شمار ہو گی نہ کہ مناقب میں مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ علی بیشک اُس سے مُبّرا تھے نماز کے فوت ہو جانے کے بعد اگر آفتاب لوٹ کے آبھی گیا تو یہ گناہ اُسکے ذمے سے ساقط نہیں ہو سکتا۔

اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب یہ قصہ جنگ خیبر میں سارے لشکر کے سامنے ہوا تھا اور لشکریوں کی تعداد ۱۴۰۰ سے زیادہ تھی تو ضرور ہے کہ ساری فوج نے اُسے دیکھا ہو گا ایسے عجوبہ حادثات کا مشاہدہ کرنا اور پھر خاموش ہو جانا یہ انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہے وہاں تو اس سرے سے اُس سرے تک غل مچ جاتا اور ہر شخص اس واقعہ کو بیان کرتا تعجب ہے کہ نظام فلکیات میں ایسا تغیر عظیم واقع ہوا اور پھر کل کرُے اپنی اصلی حالت پر رہیں اور ہمارا یہ چھوٹا سا سیارہ یعنی زمین بالکل بے حس و حرکت رہے یہانتک کہ اُن ۱۴۰۰ لشکریوں کے مونہ پر بھی مہر لگجائے کہ وہ اس حادثہ عظیمہ کی نسبت ہوں ہاں کچھ نہ کریں اور فقط ایک یا دو آدمی اُسے نقل کرنے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوں حقیقت میں ایک عجائب و غرائب داستان ہے جس کی بوالعجبی لاثانی ہے۔

خود صحابہ اگر اس روایت کو نقل کرتے تو اُنسے اہل علم ضرور لیتے جیساکہ اُنھوں نے اُن تمام واقعات کو لیا ہے جن واقعات کو مجہول لوگوں نے نقل نہیں کیا جن کے نہ حافظے کا کچھ ٹھیک ہے نہ عدالت کا پتہ چلتا ہے نہ اس حدیث کی اسناد میں کوئی ایسی سند ہے جس سے اُسکے ناقلین کے عمدہ حافظے اور عادل ہونے کا یقین ہو جائے نہ اُس کی اسناد کا اتصال معلوم ہوتا ہے یہ حدیث نہ حدیث کی معتبر کتابوں میں سے کسی میں ہے نہ اُسے محدثین نے نقل کیا ہے نہ اہل سنن نے نہ اہل مسانید نے بلکہ وہ سب کے سب اُسکے ترک کرنے اور اُس سے اعراض کرنے پر متفق ہیں۔

حضرت علی اور مچھلیوں کا سلام

شیعی علما فرماتے ہیں کہ تمام اہل سیر نے یہ روایت کی ہے کہ کوفہ میں ایک مرتبہ اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ غرق ہونے کے خوف سے مرے جاتے تھے۔ اخیر سب نے امیر المومنین علی ابن ابیطالب سے فریاد کی تو آپ رسول اللہ کے خچر پر سوار ہو کے نکلے۔ یہ کل فریادی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے فرات کے کنارے پر اُتر کے دعا کی اور پانی پر وہ چھڑی ماری جو آپکے ہاتھ میں تھی اُسیوقت چڑھاؤ جاتا رہا اور پانی اُتر گیا۔ صاف زمین نکل آئی بہت مچھلیوں نے آپکو سلام کیا مگر جری اور مرماہی ان دو قسم کی مچھلیوں نے سلام نہ کیا یہ دیکھ کے لوگوں کو سخت تعجب ہوا سب نے امیر المومنین سے دریافت کیا کہ ان دو قسم کی مچھلیوں کا سلام نہ کرنا یعنی چہ۔ حضرت علی نے جواب میں ارشاد کیا کہ جن مچھلیوں کو خدا نے حلال کیا ہے اُنھیں تو گویائی دیدی اور جنھیں ناپاک و حرام کیا ہے اُنھیں نہیں دی فقط

جواب

یہ اور بھی سب سے زیادہ مزے دار کہانی ہے اور ایسی کہانی ہے جسکی لذت وہی جانتے ہیں جنھیں مشرقی فسانے پڑھنے کا شوق ہے اور اپنے اِسی شوق میں وہ بوستان خیال دیکھ چکے ہیں۔

ایک چھڑی مارنے سے پانی کا اُتر جانا۔ زمین کا نکل آنا اور پھر مچھلیوں کا عربی بولنا اور حضرت علی کی زبان میں سلام کرنا یہ ساری کائنات کو درہم برہم کرنے والی کرشمیں حضرت علی کے ساتھ اُن میں دیکھتے تھے مگر پھر بھی اپنے خلیفہ یعنی علی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور اُنھیں ہر طرح ستاتے اور پریشان کرتے تھے اور علی کے شیعوں کی نظروں میں علی کی کچھ بھی وقعت نہ تھی جس کا رونا

م - بخاری نے ان خود وضع اور وضاعت کے راویوں سے

نہج البلاغت کے مصنف نے ضرورت سے زیادہ رونا رویا ہی۔
پھر اس روایت کی اسناد دریافت کی جاتی ہیں جو اُسکے صحیح اور ثابت ہونے پر دلالت کریں ورنہ بلا اسناد محض حکایتیں بیان کرونی کچھ مشکل نہیں ہیں یہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ لیکن ایسی حکایتیں حجت نہیں ہو سکتیں۔
دوسرے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی خچر علی کے پاس نہ تھا تیسرے اس حکایت کو ان کتابوں کے مؤلفوں میں سے کسی نے نقل نہیں کیا جو معتمد سمجھی جاتی ہیں اگر یہ قصہ صحیح ہوتا تو اُسے ناقلین ضروری نقل کرتے خود شیعی علما اس حکایت کی اسناد بیان کرنے میں ساکت ہیں۔ بھلا جس حکایت کی اسناد نہ ہوں اُسے کیونکر تسلیم کیا جائے۔
چوتھے یہ کہ مچھلیاں سب کی سب مباح اور حلال ہیں جیسا کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ نے دریا کی بابت فرمایا تھا کہ دریا کا پانی پاک ہوتا ہے اور اُس کی مچھلیاں حلال ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ" اسکے علاوہ سب قسم کی مچھلیاں حلال ہونے پر ساری امت اور سارے ائمہ کا اتفاق ہی خود علی مع تمام صحابہ کے سب قسم کی مچھلیوں کو حلال سمجھتے تھے۔ پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ خاص خاص مچھلیوں کو اللہ تعالےٰ نے حرام کر دیا ہو اُس سے زیادہ ظالم و جاہل کون ہوگا کہ خداوند تعالےٰ نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہو وہ اُسے حرام قرار دے۔
پانچویں مچھلی کا گویا ہونا عادتاً اُس کی قدرت سے باہر ہے ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خداوند تعالےٰ اگر چاہے تو مچھلی کو گویا کر سکتا ہے پھر جو مچھلی گویا نہ ہوئی اُس بیچاری کا کیا قصور ہے کہ اس جرم میں وہ حرام قرار دی جائے کیا یہ ایک جنون نہیں ہو کہ ایک جانور کو کوئی شخص اس لئے گنہگار ٹھیرائے کہ وہ انسان کی طرح باتیں نہیں کرتا۔ اب ایک پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ نے تو اس مچھلی کو گویا کیا تھا مگر وہ اپنی شرارت سے بولی نہیں اسلیئے اُسے حرام قرار دیا گیا تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کا اُسے گویائی کی قدرت دیدینا اگر صحیح ہی تو یہ علی کی کرامت کی وجہ سے ہوگا۔ مگر کرامت اُسیوقت حاصل ہو سکتی ہی۔ جب وہ آپکو سلام کرے نہ کہ محض اسمیں گویائی کی قدرت پیدا ہونے سے اظہار کرامت ہو سکتا ہے۔

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ مچھلیوں سے سلام کرانے کی علی کو کوئی ضرورت نہ تھی وہاں کوئی ایسا سبب نہ تھا جو ایمان کی تقویت کے لیئے خرقِ عادت یعنی خلاف عادت ہونے کا مقتضی ہوتا کیونکہ یہ تو کسی حجت کے قائم کرنے کے لیئے ہوا کرتا ہے وہاں کسی ایسی حجت کی ضرورت نہ تھی۔

صحابہ اور تابعین کے رتی رتی حالات کتابوں میں موجود ہیں کسی صحابہ کو کسی مچھلی نے کبھی سلام نہیں کیا ہم تو پھر بھی کہتے ہیں کہ ایسی حکایتوں کے تصنیف کرنے سے علی کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے ان چانڈو خانوں کی گپوں سے حضرت علی کی فضیلت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ نہ انھیں ایسے اضافے کی ضرورت۔

حضرت علی اور ایک سانپ

شیعی علما رفرماتے ہیں کہ اہل سیر کی ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی بن ابو طالب کوفے میں ممبر پر کھڑے خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک سانپ نکل کے ممبر پر چڑھنے لگا لوگوں نے اُسے مارنا چاہا امیرالمومنین نے اُنھیں منع کر دیا جب آپ خطبہ ختم کر کے ممبر سے اُترے تو لوگوں نے دریافت کیا حضرت یہ کیا اسرار تھا آپ نے فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا بلکہ جنوں کا بادشاہ تھا وہ ایک مقدمہ میں مجھسے رائے لینے آیا تھا میں نے اسے رائے دیدی جس دروازے سے یہ سانپ آیا تھا اُسے اہل کوفہ باب الثعبان کہتے ہیں بنوامیہ نے اِس فضیلت کے مٹانے کے لیئے اِس دروازے کا نام بدل دیا۔

جواب

یہ بھی محض غلط اور بالکل غلط ہے کیسا سانپ اور کیسا جنوں کا بادشاہ اس بیوقوف کو عین اُسوقت جبکہ علی خطبہ پڑھ رہے تھے مشورہ لینے کی ضرورت ہوئی اُس میں اتنی عقل نہ تھی کہ علی خطبہ ختم کر چکیں تو میں اپنے مقدمہ میں انسے مشورہ لوں اور جب وہ ہر قسم کی تبدیل ہیئت پہ قادر تھا تو اُس بیوقوف جن کو سانپ کی صورت میں آنا نہیں چاہیئے تھا بلکہ وہ آدمی کی صورت میں سائل بن کے آتا اور اپنا مطلب حاصل کر لیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک راز رکھنا چاہتا تھا تاکہ کسی پر ظاہر نہ ہو کہ جنوں کا بادشاہ مشورہ لینے کے لیئے آیا تھا مگر حضرت علی جیسے شخص

کے لیے کسی طرح زیبا نہ تھا کہ یہ راز افشا کر دیا جاتا۔
اب دوسرا پہلو اس روایت کا خیال کیجئے اگر اسے تسلیم کر لیں کہ ایسا واقعہ ہوا کہ شہنشاہ جن سانپ کے برن میں آیا اور اُس نے حضرت علی سے مشورہ کیا تو اُسمیں حضرت علی کی کوئی فضیلت نہیں نکلتی کیونکہ اِس قسم کی سینکڑوں حکایتیں ان لوگوں کی نسبت مشہور ہیں جو حضرت علی سے بہت ہی کم درجے تھے پھر ایسی باتوں سے اُن کی افضلیت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے۔ ایسی باتیں خود ہمارے مقابلے میں بھی علی کی فضیلت پر حجت نہیں ہو سکتیں چہ جائیکہ ابوبکر و عمر کے مقابلے میں حجت ہو سکیں۔ ایسی بہت سی کتابیں سلمانوں کی کرامتوں کے بیان میں تصنیف ہوئی ہیں۔ جن میں ایک ایک کرامت اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کے ہے۔ مثلاً ابن ابی الدنیا کی کتاب خلال کی کتاب لالکائی وغیرہ کی کتابیں ابونعیم کا حلیہ اور صفوۃ الصفوۃ وغیرہ ایسے ہی خرق عادات سے بھری ہوئی ہیں اور وہ خرق عادات اُن لوگوں سے ظہور میں آئے ہیں جو علی سے بہت ہی کم درجے پر ہیں۔ علاء بن حضرمی کا پانی کے اُوپر سے چلا جانا پانی کے خشک ہو جانے سے بیشک بڑھ کے ہے اسیطرح وہ گائے جس نے قادسیہ کے واقعہ میں سعد بن ابی وقاص سے باتیں کی تھیں اسیطرح فاروق اعظم کا یاساریۃ الجبل کی آواز دینا حالانکہ آپ اُسوقت مدینہ منورہ میں تھے اور فوج نہاوند میں تھی پھر خالد بن ولید کا زہر پی لینا اور ابومسلم خولانی کو آگ میں ڈالدینا پھر آگ کا یکلخت بجھ جانا یہ کل واقعات ایسے ہیں جو حضرت علی کی اُن خرق عادات سے بڑھ چڑھ کے ہیں مگر تو بھی یہ لوگ سوائے فاروق اعظم کے حضرت علی سے کم درجے پر ہیں۔ اس سے ایک معمولی عقل کا شخص بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ایسی کہانیاں جو حضرت علی کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے تراشی گئی ہیں محض بے سود ہیں۔

حضرت علی کا جامع فضائل ہونا

شیعی علماء فرماتے ہیں فضائل تین قسم کے ہیں۔ نفسانی۔ بدنی اور خارجی پہلی دو قسموں کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو وہ اُسی کی ذات کیساتھ تعلق ہیں یا غیر کے ساتھ مگر امیر المومنین علی ان سب قسموں کے جامع تھے وہ فضائل نفسانی جو آپ کی ذات سے متعلق تھے اُن سے آپکا علم۔ زہد۔ کرم اور بردباری وغیرہ پائے جاتے تھے اور وہ ایسے مشہور ہیں کہ بیان کی ضرورت

نہیں اور جو غیر سے متعلق تھے وہ بھی ایسے ہی ہیں مثلاً آپ سے علم کا ظاہر ہونا اوروں کا آپ سے فیض اٹھانا ظاہر و باہر ہے اسیطرح آپ کے فضائل بدنی ہیں مثلاً عبادت۔ شجاعت سخاوت اب رہے فضائل خارجی مثلاً نسب آپمیں رسول اللہ سے قرابت داری ہونے کے باعث آپ کے برابر کوئی بھی نہیں ہے آپ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ زہرا آپ کے نکاح میں دیدی تھیں۔

(پھر شیعی علمار فرماتے ہیں) اخطب خوارزم نے کتاب السنۃ سے سند کے ساتھ جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب علی کا فاطمہ زہرا سے نکاح ہوا تو یہ نکاح اللہ تعالے نے ساتوں آسمانوں کے اُوپر خود ہی کر دیا تھا خدا قاضی بنا تھا اور براتی ستر ہزار فرشتے تھے جو جبرئیل۔ میکائیل و اسرافیل کے ماتحت کام کر رہے تھے ان سب کے سامنے اللہ نے نکاح پڑھایا تھا پھر اللہ نے طوبےٰ کے درخت کی طرف وحی کی کہ تجھ میں جتنے موتی اور جواہرات ہیں سب جھاڑ دے اُسنے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ پھر اللہ نے حور عین کی طرف وحی کی کہ اس شادی کی خوشی میں تم موتی اور جواہرات چن لو۔ چنانچہ وہ قیامت تک پہنے رہینگی۔ اسکے علاوہ اس بارے میں اور بھی بہت سی روایتیں ہیں۔

(پھر شیعی علمار گوہر افشانی کرتے ہیں) کہ امیر المومنین علی کی اولاد رسول اللہ اور آپکے والد کے بعد سب سے زیادہ شریف ہے حذیفہ یمانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ کو دیکھا آپ حسین بن علی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور یہ فرما رہے تھے اے لوگو یہ حسین ہے اسے اچھی طرح پہچان لو اور اسے افضل سمجھو قسم ہے اللہ کی اسکا نانا اللہ کے نزدیک یوسف بن یعقوب کے دادا ابراہیم خلیل اللہ سے زیادہ معزز اور مکرم ہے یاد رکھو یہ حسین ہے اسکا نانا بھی جنتی ہے۔ اس کی نانی بھی جنتی اسکی ماں بھی جنتی اسکا باپ بھی جنتی اسکا ماموں بھی جنتی اس کی خالہ بھی جنتی اسکا چچا بھی جنتی اسکی پھوپی بھی جنتی اور اسکا بھائی بھی جنتی اور یہ خود بھی جنتی اور اس سے محبت رکھنے والے بھی جنتی اور جنسے اسے محبت ہو وہ بھی جنتی ہیں۔

(پھر شیعی علمار یوں موتی پروتے ہیں) حذیفہ سے دوسری روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک رات کو میں رسول اللہ کے ہاں سو گیا تھا وہاں ایک شخص دیکھا جسے میں پہچان نہ سکا رسول اللہ نے مجھسے دریافت کیا تم نے اسے دیکھا میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ دیکھا لیکن میں اسے پہچانتا نہیں کہ یہ کون ہے فرمایا کہ یہ فرشتہ ہے جب سے میں پیغمبر کہا گیا ہوں یہ کبھی میرے پاس

نہ آیا تھا۔ آج خداوند تعالےٰ کیطرف سے یہ مجھے خوشی سنانے آیا ہی کہ حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں اُن کے علاوہ محمد بن حنفیہ بھی بڑے عالم فاضل تھے یہاں تک کہ بہت سے آدمیوں نے اُن کے امام ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ فقط۔

جواب

وہ امور جو نفس ایمان اور تقوے سے خارج ہیں اُنسے اللہ کے نزدیک کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی ہاں اُسوقت اُنسے فضیلت حاصل ہوسکتی ہی کہ جب یہ اُسپر مُعین ہوں کیونکہ یہ وسائل میں داخل ہیں نہ کہ مقاصد میں جیسے مال۔ قوت صحت وغیرہ یہ وسائل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انکے سبب سے انسان اللہ کے نزدیک افضل نہیں ہوسکتا۔ ہاں جب یہ اللہ کی طاعت پر اُسکے مقصود کے موافق اُس کی اعانت کریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہی۔ یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم یعنی اے لوگو بیشک ہمنے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری جماعتیں اور قبیلے بنائے ہیں تاکہ تم باہم پہچان رکھو (اور نسب وغیرہ پر غرہ نہ کرو) بیشک اللہ کے نزدیک تم سب میں بزرگ وہ ہی جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

صحیحین میں حضور انور رسول خدا سے مروی ہی کسی نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے فرمایا جو تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ عرض کیا ہم یہ آپ سے نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا تو ایسے بزرگ یوسف ہیں کہ خود بھی نبی ہیں یعقوب نبی کے بیٹے اسحاق نبی کے پوتے ابراہیم خلیل اللہ کے پڑپوتے ہیں سائل نے عرض کیا حضور ہم اسے بھی نہیں دریافت کرتے آپ نے فرمایا کیا تم عرب کے خاندانوں کی بابت پوچھتے ہو کہا ہاں فرمایا جو زمانۂ جاہلیت میں بہتر اور شریف تھے وہی اسلام میں بھی بہتر اور شریف ہیں لیکن اس حالت میں کہ وہ علم دین حاصل کریں۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ حضور انور کا پہلا جواب کیا تُلا ہوا ہے کہ سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ ہی اگرچہ نہ کسی نبی کا بیٹا ہو نہ کسی نبی کا باپ ہو ابراہیم یوسف سے زیادہ اللہ کے نزدیک بزرگ ہیں اگرچہ یوسف کا باپ نبی تھا اور ابراہیم کا باپ آزر تھا۔ اسیطرح نوح یعقوب سے زیادہ بزرگ

ہیں اگرچہ یعقوب کی اولاد انبیاء ہوئی اور نوح کی اولاد انبیاء نہیں ہوئی۔ جب سائل نے حضور سے یہ دریافت کیا کہ ہمارا مقصود یہ نہیں ہے بلکہ ہمیں نسبی بزرگ دریافت کرنا منظور ہے اسپر آپ نے یہ جواب دیا کہ نسب میں سب سے زیادہ وہ ہے جسکا نسب انبیاء سے ملا ہوا ہو لہذا تمام اولاد آدم میں یوسف سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی نبی ہیں اُن کا باپ بھی نبی تھا اور اُنکا دادا بھی نبی تھا۔ پھر سائل نے عرض کیا کہ ہمارا یہ بھی مقصود نہیں ہے بلکہ ہم تو اس بزرگی کو دریافت کرتے ہیں جسکو ہم سے تعلق ہو اسپر حضور انور نے دریافت کیا عرب کے خاندانوں کی بابت پوچھتے ہو اگر تمھارا یہی مطلب ہے تو جان لو کہ یہ لوگ مثل معدنیات کے ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں جو انہیں جاہلیت کے زمانہ میں بہتر اور شریف تھے وہی اسلام میں بھی بہتر اور شریف ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ علم دین حاصل کریں اور عقل سے کام لیں۔

یہاں حضور انور نے یہ بیان فرمادیا کہ انساب مثل معدنیات کے ہیں کیونکہ آدمی نسب ہی سے پیدا ہوتا ہے جیساکہ سونا اور چاندی اپنی اپنی کانوں سے پیدا ہوتی ہیں اسمیں کوئی شک نہیں جس زمین سے سونا پیدا ہوتا ہو وہ زمین اُس زمین سے افضل اور بہتر ہے جس سے چاندی پیدا ہوتی ہو مگر یہ بات بھی قدرتاً لازمی ہے کہ سونے کی کانیں ہمیشہ اچھا ہی سونا نہیں دیتیں مثلاً ایک کان میں سے ایک ڈلا پانسیر کا برآمد ہوا اُسمیں سے سونا بمشکل ایک ہی ماشہ نکلا پھر دوسرا ڈلا اُسی وزن کا اور برآمد ہوا جسمیں سے نہایت آسانی کے ساتھ چار پانچ تولہ سونا نکل آیا مگر بتدریج اس کان کی حالت خراب ہوتی گئی اور ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہونچی کہ سونے کا نام ونشان مٹ گیا اور اخیر اُس کان کے مالک کو وہ کان بند کردینی پڑی اسکے علاوہ ایک باریک بات اور بھی ہے کہ محض تعلیم سے انسان بزرگ ہوتا ہے جیساکہ خود حضور نے فرمایا ہے چاندی اور سونے کو لو اگر سونے کا کوئی زیور کسی معمولی کاریگر کا بنایا ہوا ہے تو روپے دو روپے تولہ سے زیادہ اُس کی مزدوری نہیں ہے اور چاندی کا زیور اگر اعلےٰ درجے کے کاریگر کا بنا ہوا ہے تو اس کی مزدوری پچاس اور ساٹھ روپیہ تولہ تک پہونچ جاتی ہے جو سونے کی قیمت سے بدرجہا زیادہ ہے۔ چاندی کو چھوڑ کے لوہے کو دیکھو جو معمولی طور پر سونے سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا مگر کاریگر کے ہاتھ میں آنے سے وہ اپنے ہموزن سونے سے سینکڑوں گُنا زیادہ قیمت میں فروخت ہوتا ہے۔ لوہے کی تلوار کا پھلا جسکا وزن غالباً بمشکل سے ایک پونڈ ہو دس دس ہزار اور

بیس بیس ہزار روپے کو فروخت ہوا ہی حالانکہ ایک پونڈ سونے کی قیمت ایک ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

یہ بیشک صحیح ہی کہ ایک شخص اعلیٰ سوسائٹی میں پیدا ہو وہ اُس سے افضل ہی جو ادنےٰ سوسائٹی میں پیدا ہو مگر یہ فضیلت اضافی ہی اور ہنگامی اصلی فضیلت کا جوہر تو اُسوقت کھُلیگا جب تعلیم اور اتقا دونوں کا وزن کیا جائیگا ان دونوں خاندان کے بچوں میں جس کی تعلیم اور اتقا اچھا ہے وہی افضل ہوگا سب سے بڑی بات جو اسلام کی عمارت کا بہت بڑا رکن ہی یہ ہی کہ جو شخص زیادہ پرہیزگار ہوگا وہی زیادہ بزرگ ہوگا اسمیں نہ کسی حسب نسب کی قید ہے نہ نبی کے باپ ہونے نہ بیٹے ہونے کی نہ اُس کے ثبوت کا دار و مدار گمان پہ ہے نہ دلائل پر اس لحاظ سے خداوند تعالیٰ کی نظر میں اگر دو آدمی پرہیزگاری میں برابر ہیں تو یقیناً وہ مرتبے میں بھی برابر ہونگے اگرچہ ان میں سے ایک کا باپ یا بیٹا دوسرے کے باپ یا بیٹے سے افضل ہی کیوں نہو یا درکھو نبی کی اولاد میں سے ہونا کچھ فضیلت نہیں ہے بلکہ نیک عمل کرنے داخلِ فضیلت ہیں قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ نے کسی کی نسبت کیوجہ سے کہیں کسی کی تعریف نہیں کی نہ نبی کی اولاد ہونے پر نہ نبی کے والد ہونے پر بلکہ جہاں کہیں تعریف کی ہی وہاں اُنکے ایمان اور اعمال صالحہ پر کی ہے اور اسی سے سارا قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔

ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں ہے حضور انور نے فرمایا تھا۔ لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقوی الناس من اٰدم و اٰدم من تراب۔" یعنی نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر۔ ہاں پرہیزگاری کی وجہ سے (ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے) کیونکہ سب آدمی اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر حضور انور ارشاد فرماتے ہیں ان اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالاٰباء الناس رجلان مومن تقی وفاجر شقی۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے تمسے جاہلیت کے افراد اور باپ دادا اؤں پر فخر کرنے کو بالکل مٹا دیا ہے اب آدمی دو قسم کے ہیں یا تو مومن پرہیزگار ہیں یا فاجر بدکردار ہیں۔

اگر ایک آدمی اِس حکم یا فیصلے کے بموجب عربی ہی اور دوسرا قریشی تو یہ اللہ کے نزدیک اپنے اپنے تقوے کی وجہ سے افضل وادنی ہونگے اگر تقوے میں دونوں برابر ہیں تو مرتبے میں بھی اللہ

کے نزدیک دونوں برابر ہونگے اور اگر تقوے میں ایک دوسرے سے افضل ہے تو وہی فضیلت مرتبے میں بھی اثر پذیر ہوگی کسکا بنی ہاشم اور کسکا بنی امیہ۔ کسکا نبی زادہ اور کیسا نبی کا داماد۔ اپنے اس رشتے سے خداوند تعالیٰ کی نظروں میں کبھی معزز و محترم نہیں ہو سکتے جب تک اُنکے نیک اعمال کا وزن دوسروں سے بڑھا ہوا نہ ہو۔

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی　　کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

خدا کے نزدیک فضائل خارجیہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہاں اگر یہ فضائل فضائل داخلہ میں ترقی ہونے کا سبب ہوں تو بیشک فضائل خارجہ وقعت سے دیکھے جا سکتے ہیں مگر تو بھی فضیلت کا انحصار محض فضائل داخلہ ہی پر ہوگا۔

اب فضائل بدنیہ کو لو۔ اگر وہ فضیلت نفسانی سے صادر نہوں تو اُن کا کچھ بھی اعتبار نہیں اور وہ بالکل ایک بے وقعت چیز ہیں۔ بغیر خالص نیت کے اگر کسی نے نماز پڑھی یا روزہ رکھا تو ثواب تو درکنار رہا ایسے شخص پر سخت عذاب ہوگا کہ وہ خداوند تعالےٰ کے ساتھ ہنسی اور ٹھٹھا کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان فضائل کا دارومدار محض قلب کی کیفیت پر ہے اور قلب کی کیفیت سوائے خداوند تعالےٰ کے کوئی جانتا نہیں۔

ہزاروں آدمی نادانی سے کیکو اولیاء اللہ کیکو قطب کیکو ابدال اور کیکو معصوم قرار دیتے ہیں اور اپنی تخیل کے صدقہ میں اُسکی پرستش کرنے لگتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس کوئی آسمانی شہادت ان پیروں کی ولایت کی نہیں آگئی۔ جسے چاہا جو کچھ سمجھ لیا اور جسے چاہا جو کچھ بنا دیا کسی کے بنانے اور کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اور نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مثلاً ایک جماعت نے ایک یا کئی اشخاص کو معصوم قرار دیدیا حالانکہ اُس کی عصمت کا مشاہدہ اُنھوں نے کبھی اپنی آنکھ سے نہیں کیا۔ اس کے ہمصحبتوں کے بیانات اسقدر رکیک اور لغو ہیں کہ عقل باور نہیں کرتی کہ یہ لغویات اور خرافات ایک انسان کی ذات سے کیونکر چھپاں ہو سکتی ہیں۔ غرض معصوم کے حالات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے معصوم کی نسبت کوئی ایسی عینی شہادت جس سے اُس کے باطنی حالات اور ظاہری اخلاق صاف طور پر بے شک و شبہ معلوم ہو جائیں ایک بھی نہیں۔ غرض یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ میں ہے جسے جو کچھ چاہے بنا دیں مگر ان لوگوں کو یہ حق نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کو بھی مجبور کریں کہ تم بھی ہمارے

پیر مغاں یا معبود برحق کو ایسا ہی مانو۔

اب رہی یہ بات کہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت ہی یہ بھی ہمارا مفروضہ اور ذاتی تخیل ہی۔ یہ تو خداوند تعالیٰ ہی جانتا ہی کہ کس کو کس پر فضیلت ہے علمار کی ایک جماعت کا بھی مذہب ہے کہ وہ ایک انسان کو دوسرے انسان پر اپنی طرف سے فضیلت نہیں دیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قلوب کی کیفیت پر جب انسانی فضیلت کا مدار ہے اور اس کیفیت کو سوائے خداوند تعالےٰ کے کوئی جانتا نہیں پھر انھیں بطور خود ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کا کیا حق حاصل ہے۔ اب رہی صدیق اکبر۔ فاروق اعظم اور عثمان غنی کی علی پر فضیلت یہ آسمانی تمسک سے ثابت ہو چکی ہے۔ اسکا یہاں کچھ ذکر نہیں۔ ہم اس کے علاوہ اوروں کی فضیلت پر بحث کرتے ہیں جنھیں خوش اعتقادوں نے معصومیت کا تمغہ بطور خود مرحمت کر دیا ہے۔ ہمیں ان خیالی معبودوں کی مطلق پروا نہیں ہے نہ ہماری نظروں میں اُن کی کوئی وقعت ہے۔

کون نہیں جانتا کہ خوارج کا کیا مذہب ہے اور اُن کے مسلمات کی اُن کے پاس ایسی مضبوط دلائل ہیں کہ شیعوں کی دلیلیں ان کے آگے کمزور ہی نہیں ہیں بلکہ بے حقیقت محض ہیں تمام خوارج کا اسپر اتفاق ہے کہ عثمان اور علی مسلمان نہیں تھے وہ بڑے شد و مد سے بدلائل ساطعہ علی کو کافر کہتے ہیں حالانکہ ہم اس میں اُن کے موئید نہیں ہیں۔

ہمارا مطلب اس لکھنے سے یہ ہے کہ جب خلفائے راشدین کے بارے میں یہ اختلاف اور یہ کٹا چھنی ہے تو پھر دوسروں کا کیا ذکر۔ معصوم ہوں یا غیر معصوم۔ غائب ہوں یا حاضر ان ٹٹ پونجیوں کو پوچھتا کون ہے۔

حضرت علی کی ذریات یا ائمہ اثنیٰ عشر

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ ہم بارہ اماموں کی امامت کو بہت سے طریقوں سے ثابت کر سکتے ہیں منجملہ اُن کے ایک طریقہ نص ہے اور اس نص کو تمام مشرقی اور مغربی شہروں کے شیعوں نے متواتر نقل کیا ہے یعنی اس طرح پر کہ خلف نے سلف سے اور سلف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے حسین کی نسبت فرمایا تھا کہ یہ امام کا بیٹا امام کا بھائی اور نو اماموں کا باپ ہے۔ ان کا نواں امام قایم ہو اُس کا نام میرے نام پر ہے اُس کی کنیت میری کنیت ہے۔

وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے ایسی بھر دیگا جیسی وہ پہلے ظلم و ستم و زیادتیوں سے بھری ہوئی ہو گی۔

پہلا جواب

شیعی علماء بھی جو کچھ ان کے جی میں آتا ہے اناپ شناپ لکھ مارتے ہیں اور آگے پیچھے کی مطلق خبر نہیں رکھتے۔ اصل یہ ہے کہ یہ شیعوں پر نرا اتہام ہے۔ شیعی فرقوں میں سے سوائے چند فرقوں کے کسی نے اسے نقل نہیں کیا بلکہ قریب قریب شیعوں کے کل فرقوں نے اسکی تکذیب کی ہے۔ زیدیہ تو سب کے سب ہی اسے جھوٹ کہتے ہیں علی ہذا القیاس اسماعیلیہ بھی سب کے سب اس کے غلط اور محض غلط ہونے کی شہادت دیتے ہیں غرض اثنی عشریہ کے علاوہ سارے فرقے اسکی تکذیب کرتے ہیں۔ شیعوں کے کل فرقوں کی تعداد ستر کے قریب ہی جب سب کے سب اسکی تکذیب کر رہے ہیں۔ پھر بھلا ایک اثنی عشریہ کی کیا سند ہے۔ جب یہ بات ہے تو شیعوں میں تواتر کس طرح ہو سکتا ہے۔

دوسرا جواب

یہ اس نص کے بالکل معارض ہی جو اثنی عشریہ کے سوا اور شیعوں نے نقل کی ہی وہ اُن لوگوں کی امامت کے بھی قائل ہیں جنھیں اثنی عشریہ امام نہیں مانتے اور وہ ایسی روایتوں کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں جنھیں اثنی عشریہ نہیں مانتے مطلب یہ کہ ان کی نص سے اثنی عشریہ کی نص بالکل علیحدہ ہی۔

تیسرا جواب

شیعی متقدمین علماء میں کوئی ایسا نہیں ہی جس نے اس نص کو نقل کیا ہو اور نہ کسی نے اُسے کسی کتاب میں ذکر کیا نہ کبھی کسی مناظرہ اور مباحثہ میں اُس سے حجت کی۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ ایجاد بندہ میں داخل ہی اور متاخرین کی مہربانی ہے کہ انھوں نے یہ ایجاد کرلی۔ یہ ایجاد غالباً اُس زمانہ کی معلوم ہوتی ہی کہ جب حسن بن علی العسکری کا انتقال ہوا ہے۔ کیونکہ رافضیوں کا خیال ہی کہ اس حسن کا بیٹا محمد غائب ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے دو سو پچاس برس کے بعد یہ نص گھڑی گئی اور بس۔

چوتھا جواب

یہ سب جانتے ہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ مسلمانوں کے علمار شیعوں سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ یہ سب کے سب ایسے یقین کے ساتھ جس میں مطلق شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حضور انور پر بڑا بہتان ہی۔ بلکہ وہ فریق مقابل سے اسپر مباہلہ کرنے کو تیار ہیں اگر علمائے شیعہ یہ دعوے کریں کہ ہم اس کے تواتر کو اچھی طرح جانتے ہیں تو انکا یہ دعوے مسلمان علمار کے اِس کے جھوٹ ہونے کے دعوے سے ہرگز بڑھا ہوا نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے دعوے کے شاہدوں سے مسلمانوں کے دعوے کے شاہد کہیں زیادہ ہیں۔

پانچواں جواب

منجملہ تواتر کی اور شرطوں کے ایک ضروری شرط یہ ہی کہ اُسے ہر زمانہ میں اسقدر آدمیوں نے نقل کیا ہو کہ اُس کے حق ہونیکا ہر زمانہ میں یقین ہوتا رہا ہو۔ حالانکہ حسن بن علی العسکری کے مرنے سے پہلے اس منتظر کی امامت کا کوئی قایل نہ تھا نہ حضرت علی کے زمانہ میں اُسے کوئی جانتا تھا نہ بنی امیہ کی حکومت میں کوئی اُس سے یا اثنی عشر سے واقف تھا بلکہ وہ مدعی جنھوں نے علی پر یا اور لوگوں پر نص ہونے کا دعوی کیا ہی وہ بھی اِس منتظر کے بعد ہوئے ہیں لیکن اثنی عشر اور اس قائم پر نص کا دعوے کرنا ایسا ہی کہ متقدمین میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں ہی چہ جائے کہ متقدمین سے اسکی نقل متواتر ہو۔

چھٹا جواب

صحابہ میں کبھی کوئی رافضی نہیں ہوا اور اگر کوئی یہ دعوے کرے کہ ان میں بھی چند آدمی رافضی تھے تو یہ اُن پر یقینًا بہتان اور جھوٹ ہے اور اگر بفرض محال اُسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اِن سے تواتر ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ تھوڑے سے آدمی جو کسی مذہب پر متفق ہو جائیں تو اُن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ممکن ہی۔ اب رہے رافضی یہ تو صاف کہتے ہیں کہ جمہور صحابہ جھوٹے تھے پھر اس نقل کے ناقلین پر باوجود انگلیوں پر اُنکا شمار ہونے کے کیونکر اُنھیں جھوٹا نہ سمجھیں گے۔ یہ بھی اِس صورت میں ہی کہ کسی نے اُسے نقل کیا ہو۔ مگر جس صورت میں کہ صحابہ میں ایسا کوئی ہوا ہی نہیں جس سے یہ نقل متواتر ہو تو پھر اُس کا تواتر سرے ہی سے جاتا رہے گا۔

ساتواں جواب

خود رافضی کہتے ہیں کہ چند آدمیوں کے مقابلہ میں ایک نص کا انکار کر دینے کے باعث تمام صحابہ اسلام

سے مرتد ہو گئے تھے اور وہ چند آدمی دس ہیں یا اس سے کچھ کم زیادہ یعنی عمار۔ سلمان۔ ابوذر اور مقداد وغیرہ۔ اچھا یہ امر بھی مسلم ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے بھی اسے نقل نہیں کیا اور صحابہ کے جم غفیر تک اتنی بڑی بات نہیں پہنچائی جس سے لاکھوں صحابہ مرتد ہونے سے بچ جاتے۔ یہ ابوذر وغیرہ وہ لوگ ہیں جنکا رافضیوں کے نزدیک علی کے موالات وغیرہ پر اجماع اور اتفاق تھا اور اسوقت اس چھوٹی سی جماعت سے جس کا اس کے نقل کرنے پر اتفاق ہونا ممکن ہو تواتر ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اُن کا جھوٹ پر اجماع ہو گیا ہو اور جب رافضی علانیہ یہ کہتے ہیں کہ سوائے چند کے کُل صحابہ مرتد ہو گئے تھے اور ان پر اس بات کے چھپانے کا الزام لگاتے ہیں جو عادۃً کسی طرح نہیں چھپ سکتی تو پھر اس چھوٹی سی جماعت کا جان بوجھکر جھوٹ بولنا کیا مشکل ہی بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ بدرجہ اولیٰ ممکن ہے۔ اسکے علاوہ جب رافضی تمام صحابہ کے جھوٹے ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔ پھر باوجود اس کے کہ ان کے ناقلین بھی ٹھیک نہوں گے۔ انکی تصدیق کوئی کیونکر کر سکتا ہی اور ساتھ ہی عقلاء اور علماء نقل یہ خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے فرقوں میں جان بوجھ کے جھوٹ بولنے والا اور حق کی تکذیب کرنے والا کونسا فرقہ ہے۔ بخلاف اور فرقوں مثلاً خوارج وغیرہ کے اگرچہ وہ اور امور میں بیشک بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن جان بوجھ کے جھوٹ نہیں بولتے بلکہ سچ ہی کہتے ہیں اسیطرح معتزلہ بھی سچ بولنے میں برابر دیانت داری برتتے ہیں اختلاف رائے اور کسی بات کو غلط سمجھنا یا کسی غلط تاویل کی وجہ سے دھوکا کھانا یہ اور بات ہی مگر دیدہ و دانستہ یہ سمجھکر کہ ہم اس معاملہ میں جھوٹ بول رہے ہیں مسلمانوں کا ہر فرقہ اس سے بری ہے سوائے ایک کے جو جھوٹ بولنے میں اپنی نظیر دنیا میں نہیں رکھتا۔

آٹھواں جواب

اہل علم سب جانتے ہیں کہ ان امامیہ شیعوں کا ظہور جو اس نص کے مدعی ہیں خلفائے راشدین کے آخر زمانے میں ہوا ہے اس مذہب کا موجد عبداللہ بن سبا ہے اس زمانے سے پہلے ان لوگوں کا کہیں وجود نہ تھا تو پھر ان میں تواتر کس طرح ہو سکتا ہے۔

نواں جواب

وہ حدیثیں جو ابوبکر۔ عمر اور عثمان کے فضائل میں صحابہ نے نقل کی ہیں تواتر میں عام و خاص سب کے

نزدیک اس نص کے نقل کرنے سے بدرجہا بڑھ کے ہیں اب اگر جمہور صحابہ کے ان فضائل کو نقل کرنے میں قدح کرنی جائز ہے تو پھر اس نص میں قدح کرنا بدرجۂ اولیٰ ہوگی اور اگر اسمیں قدح کرنی مشکل سمجھی جائے تو پھر ان حدیثوں میں قدح کرنی اور بھی مشکل ہوگی جب صحابہ کے یہ فضایل جن پر نصوص کثیرہ متواترہ دلالت کرتی ہیں تسلیم بھی کر لیے گئے اور ثابت بھی ہو گئے تو پھر یہ بات ماننی لازم آجائیگی کہ جب اس نص پر ان صحابہ کا اتفاق نہیں ہے تو اس نص کی وقعت چانڈو خانہ کی گپ سے زیادہ نہیں رہیگی۔

دسواں جواب

امامیہ میں سے اس نص کو کسی نے متصل اسناد کے ساتھ نقل نہیں کیا چہ جائیکہ نقل میں تواتر ہوتا تواتر کے الفاظ مکرر رمکرر بیان ہونے کے محتاج ہوتے ہیں کیونکہ تواتر اسی کو کہتے ہیں جو ہر زمانے میں جماعت کثیرہ سے برابر نقل ہوتا ہوا چلا آئے اب اگر اس نص کے ناقلین نے اس کی درس و تدریس نہیں کی تو یہ انکو یاد کیونکر رہ سکتی ہے اسکے علاوہ وہ بہت سے راوی ایسے کونسے ہیں جنہوں نے اُسے قرآن مجید کے الفاظ کی طرح حفظ یاد کیا ہو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب ہم صحابہ کے فضائل میں تواتر کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو یہ دعویٰ کبھی تو معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے کبھی الفاظ کے اعتبار سے جیسا خلفائے اربعہ کی خلافت کا تواتر یا حضور انور کا عائشہ صدیقہ سے نکاح ہونا یا فاطمہ زہرا کا علی سے نکاح ہونا وغیرہ وغیرہ اس تواتر میں معین الفاظ کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی جن میں درس تدریس کی حاجت ہو اب وہ تواتر جو الفاظ کے نقل کرنے میں ہوتا ہے اُنھیں لوگ ازبر کرتے ہیں اور ایسا ازبر کرتے ہیں کہ ہزاروں آدمیوں میں ایک چھوٹے سے معمولی الفاظ کا بھی اختلاف نہیں ہوتا پھر ان الفاظ کے حق ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

گیارھواں جواب

اہل بیت سے جو متواتر منقول ہے وہ اس نقل کی تکذیب کرتا ہے اہل بیت نے کبھی اس کا دعوےٰ نہیں کیا کہ یہ امام منتظر منصوص علیہ ہے بلکہ جو کوئی یہ بات کہتا تھا وہ اسکی تکذیب کرتے تھے چہ جائیکہ وہ اثنیٰ عشر پر نص کو ثابت کرتے۔

بارھواں جواب

اثنیٰ عشر کے بارے میں جو کچھ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے جو صحیحین

میں جابر بن سمرہ سے نقل ہے وہ کہتے ہیں میں اپنے والد کے ساتھ حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اسوقت آپ یہ فرما رہے تھے کہ مسلمانوں کے بارہ حاکموں کے زمانے تک اُنکا یہ کام یعنی اسلام کا دور دورہ اسی طرح رہیگا پھر آپ نے آہستہ سے فرمایا جسے میں سُن نہ سکا مگر اپنے والد سے پوچھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ آپنے یہ فرمایا تھا کہ یہ سب حاکم قریشی ہونگے - ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بارہ خلفار کے زمانے تک اسلامی سلطنت عزت کے ساتھ رہیگی- لہذا یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس نص سے شیعوں کے اثنیٰ عشر ائمہ مراد لینا ہرگز جایز نہیں ہیں اور یہ معنی اِس نص کے بن ہی نہیں سکتے کیونکہ حضور نے یہ فرمایا تھا کہ اسلام ہمیشہ عزت کے ساتھ رہیگا جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلام کا دور دورہ خوب ہوگا اور جب ان بارہ خلفار کی حکومت جاتی رہیگی یہ دورہ بھی ختم ہو جائیگا مگر اثنیٰ عشریہ کے نزدیک ان بارہ خلفار میں سے کسی کے زمانے میں بھی امت کا دور ٹھیک نہیں رہا اسکے مقابلہ میں ہر ایک کے زمانہ میں فتنہ وفساد برپا رہا سلطنت ظالم سرکشوں منافق اور کافروں کی رہی اور اہل حق یہودیوں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار رہے - اسکے علاوہ شیعوں کے نزدیک اس منتظر امام کی حکومت ہمیشہ تک رہیگی اس لحاظ سے ایسا کوئی زمانہ نہیں رہا جو اثنیٰ عشر ائمہ سے خالی ہو جب یہ صورت ہوئی تو پھر زمانہ کی دو قسمیں نہیں رہیں یعنی ایک قسم تو وہ جسمیں امت کا دور دورہ ہو اور ایک وہ جسمیں دور دورہ نہ ہو پھر حدیث کا یہ حصہ جسمیں آیا ہے کہ یہ سب قریش ہونگے اگر وہ امام علی یا آپکی اولاد کے ساتھ مخصوص ہوتے تو اُسے معلوم کرانے کے لئے حضور انور کچھ نہ کچھ ضرور فرماتے - حضور نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ یہ خلفار اولادِ اسمٰعیل سے ہوں آپکا مقصود صرف وہ خاندان بتا دینا تھا جس سے وہ ممتاز ہو جائیں اب اگر وہ بنی ہاشم یا علی کے خاندان سے ہونے میں بھی ممتاز ہوتے اور یہی اُنکی پہچان ہوتی کہ وہ اسی خاندان سے ہونگے تو حضور انور اُسے ضرور ہی بیان فرما دیتے آپ نے صرف قریش کا لفظ فرمایا مگر یہ تخصیص نہیں کی کہ وہ علی کے خاندان سے ہونگے یا کسی اور خاندان سے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ وہ کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ بات عام ہے کہ خواہ وہ بنی تیم سے ہوں یا بنی عدی سے یا بنی عبد شمس سے یا بنی ہاشم سے ہوں کیونکہ خلفار راشدین انھیں قبیلوں اور خاندانوں سے ہوئے ہیں -

اب رہی وہ حدیث جو ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور نے یہ فرمایا ہی "یخرج فی اٰخر الزمان رجل من ولدی اسمہ کاسمی وکنیتہ کنیتی یملأ الارض عدلا کما ملئت جوراً وذلک هو المهدی" یعنی آخر زمانے میں ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا جسکا نام میرے نام پر ہوگا اور جسکی کنیت میری کنیت ہوگی وغیرہ۔ اسکا جواب یہ ہی کہ وہ حدیثیں جنسے مہدی کے ظاہر ہونے پر حجت لائی جاتی اور دلیل پیش کیجاتی ہی وہ سب اگرچہ صحیح ہیں مگر ان میں اسلام کے مختلف فرقوں کو سخت غلط فہمی پیدا ہوگئی ہی ایک فریق نے تو بالکل ان حدیثوں سے انکار کردیا اور ثبوت میں یہ حدیث پیش کی ہی کہ "لا مهدی الا عیسٰی بن مریم" یعنی کوئی مہدی نہیں ہی مگر عیسٰی بن مریم۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ عیسٰی بن مریم ہی مہدی ہی۔ ابو محمد بن ولید بغدادی اسے معتبر لکھتے ہیں مگر اور ائمہ حدیث اِسے ضعیف قرار دیتے ہیں ایک روایت حضرت علی سے بھی ہے آپ نے اپنے بڑے بیٹے حسن کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے جیسا کہ رسول اللہ نے اِسکا نام رکھا ہے اِسکی اولاد میں ایک ایسا شخص ہوگا جسکا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا خلق میں تو آپکے مشابہ ہوگا مگر خلقت میں مشابہ نہ ہوگا وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا ہم بجائے خود ان حدیثوں کو جنمیں مہدی کے آنے کا ذکر ہے یقین نہیں کرتے اسلیئے کہ مشاہدے کے مقابلہ میں ظن بالکل بے حقیقت چیز ہے قرآن مجید میں کہیں بھی اِس کا اشارہ نہیں ہے کہ کوئی مہدی پیدا ہوگا یا عیسٰی دوبارہ آئینگے ہمارے لیئے تو قرآن بس ہی یہی ہمارا بہت بڑا مہدی ہے ہمیں کسی مہدی کی ضرورت نہیں ہے نہ ہمیں کسی امام منتظر کا انتظار ہے۔ یہی ہمارا امام ہی یہی ہمارا پیشوا ہے۔ یہی ہمارا ہادی ہے صرف ہماری دعا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مسلمانونکو قرآن کے سمجھنے کی فہم عطا کرے اِسی عظیم الشان کتاب نے کروڑہا بندگانِ خدا کو کلمۂ توحید پر قایم کر رکھا ہی ہماری اصلی زندگی ہماری روحانی معراج ہماری ترقی ہماری عظمت صرف یہی کتاب ہی اِسی کتاب سے ہم زندہ ہیں اور دعا مانگتے ہیں کہ اِسی کتاب پر ہمارا خاتمہ ہو کس کا مہدی اور کیسا امام منتظر اور کس کے عیسٰی بن مریم ہمیں اس کتاب کے ہوتے کسی کی ضرورت نہیں خود قرآن اس بات کی شہادت دیتا ہی کہ یہی کتاب کافی ہی اسی میں ہدایت ہے اور اسی میں زندگی ہے۔

اب ہم اثنی عشریہ کے مقابلہ میں تھوڑی دیر کے لیئے یہ تسلیم کرلیں کہ کوئی مہدی ہوگا تو انکا یہ قول کہ وہ مہدی یہی ہی جسکے ہم مدعی ہیں محض غلط ہے کیونکہ انکے مہدی کا نام محمد بن حسن ہے

اور روایت میں یوں ہے کہ محمد نام اور ابوالقاسم کنیت ہوگی باپ کا نام عبداللہ ہوگا۔ تو اس طرح سے اثنی عشریہ کا مہدی یہ مہدی کیونکر ہوسکتا ہے اس مشکل پیش آنے پر امامیہ کے ایک فرقے نے باپ کے لفظ کو اڑا دیا تاکہ پھر کسی قسم کا جھگڑا نہ رہے پھر امامیہ کے دوسرے فرقے نے اسمیں تحریف کردی اور یہ کہا کہ ہمارے مہدی کے دادا حسین ہیں انکی کنیت ابوعبداللہ ہے تو مہدی والی حدیث سے مراد محمد بن ابوعبداللہ ہیں اس فرقے نے کنیت کو نام بنا دیا ہی یہ تحریف ابن طلحہ کی کی ہوئی ہی۔ جو اُسنے اپنی کتاب مسمیٰ غایۃ السول فی مناقب الرسول میں درج کی ہی جو شخص کچھ بھی جانتا ہی اور اُسے کچھ بھی علمی لیاقت ہے تو معلوم کرسکتا ہے کہ یہ صریح تحریف اور حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک خطرناک بہتان ہے حضور کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ میرے نام پر اُسکا نام ہوگا میرے باپ کے نام پر اُسکے باپ کا نام ہوگا کیا اسکے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ اُسکے دادا کی کنیت ابوعبداللہ ہوگی بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ اُسکا نام محمد اور اُسکے باپ کا نام عبداللہ ہے۔

اِسکے علاوہ اس سے امتیاز ہی کیا ہوسکتا ہے کیونکہ حسین کی اولاد میں تو کئی آدمیوں کا نام محمد ہی اور محمد نام کے کل آدمیوں کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر شخص اپنے دادا۔ کے اعتبار سے محمد بن ابوعبداللہ ہے جیسا کہ ایک خاص شخص کی بابت کہا جاتا ہی پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس مہدی کی یہ تعریف کی گئی ہے وہ حسن بن علی کی اولاد سے ہوگا نہ کہ حسین بن علی کی جیسا کہ خود حضرت علی نے فرمایا۔

امام معصوم

شیعی علما فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایک معصوم امام ہونا ضروری ہی اور اُنکے سوا بالاجماع کوئی معصوم نہیں ہی۔

جواب

اوّل تو یہ مقدمہ ہی غلط ہی اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ معصوم کا ہونا ضروری ہی تو انکا یہ کہنا کہ ان امام جی کے سوا بالاجماع کوئی معصوم نہیں بالکل غلط اور ممنوع ہے اس قسم کے اعتقادات کچھ شیعوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ بہت لوگ اپنے عابدوں اور صوفیوں اور مشایخ وغیرہ پر یہی اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ بعض تو معصوم سے بھی زیادہ انھیں رتبہ دیتے ہیں جیسا کہ شیعوں کا ایک فرقہ اسماعیلیہ ہی جو اپنے ائمہ کو معصوم مانتا ہے حالانکہ اُنکے ائمہ اثنی عشر سے بالکل غیر ہیں علیٰ ہذا القیاس اکثر بنی اُمیہ کا یہ اعتقاد ہی کہ نہ ائمہ پر حساب ہے نہ عذاب ہی اور نہ اللہ تعالےٰ ایسے امر پر لوگوں سے مواخذہ کریگا جسمیں

اُنھوں نے امام کی اطاعت کی ہوگی بلکہ ہر امر میں ان پر امام ہی کی اطاعت واجب ہی اور اللہ نے ان ہی کی اطاعت کرنیکا لوگوں کو حکم دیا ہے اور یہ بات سب جانتے ہیں۔

شیعی علمار اگر یہ اعتراض کریں کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جسنے ابوبکر۔عمر۔عثمان کے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا ہو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر انہیں سے کسی نے علی کے معصوم ہونے کا بھی دعوے نہیں کیا تو پھر یہ اعتراض ہی غلط ہو جائے گا اور شیعی علمار کا یہ کہنا ہی بیکار جائیگا اور اگر صحابہ میں کوئی ایسا تھا جو علی کی عصمت کا دعوے کرتا ہو۔ تو کیا عجب ہے کہ صحابہ میں سے کوئی خلفار ثلاثہ کی عصمت کا مدعی ہو بلکہ ان صحابہ کی عصمت کا دعوے کرنا تو اولے ہے کیونکہ یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جمہور صحابہ ابوبکر و عمر کے افضل ہونے کے قائل تھے بلکہ خود علی بھی ان دونوں کو اپنے سے افضل کہا کرتے تھے جیسا کہ اُنسے متواتر مروی ہی اس صورت میں لوگوں کا ان دونوں کی عصمت کا دعوے کرنا علی کی عصمت کا دعوے کرنے سے بدرجہا اولے ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ کہیں اُنسے یہ منقول نہیں ہے تو اُسکا یہ جواب ہے کہ یہ بھی منقول نہیں ہی کہ صحابہ میں سے ایک شخص بھی علی کی عصمت کا قایل تھا ہم کسی کی عصمت ثابت نہیں کرتے نہ علی کی نہ تین صحابہ کی ہاں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص خلفار ثلاثہ کی عصمت منقول ہونے کا تو انکار کرے اور اسکا مدعی ہو کہ علی وغیرہ کے معصوم ہونے کے صحابہ قائل تھے یہ فرق ہونا ہرگز ممکن نہیں اور نہ صحابہ میں سے کسی نے یہ فرق نقل کیا اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا جسنے علی کی یا اثنی عشر میں سے کسی کی عصمت کا دعوے کیا ہو لہذا اس سے خلفار ثلاثہ کی عصمت کا انکار کرنیکی حجّت بالکل باطل ہوگئی۔

شیعی علمار کا وہ معصوم جسکے کسی خاص زمانہ میں ہونے کا یہ لوگ دعوے کرتے ہیں اُنکے خیال میں یہ معصوم پیدا ہونے کے بعد ۲۶۰ھ ہجری میں سرداب چلا گیا اور اب تک یہ مظلوم معصوم بیچارہ وہیں موجود ہے جسوقت یہ سرداب پہنچا ہے اُسکی عمر پانچ برس کی یا اس سے کچھ کم تھی۔ اب وہ ایک ضعیف سفید ریش پلکیں اور بھویں سفید سر سفید۔ پوست استخوان کے سوا کچھ نہیں سلیمانؑ کی طرح جبکہ مرنے کے بعد انھیں عصا سے لگا کے کھڑا کر دیا گیا تھا کسی پہاڑ کی کھو میں بیٹھا ہوا دنیا کے اختتام کا راستہ دیکھ رہا ہی نہ وہ ہل جُل سکتا ہی نہ اُسکی بصارت باقی ہی نہ وہ بات کر سکتا ہی نہ کسی کی بات سن سکتا ہی ایک ہیولہ ہی جو محض بیکار ہے اسکی اس بےبسی کی موجودگی سے کسیکو کیا ہدایت ہو سکتی ہی۔ کئی سو برس کا آدمی بتایئے

کس مد میں کھپائے کے قابل ہے۔ جب وہ خود ایک عضو معطل سے بھی بدتر ہے تو اسپر ایمان لانے والے بھی کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور دین و دنیا کا اُنھیں کیا لطف آسکتا ہے ایسے معصوم کو ہمارا اسلام ہی اس معصوم پر ایمان لانے کا دعویٰ اس دعوے سے بھی زیادہ فاسد ہے جو اکثر لوگ قطب اور غوث وغیرہ ناموں کا کرتے ہیں اور اُنکے مسمیٰ کی اسقدر تعظیم کرتے ہیں کہ اُنھیں نبوت کے رتبے سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں حالانکہ ایسے کسی شخص کو معین نہیں کرتے جو ان ناموں کے مسمیٰ میں ذکر کیا جاتا ہے محض بیکار جنسے کچھ بھی نفع نہیں اُٹھایا جا سکتا ایسے ہی وہ لوگ ہیں جو حیات خضر کے مدعی ہیں خضر ایک فرضی نام اپنی طرف سے گھڑ لیا اور خود ہی اُسے قیامت تک کی زندگی بخشدی بھلا اس دعوے سے اُنھیں کس قسم کا نفع ہو سکتا ہے نہ دنیا کا نہ دین کا کیسا خضر اور کس کا خضر یاروں کی اسٹل امام غائب کی دل لگی کی باتیں ہیں اور کچھ بھی نہیں محض لوگوں نے اپنا دعوے منانے کے لیئے یہاں تک اڑا دیا کہ فلاں آدمی کی صورت جنگل میں مجھے ایک شخص ملا تھا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ خضر ہے محض غلط بالکل غلط اور سرتاپا جھوٹ ہے ایسے ہی وہ لوگ ہیں جو رجال غیب کے قائل اور انکا دیکھنا بیان کرتے ہیں صرف اُنکے خیال کی قوت اُنکے سامنے بعض اوقات عجیب وغریب صورتیں لاکے کھڑا کر دیتی ہے اور یہ لوگ اپنی بیوقوفی سے اُسے رجالِ غیب سمجھتے ہیں خیال کرنیکی بات ہے جس شخص یا جماعت نے اپنے دین کو ایسے مجہولات پر معلق کر دیا جسکے مرنیکی خبر ہے نہ جینے کی نہ ملسکے بیکار رہنے کی خبر ہے نہ کام کرنے کی نہ اسکی ہدایت کی خبر ہے نہ غیر ہدایت کی تو یقیناً وہ شخص دین میں گمراہ ہے کیونکہ اُسنے جس چیز پر اپنے دین کو معلق کیا ہے تو جب یہ اُسکی صحت سے بالکل ناواقف ہوا تو پھر اس سے زیادہ جاہل اور کون ہو سکتا ہے۔

خضر کی حیات کا عقیدہ رکھنے والوں اور شیعوں میں بعد المشرقین ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خضر زندہ ہے وہ یہ کبھی نہیں کہتے کہ خضر کی اطاعت لوگوں پر واجب ہے برخلاف شیعوں کے کہ یہ لوگ باوجود اپنے امام کی عدم موجودگی کے اُسکی اطاعت واجب کرتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ائمہ اثنی عشر اور اُنکے فضائل

شیعی علماء کہتے ہیں کہ ائمہ اثنی عشر کے بہت سے فضائل ایسے ہیں جو اُن میں سے ہر ایک کے امام ہونے کو واجب کرتے ہیں۔

پہلا جواب

اِن فضائل کی غایت یہ ہے کہ انکا رکھنے والا امامت کے لائق اور اُسکا اہل ہوتا ہے لیکن محض اہل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امام ہی ہوجائے جیسا کوئی شخص قاضی ہونے کے لائق ہو تو محض اُسکے لائق ہونے سے وہ قاضی نہیں ہوجاتا۔

دوسرا جواب

امامت کی اہلیت تو جیسی انمیں ہے ایسی ہی قریش کے بہت سے آدمیوں میں ہو اور وہ امام بننے کے لائق بھی ہیں پھر اس تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ یہ تو امام ہوجائیں اور وہ امام نہ ہوں۔

تیسرا جواب

ان میں سے بارھواں امام جمہور علماء کے نزدیک معدوم ہے لہذا اُسکا امام ہونا ممتنع ہے۔

علی رضؓ سے پہلا امام

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جسے علی سے پہلے امام کیا گیا وہ امام نہیں ہوا۔

جواب

معلوم نہیں اس سے شیعوں کی کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ علی سے پہلے اماموں نے مسلمانوں پر حکومت نہیں کی اور مسلمان اُنسے بیعت نہیں ہوئے یا انکا اسقدر رعب نہ تھا کہ وہ حدود کو قائم کرتے اور ایک سے دوسرے کے حقوق دلواتے دشمن سے جہاد کرتے جمعوں اور عیدوں وغیرہ کی مسلمانوں کو نمازیں پڑھاتے تو شیعی علماء کا یہ بڑا بہتان ہے اور بالکل مکابرہ ہے کیونکہ یہ تو اتر سے معلوم ہے اور اسے سب جانتے ہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہو کہ یہ امامت کے لائق نہ تھے اور علی امامت کے لائق تھے یا یہ کہ علی اُنسے زیادہ لایق تھے تو یہ صریح جھوٹ ہے اور یہی مورد نزاع ہے پہلے ہم عام طور پر اسکا جواب دیتے ہیں اور پھر تفصیلی جواب دینگے عام جواب یہ ہے کہ ان خلفاء ثلاثہ کے امام ہونے اور امامت کے لایق ہونے کو ہم قطعی اور یقینی طور پر جانتے ہیں اور اسلامی فرقوں میں سے سوائے رافضیوں کے اسمیں کبھی دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ جمہور امت اور ائمۂ اُمت اس بات کے قائل ہیں کہ خلفاء ثلاثہ امامت کے سب سے زیادہ حقدار تھے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ افضل الامت تھے اور اسکا ہمیں ایسا قطعی یقین ہے کہ نہ اسکے معارض قطعی کوئی دلیل ہوسکتی ہے اور

نہ ظنی قطعی تو اسلئے کہ قطعیات کے موجب اور مقتضیٰ میں تناقض نہیں ہوا کرتا اور ظنی دلیل کے نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ظنی قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی خلاصہ کلام یہ ہے کہ معترض جو اعتراض پیش کرتا ہو وہ دو حال سے خالی نہیں ہو یا تو ایسی نقل ہوتی ہے جس کی صحت ہمیں معلوم نہیں ہوتی یا خلفاء ثلاثہ کی امامت کے بطلان کی دلیل پر ہمیں یقین نہیں ہوتا اور جب تک یہ دونوں مقدمے درست نہ ہوں ایسی چیز کا معارضہ نہیں ہو سکتا جو ہمیں قطعی طور سے معلوم ہو جب ایک قطعی اور یقینی دلیل اُنکی امامت کے ثبوت پر قائم ہوگئی تو اب ہم پر یہ واجب نہیں رہا کہ ہم اس بیکار محض شبہ کا جواب دیں کسی بات کی قطعی طور پر معلوم ہو جانے کے بعد اگر کسی فلسفی کا شبہ اُسکے معارض ہو تو اس شبہ کا جواب دینا ہمپر واجب نہیں ہو اور نہ کوئی وہم و گمان سے ایسی چیز کو دفع کر سکتا ہو جو یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہو اگر اس شبہ کے غلط ہونے کی کوئی وجہ اُسے معلوم ہوگی تو اس سے علم معرفت اور حق کی تائید میں زیادہ ترقی ہوگی اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو شک سے یقین دفع نہیں ہو سکتا خلفاء ثلاثہ کے امامت کے حقدار ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں جو انشاء اللہ عنقریب بیان ہونگی ہم اسے ثابت کر دینگے کہ یہ امامت کے اوروں سے زیادہ حقدار ہیں۔

شیعہ اور صدیق اکبر کا شیطان

شیعہ علماء فرماتے ہیں ائمہ اثنیٰ عشر کے مقابلہ میں خلفاء ثلاثہ کیونکر حقدار امامت ہو سکتے ہیں جبکہ خلیفہ اول ابوبکر نے صاف طور پر یہ کہا تھا کہ ایک شیطان ہو جو میرے سر رہتا ہو اگر میں راہ راست پر رہوں تو تم میری مدد کیا کرو اگر میں کجروی کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ امام کی شان رعیت کی تکمیل کرنی ہو لہٰذا وہ شخص کیونکر امام ہو سکتا ہو جو رعیت ہی سے کمال کا طالب اور اُسکا محتاج ہو۔

پہلا جواب

اِس شیطان والی روایت کا جواب ہم اپنی کتاب شہادت کے ابتدائی صفحات میں دے چکے ہیں مگر یہاں ہم اسپر مزید بحث کرتے ہیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہو جائے اور موقع بے موقع جو شیعہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس روایت کو پیش کر دیتے ہیں ان پر حقیقت کا انکشاف ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ حق کیا ہو اور صدیق اکبر کا یہ فرمانا کیا معنی رکھتا ہو اور کسقدر صحیح ہو۔

صدیق اکبر سے جو کچھ منقول ہو وہ یہ ہو آپنے فرمایا تھا کہ میرے ساتھ ایک شیطان رہتا ہو یعنی غصہ

جسوقت مجھے غصہ آئے تم مجھ سے علیحدہ ہو جایا کرو۔ پھر فرمایا کہ تم میری اُس امر میں اطاعت کرو جسمیں میں اللہ کی اطاعت کروں اور جسوقت میں اللہ کی نافرمانی کروں تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔

دوسرا جواب

شیطان جسکا ذکر آپ نے اپنے قول میں کیا وہ اصل میں غصے کا نام ہے جو ہر اولاد آدم کو پیش آتا ہے اسوجہ سے صدیق اکبر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں غصے کی حالت میں کسی پر مجھ سے زیادتی نہو جائے اسلیئے آپنے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ غصے کی حالت میں مجھ سے علیحدہ رہا کرو جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا "لا یقضی القاضی بین اثنین وھو غضبان" یعنی قاضی کو چاہیئے کہ غصے کی حالت میں فریقین میں فیصلہ نہ کرے یہی صدیق اکبر کا مقصود تھا کہ آپ غصہ کے وقت حکم لگانا نہیں چاہتے تھے آپ نے لوگوں کو بھی یہی ہدایت کر دی تھی کہ ایسی حالت میں تم مجھ سے کسی حکم کے بھی خواستگار نہ ہوا کرو یہ ارادہ کرنا اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں داخل ہے۔

تیسرا جواب

غصہ تو اولاد آدم میں سب ہی کو آتا ہے یہاں تک کہ حضور انور نے یہ دعا کی تھی اللھم انما انا بشر اغضب کما یغضب البشر وانی اتخذت عندک عھدا لن تخلفنیہ ایما مؤمن اذیتہ وسببتہ او جلدتہ فاجعلھا لہ کفارۃ وقربۃ تقربہ بھا الیک یوم القیامۃ" یعنی خداوندا میں بشر ہوں جیسے اور ونکو غصہ آتا ہے مجھے بھی آتا ہے اور میں تجھ سے اسبات کا عہد لیتا ہوں تو اسکے کبھی خلاف نہ کریگا کہ جس مسلمان کو میں ستاؤں یا برا کہوں یا ماروں تو اُسکے حق میں اُسے کفارہ اور باعث قربت کر دیجو اسکے سبب سے قیامت کے دن وہ تیرا مقرب ہو جائے یہ حدیث صحیحین میں ابو ہریرہ سے نقل ہوئی ہے مسلم نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کچھ ایسی باتیں کیں کہ آپکو ناراض کر دیا حضور انور انپر کچھ خفا ہوئے جب وہ دونوں اُٹھ کے چلے گئے ہیں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان دونوں نے ایسی کیا خطا کی تھی کہ حضور ان پر ناراض ہوئے حضور نے ارشاد کیا تمھیں اس شرط کی خبر نہیں جو میں نے اپنے خالق سے کر لی ہے میں یہ دعا کر چکا ہوں خداوندا میں بھی مثل اور ونکے ایک آدمی ہوں اگر کسی مسلمان پر میں ناراض ہوں یا اُسے دھتکار دوں تو اُسے اسکے حق میں باعث اجر اور گناہوں کی زکوۃ کر دینا۔

انس کی روایت میں اسطرح ہی کہ میں نے اپنے اللہ سے ایک شرط کرلی ہی اور میں یہ کہہ چکا ہوں خداوندا میں بھی مثل اوروں کے ایک آدمی ہوں جیسے اوروں کو خوشی ہوتی ہی مجھے بھی ہوتی ہی اور جیسے انھیں غصہ آتا ہے مجھے بھی آتا ہے پس اگر میں اپنی اُمت کے کسی فرد کے حق میں ایسی دعا کروں جو اُسکے لایق نہ ہو تو اُسکے لیئے باعث قربت پاکیزگی اور زکوٰۃ کردینا۔

اب سُنئیے موسٰی کی کیفیت جنکا شمار اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہے اُنکے غصّے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے خیال کرنے کی بات یہ ہے کہ جب ایسے امور رسالت یعنی پیغمبری میں بھی کوئی خرابی پیدا نہیں کرتے تو پھر یہ امامت میں خرابی کیونکر پیدا کرسکیں گے سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سچے سچ اور فی الحقیقت صدیق اکبر نہایت نرم دل رقیق القلب اور بُردبار تھے خود حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی آپکو نرمی اور بردباری میں ابراہیم اور عیسےٰ سے تشبیہ دی ہی اسپر بھی آپکی انتہائے منصف شعاری کو دیکھا جائے کہ آپنے سب سے پہلے اس انسانی فطرت یعنی غصہ کو بیان فرمادیا کہ جو کبھی فریقین میں ٹھیک فیصلہ نہیں کرنے دیتا۔

چوتھا جواب

صدیق اکبر کا اس سے یہ مقصود تھا کہ مجھسے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اس سے بچنے کے لیئے آپنے یہ فرمایا تھا آپ انصاف سے دیکھئے کہ صدیق کامل ہیں یا وہ جنھوں نے اپنی مخالفت کرنے والوں سے قتال کیا ہزاروں مسلمانوں کے خون بہادیئے اب اگر کوئی اسکا جواب دے کہ امام کی نافرمانی کرنے اور اُسے ناراض کرنے کے باعث یہ لوگ قتال کے مستحق تھے تو اُسکے مقابلے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جسنے ابوبکر کی حکم عدولی کی اور اُنھیں ناراض کیا وہ ان لوگوں سے بھی زیادہ اسکا حقدار تھا لیکن صدیق اکبر نے اسپر کچھ توجہ نہیں کی خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر علی کو اسکا استحقاق تھا تو ابوبکر کو بدرجۂ اولی استحقاق تھا ورنہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جو شخص علی کا خلاف کرکے اُنھیں ناراض کردے اُس سے تو قتال کرنا جایز ہو اور جو شخص ابوبکر کا خلاف کرکے اُنھیں ناراض کردے تو اُس سے قتال جائز نہو اس سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ جو کچھ ابوبکر نے کیا تھا وہ اُس سے بدرجہا بڑھ کے تھا جو علی نے کیا تھا۔ مسند وغیرہ میں ابوبرزہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے ابوبکر کو اپنی کسی بات سے غصہ کردیا تھا میں نے اسی غصہ کی حالت میں آپسے دریافت کیا اے رسول اللہ کے خلیفہ اگر آپ

اجازت دیں تو میں اسکی گردن اُڑادوں میرے اتنا کہتے ہی آپکا غصہ فرو ہو گیا اور پھر نہایت دھیمے لہجے میں آپ نے فرمایا کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے حکم کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کا خون کرنا حلال سمجھے۔

ابو برزہ کی حدیث میں علماء کے دو قول ہیں بعض اسکے یہ معنی لیتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کو بُرا کہے یا گالیاں دے تو کسی کے لیئے بھی اُسکا قتل کرنا جائز نہیں ہو بعض اِس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ خونریزیوں کی بابت اپنے علم سے کوئی حکم لگانا سوائے رسول کے اور کسی کو جائز نہیں ہو۔

سعد بن عبادہ ایک عرصے تک ابو بکر سے بیعت نہیں ہوئے تھے لیکن ایسی حالت میں بھی صدیق اکبر نے اپنی زبان سے کوئی بات اُنھیں ایسی نہیں کہی جو ناگوار گزرتی چہ جائے کہ ان کی گردن اُڑانے کے لیئے اپنا ہاتھ بڑھایا جاتا۔

بعض کا یہ قول ہو کہ علی نے ابو بکر کے ہاتھ پر چھ مہینے تک بیعت نہیں کی مگر ابو بکر نے علی کی گردن مارنی تو کیسی اُنھیں دھمکی تک بھی نہیں دی اور نہ بیعت کے لیئے اُنھیں مجبور کیا یہ سب خصلتیں ابو بکر میں محض اسوجہ سے تھیں کہ آپ اُمت کی ایذارسانی سے بہت ہی پرہیز کرتے تھے۔

پانچواں جواب

صحیح میں ابن مسعود سے مروی ہو وہ حضور انور سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپنے اپنے سب صحابہ کو خطاب کرکے فرمایا تھا کہ تم میں ہر ایک کے ساتھ ایک جن ہمزاد ہو کے رہتا ہی صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپکے ساتھ بھی فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن میرے ہمزاد کو اللہ تعالے نے میرا معین کردیا ہی اسلیئے اب وہ مجھسے سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں کراتا۔

عائشہ صدیقہ سے مروی ہی آپ فرماتی ہیں میں نے پوچھا تھا یارسول اللہ کیا میرے ساتھ بھی شیطان رہتا ہی حضور نے جواب دیا ہاں میں نے عرض کیا ہر آدمی کے ساتھ فرمایا ہاں پھر میں نے عرض کیا حضور آپ کے ساتھ بھی فرمایا ہاں لیکن میرے ہمزاد کو اللہ نے موافق کردیا ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

موسیٰ کے قبطی کو مار ڈالنے کی بابت خداوند تعالے فرماتا ہی ھذا من عمل الشیطان انہ عدو مضل مبین ۔ اسیطرح انجیل میں صاف طور پر لکھا ہوا ہی کہ چالیس دن اور رات شیطان

حضرت مسیح کو اپنے ساتھ لیئے لیئے پھرا اور آزماتا رہا۔

جب شیطان کے دخل دینے نے ان انبیاء کی نبوت میں کوئی نقص پیدا نہیں کیا تو خلفاء کی امامت میں اس سے کیا نقص آسکتا ہے اب اگر کوئی مدعی یہ دعویٰ کرے کہ ان سب نصوص کی تاویل کی جاتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اوروں کو صدیق اکبر کے اس قول کی بھی تاویل کرنی جائز ہے کیونکہ صدیق کا ایماندار، عالم، متقی اور پرہیزگار ہونا بیشمار شہادتوں سے ثابت ہے بس جسوقت کوئی مجمل لفظ اُسکے معارض ہوگا تو اُس کی بھی تاویل کرنی ضروری ہوگی۔

پھر صدیق کا یہ فرمانا کہ اگر میں راہ راست پر رہوں تو تم میری مدد کرو اگر میں کسی بات میں لغزش کروں تو تم مجھے ٹھیک کرو آپکے اعلیٰ درجے کے انصاف اور انتہائے تقویٰ کی دلیل ہے اور اس بارے میں ابوبکر کا اقتدا کرنا ہر امام پر واجب ہے اور رعیت پر بھی کہ وہ اپنے سب اماموں اور حاکموں سے ایساہی معاملہ رکھے اگر امام راہ راست پر ہے تو اللہ کی طاعت اور اُسکے حکم کے مطابق یہ اُسکی اعانت کرے اور اگر اُس سے کچھ لغزش ہوگئی ہے تو اُسے حق بات سمجھا کے اُسے آگاہ کردے اگر وہ جان کے ظلم کرنا چاہتا ہے تو حتی الامکان اُسے روکے اور جب وہ حق کے موافق ہو تو ایسے امام کا ساتھ چھوڑنے میں رعیت کا کوئی عذر نہ چلے گا۔ اور اگر اسکا ظلم کسی صورت سے دفع نہیں ہوتا اور ظلم کو دفع کرنے کی حالت میں بہت بڑے فساد کا اندیشہ ہے تو ضرر ظلم کو دفع کرنا چاہیئے۔ اور اگر ایسی حالت میں کوئی ظلم کو دفع نہ کرے گا تو سخت گنہگار ٹھیرے گا۔

اسکے بعد شیعی علماء کا یہ کہنا کہ امام کی شان یہ ہے کہ رعیت کی تکمیل کرے نہ یہ کہ رعیت سے اور اپنی تکمیل کا طالب ہو۔ اسکے چند جواب ہیں ملاحظہ ہوں۔

پہلا جواب

ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ امام رعیت کی تکمیل کرتا ہے نہ رعیت امام کی تکمیل کرسکتی ہے بلکہ امام اور رعیت دونوں بھلائی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ظلم و گنہگاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں جیساکہ لشکر یا قافلے کا افسر اور نماز و حج کا امام ہوتا ہے دین کا علم تو رسول اللہ سے معلوم ہوچکا ہے اب کوئی بات ایسی نہیں رہی کہ امام ہی کو اُسکے بیان کرنے کی ضرورت ہو مگر ہاں جزئیات میں اجتہاد کرنا ضروری ہے پس اگر اُنمیں حق ظاہر ہو تو امام اُسکا حکم دیدے اور اگر فقط امام

ہی کو ظاہر اور معلوم ہو اور رعیت کو معلوم نہ ہو تو امام رعیت کو بتا دے اس صورت میں اس کی اطاعت کرنی رعیت پر واجب ہے اور اگر رعیت کو کوئی شبہ رہے تو وہ اُسمیں مشورہ کر کے اپنے شبہ کو صاف کر لے اور اگر رعیت میں کسی آدمی کو معلوم ہو جائے اور امام کو معلوم نہ ہو تو وہ امام کو بتا دے ہاں امام اور رعیت کے اختلاف کے وقت رعیت کو امام کے اجتہاد کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ غالب اجتہاد اسی کا ہوتا ہے اسکا عکس کسی طرح بھی جائز نہیں ہی یعنی امام کے اجتہاد کو چھوڑ کے رعیت کے کسی آدمی کے اجتہاد کو ترجیح دیکر اسکی پیروی کرنی ٹھیک نہیں ہی اور یہ مسئلہ بعینہ ایسا ہے جیسا معصوم کے نائبوں کی بابت امامیہ رافضیوں کا قول ہی یعنی یہ کہ اگر انھیں کلیات معلوم ہو جائیں تو پھر جزویات معلوم کرنے کے لیئے اجتہاد کرنا ضروری ہی اس صورت میں ہر امام اللہ کے اِس رسول کا نائب ہی جسکی عصمت میں ذرا بھی شک نہیں ہے رسول اللہ کے نائب اوروں کے نائبوں سے اتباع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں مگر اُنکے نائب ہونے سے یہ مراد ہے کہ ان پر بھی اِسی کام کو انجام دینا واجب ہے جسے حضور انور نے انجام دیا تھا نہ یہ کہ اُنکا خلیفہ ہونا مراد ہی اس کی وجہ یہ ہی کہ رسول اللہ کی اطاعت ہر متولی پر واجب ہے خواہ رسول کا متولی ہو یا کسی اور کا حضور انور کی اطاعت آپ کی وفات کے بعد بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ کی زندگی میں تھی۔

دوسرا جواب

موسیٰ نے تین باتیں خدا کے اُس بندے سے جس کی طرف موسیٰ بھیجے گئے تھے حاصل کی نہیں حالانکہ موسیٰ اُس سے افضل تھے۔

ہُدہُد نے سلیمان سے کہا تھا کہ "اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ" یعنی میں نے وہ چیز معلوم کر لی جو تمھیں معلوم نہیں ہی۔ یہ سب جانتے ہیں کہ ہُدہُد کو سلیمان سے مرتبہ کی حیثیت میں کچھ بھی نسبت نہیں ہی۔ خود ہمارے نبی اور ہزاروں سلیمانوں اور موسیٰ کے سردار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اپنی رائے چھوڑ کے اُن کی رائے اختیار کر لیتے تھے یعنی اپنی رائے پر صحابہ کی رائے کو عملی ترجیح دیتے تھے جیسا کہ جنگ خندق میں ہوا۔ حضور انور کی یہ رائے تھی کہ مدینہ کی کھجوروں کی نصف بٹائی پر قبیلہ غطفان سے صلح کر لیجائے اور اسوقت جنگ کو ملتوی کر دیا جائے۔ جسوقت حضور کے صحابی سعید نے حضور انور کا یہ ارادہ

سنا آپ فوراً حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر یہ حکم اللہ نے آپ کو دیا ہی تو بسرو چشم منظور ہے چون وچرا کی ضرورت نہیں اور اگر حضور نے محض ہماری مصلحت کی غرض سے خود تجویز فرمایا ہی تو میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں حکم ہوا کہو۔ سعید نے عرض کیا جاہلیت کے زمانہ میں ہماری یہ کیفیت تھی کہ قبیلہ غطفان والے مدینہ کی کھجوریں ہمسے کبھی نہیں لے سکے سوائے اسکے یا تو یہ ہمارے مہمان بن کے ہم سے کھجوریں لیتے تھے یا ہم سے خریدتے تھے۔ اب ہم اسلام سے معزز ومحترم ہیں بھلا کیونکر ہو سکتا ہی کہ ہم اپنی کھجوریں اُنھیں یوں ہی دیدیں۔ ہم اپنا فیصلہ تلوار سے چاہتے ہیں۔ یہ سُنکے حضور نے اپنے ارادہ کو ملتوی کردیا اور سعید کی رائے بہت خوشی سے قبول کرلی۔

اسی طرح غزوہ تبوک میں جب حضور انور نے سواری کے اونٹوں کو ذبح کرکے کھالینے کی اجازت دیدی تو عمر فاروق نے عرض کیا یا رسول اللہ جس کے پاس جو کچھ زاد راہ ہے اُسے ایک جگہ جمع کردینے کا حکم دیجئے اور پھر اس میں برکت پیدا ہونے کی اللہ سے دعا کیجئے سب سیر ہوکے کھالیں گے اور سواری کے اونٹ مفت میں بچ رہیں گے حضور نے عمر فاروق کی اس رائے پر بخوشی عمل کیا اور اُس میں سرتاسر کامیابی ہوئی۔

یہی معاملہ ابوہریرہ کی بابت پیش آیا کہ جب حضور انور نے اُنھیں اس بات کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ جو شخص کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ کا قایل ہو اُسے جنتی ہونے کی خوشخبری دیدینا عمر فاروق نے حضور سے عرض کیا کہ ابوہریرہ کو واپس بلالیا جائے محض اس اندیشہ سے کہ لوگ بس کلمہ ہی پڑھ لینے پر بھروسہ کرکے بیٹھیں گے۔ یہ سُنکے حضور انور نے ابوہریرہ کو فوراً واپس بلالیا اور عمر فاروق کی یہ رائے بدل پسند کی۔

ابوبکر کا تو عجیب طریقہ تھا آپ کامل الایمان اور فدائے خدا ورسول تھے۔ آپ سے آپکے حمیدہ صفات میں کس کی مجال ہے جو مقابلہ کرسکے۔ آپ خدا ورسول کے سچے عاشق تھے۔ آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ لوگوں کے اقوال کی طرف کبھی التفات نہ کرتے تھے جس میں اللہ اور اللہ کے رسول کی کوئی نص ہوتی تھی۔ نص کے معلوم ہونے پر وہ بہت آمادگی اور دلیری سے اُس پر عمل کرتے تھے اور اس عمل کرنے سے کوئی مخالفت اور کسی قسم کی قوت اُنھیں نہیں روک سکتی تھی۔

دیکھو بظاہر بات چھوٹی معلوم ہوتی ہی لیکن اندر سے بہت ہی وزن دار ہے یعنی جب

آپ نے مرتدوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا ہے تو فاروق اعظم نے مخالفت کی تھی محض اِس وجہ سے کہ سارے مسلمان خطرہ میں پڑ جائیں گے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے میں بھی اکثر لوگ مخالف ہو گئے تھے علیٰ ہذا القیاس اِن امور میں ابوبکر نے کسی کی رائے کو تسلیم نہیں کیا بلکہ خود جو کچھ کیا اس کی اُن کے سامنے نص سے دلیل بیان کر دی اب رہے امور جزئیہ جن کا منصوص ہونا ضروری نہیں بلکہ اُن سے مصلحت مقصود ہوتی ہے تو ان میں ابوبکر انبیا سے بڑھ کے نہیں ہیں کیونکہ جب ایسے امور میں انبیاء نے اپنے صحابہ سے مشورہ لیا اور اپنی رائے پر ان کی رائے کو ترجیح دی تو اسیطرح ابوبکر نے اگر کسی امر میں اپنے کسی ہمعصر سے مشورہ لے لیا تو کیا بڑی بات ہے۔

تیسرا جواب

ابوبکر کے اس جملہ نے ساری امت مرحومہ کے دلوں میں بجز ان کی تعظیم اور توقیر ہونے کے کوئی بات نہیں بڑھائی نہ اس اُمت نے اپنے نبی کے بعد کسی کی ایسی توقیر کی جیسی صدیق کی اور جس طرح امت محمدیہ نے صدیق کی اطاعت کی حضور انور کے بعد اور کسی کی ہرگز نہیں کی نہ کسی قسم کی قوت دکھائی گئی اور نہ لالچ دیا گیا مگر محض صدق کی وجہ سے لوگ خود بخود کھیچے چلے آتے تھے۔ جن لوگوں نے معروف درخت کے نیچے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت رضوان کی تھی علانیہ ابوبکر کی فضیلت اور اُنکے استحقاق کا اقرار کر کے اِن سے بیعت ہو گئے۔ یہ تعجب سے نظر کیا جائیگا کہ ابوبکر کے زمانہ میں کسی مذہبی مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اور اگر شاید کوئی کسی معاملہ میں کچھ شبہ کرتا تو آپ آناً فاناً میں کل اختلاف اور شبہ نص پیش کر کے اُٹھا دیتے تھے اور سب لوگ ابوبکر ہی کے قول کی طرف رجوع کر لیتے تھے اللہ تعالےٰ نے یہ وصف ابوبکر کو ایسا دیا تھا کہ اسمیں اُنکے کوئی برابر نہیں ہے ہاں اس بارے میں فاروق اعظم علی وغیرہ کی نسبت اُنسے بہت قریب تھے اور عمر کے بعد عثمان کا مرتبہ ہے۔ اب رہے علی یہ انکے طریقہ پر نہیں رہے بلکہ اُنھوں نے بیگناہ رعیت پر حملہ کر کے لاکھوں کو اپنا مخالف بنا لیا اور اخیر میں نہ وہ رعیت کو ٹھیک کر سکے اور نہ رعیت اُنکو ٹھیک کر سکی اب غور کر کے بتایئے کہ دونوں میں سے امامت کا کون زیادہ مستحق ہے اور امامت کا مقصود زیادہ کس سے حاصل ہوا اور دونوں میں سے دین کو کس نے قایم کیا۔ مرتدوں کو کتنے مسلمان کیا اسکا جواب ان

واقعات کا پڑھنے والا آسانی سے دے سکتا ہے۔

ظالم اور امامت

شیعی علماء فرماتے ہیں خدا نے ارشاد کیا ہے "لا ینال عھدی الظالمین" یعنی میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں ہوتا جسکے معنی یہ ہیں کہ امامت کا عہدہ ظالم کو نہیں ملسکتا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والکافرون ھم الظالمون، پھر شیعی علماء فرماتے ہیں اسمیں کوئی شک نہیں کہ پہلے تینوں خلیفہ کافر تھے جب تک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا وہ برابر بتوں کی پرستش کرتے رہے لہذا وہ کسی طرح سے بھی امام نہیں بن سکتے

پہلا جواب

ایسا عجیب وغریب استدلال نہ آج تک کسی نے دیکھا نہ سنا نہ انشاء اللہ آئندہ کوئی سنیگا چونکہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوے نبوت سے پہلے تمام عرب تمام شام اور تمام ایران وغیرہ کافر تھا لہذا مسلمان ہونے کے بعد بھی شیعی علماء اپنی نیک نہادی سے اُن پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اسمیں حضرت علیؓ انکے باوا اُنکے دادا اور اُنکا سارا خاندان بھی آگیا۔ سچ مچ یہ بڑے تماشے کی بات ہے ایک بچہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک شخص مسلمان ہو گیا کفر کی ساری سیاہی اُسکے دل سے دھو دی گئی اور وہ پاک ہو گیا پھر اُسکی نسبت یہ کہے جانا کہ وہ بتوں کو سجدہ کرتا تھا وہ کافر تھا۔ یہ کسی طرح بھی قرین عقل نہیں ہے ایک بچہ بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ وہ کفر جسکے بعد صحیح ایمان نصیب ہو جائے پھر اُس کفر والے پر کسی طرح کی برائی رہجانا ممکن نہیں اور یہ بات دین اسلام سے بدیہی طور پر ہر ایک کو معلوم اور صاف طور پر ظاہر ہے۔ پہلے پیغمبروں کے دین سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا جواب

یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہو وہ اس سے افضل ہی ہو جو خود مسلمان ہوا ہے۔ بلکہ صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ کل زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اسی کو ہم خیر القرون کہتے ہیں اس زمانے کے اکثر آدمی خود ہی مسلمان ہوئے تھے جو پہلے کافر تھے وہ اس زمانے کے لوگوں سے جو انکے بعد اسلام پر ہوئے افضل قرار دیئے گئے ہیں اور اُن کی اس افضلیت میں کسی کو کلام نہیں ہے شیعی علماء کا یہ عجیب وغریب قول کتاب سنت۔ اجماع سلف اور دلائل عقول سب سے خارج ہے ابوطالب کے ایمان کا جو راگ گایا جاتا

ہی وہ بھی یہاں آگے گرد ہو جاتا ہے اور ساری باتیں فضول ٹھیرتی ہیں۔

تیسرا جواب

حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے سے پہلے قریش کا کوئی فرد بشر مومن تھا نہ کوئی مرد نہ عورت نہ لڑکا نہ خلفار ثلاثہ نہ علی نہ اور کوئی جب شیعی علمار اس زمانے کے مردوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے تو یہی اعتراض اس زمانے کے لڑکوں پر بھی عائد ہوتا ہی اور اسمیں علی وغیرہ سب شامل ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ لڑکے کا کفر مثل بالغ کے کفر کے نہیں ہوتا تو اسکا جواب یہ ہے کہ لڑکے کا ایمان بھی مثل بالغ کے ایمان کے نہیں ہوتا لہذا ان لوگوں پر ایمان اور کفر کا حکم بلوغ ہی کی حالت میں ہوتا ہی اور علی کی نابالغیت کی حالت میں۔ اسپر مسلمانوں کا اتفاق ہی کہ جس بچے کے ماں باپ دونوں کافر ہوں اسپر دنیا میں کفر ہی کا حکم جاری رہیگا اور اگر کوئی لڑکا بالغ ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اسمیں علمار کے دو قول ہیں بعض کہتے ہیں اسکا اسلام معتبر نہیں بعض کہتے ہیں معتبر ہے مگر یہ قول بالکل غلط ہی نابالغ کا اسلام کسی حالت میں بھی معتبر نہیں ہو سکتا بخلاف بالغ کے کہ وہ اسلام لاتے ہی مسلمان ہو جاتا ہی اور اسپر سب مسلمانوں کا اتفاق ہی پس خلفار ثلاثہ کا اسلام انھیں کفر سے یقینًا نکالدینے والا ہے اور اسمیں کسی نے خلاف نہیں کیا اب رہا علی کا اسلام آیا وہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہے یا مسلمان اسمیں دو قول ہیں امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ لڑکے کا اسلام یعنی اسکا مسلمان ہو جانا اُسے کفر سے نہیں نکال سکتا اور یہ قول بہت ہی وزنی اور مستحکم ہی باقی ایسا کوئی لڑکا جسکی نسبت یہ دعوے کیا جائے کہ اُسنے زمانہ نبوت سے پہلے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا محض لغو اور بیہودہ ہی اسکا ثبوت کسی طرح سے بھی ممکن نہیں لہذا یہ یقین کر لینا کہ علی یا زبیر یا اُنکے کسی ہم عمر لڑکے نے حالت کفر میں بت کو سجدہ نہیں کیا ایک دل خوش کن خیال ہے جس کا ثبوت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص بھی اسے ثابت نہیں کر سکتا کہ خلفار ثلاثہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا ہو۔ ان لوگوں کو بُت پرست یا مشرک صرف اسوجہ سے کہا جاتا ہی کہ اسلام لانے سے پہلے اکثر قریش بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے اور بچوں کا چونکہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اپنے بزرگوں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں ویسا ہی کرنے لگتے ہیں لہذا علی کا بتوں کو سجدہ کرنا بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے۔

چوتھا جواب

اسماء ذوم یعنی برائیوں کے نام مثلاً کفر ظلم فسق جو قرآن مجید میں آئے ہیں اُنکا اطلاق اُنھیں لوگوں پر ہوا ہی جو اب تک اُن برائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور جب کوئی شخص کفر کے بعد مسلمان ظلم کے بعد عادل اور فسق و فجور کے بعد نیک ہو گیا ہو تو اُس پر ان الفاظ کا کسی صورت سے بھی اطلاق نہیں ہو سکتا ہمیشہ اُنکے لیئے اچھے ہی لفظ بولے جائینگے پس اللہ تعالےٰ کے اِس ارشاد لاینال عھدی الظالمین سے یہ مراد ہے کہ میرے اس عہد کا عادل مستحق ہی ظالم نہیں ہی بیشک جو لوگ ظالم تھے وہ خداوند تعالیٰ کے عہد کے مستحق نہیں ہوئے وہ قبل از وقت کاٹ ڈالے گئے برباد کر دیئے گئے اور ہمیشہ ذلیل و خوار رہے۔ خود شیعی علماء اگر غور فرمائینگے تو اُنھیں معلوم ہوگا کہ اُنکے اس طعن و تشنیع کا اثر کس پر پڑ رہا ہے کس شخص یا اُسکی اولاد کو خداوند تعالیٰ کا عہد نہیں دیا گیا اور کس شخص کی اولاد در اولاد نہایت بے عزتی سے برباد کر دی گئی۔

پانچواں جواب

جو شخص یہ کہے کہ مسلمان ایمان لانے کے بعد بھی کافر ہے تو یہ کہنے والا باجماع تمام مسلمانوں کے کافر ہی پس ایسا کلمہ کوئی ایسے شخص کی نسبت کیونکر کہہ سکتا ہی جو ایمان میں ساری مخلوق سے افضل ہو۔

چھٹا جواب

خداوند تعالےٰ نے موسیٰ سے کہا تھا پیغمبروں کو مجھ سے کوئی خوف نہ کرنا چاہیئے انمیں سے جو شخص گناہ کرتا ہی اور گناہ کے بعد بدلے میں نیکی کرتا ہی تو بیشک میں بخشنے والا مہربان ہوں اِس آیہ میں صریح نص ہی کہ جو ظالم ظلم کرنے کے بعد نیکی کرے یعنی اُس ظلم سے توبہ کرے تو اُسکے لیئے اللہ کی طرف سے بخشش کا وعدہ ہے۔

صدیق اکبر اور فاطمہ زہرا کے گھر کی بربادی

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابوبکر نے مرض موت میں کہا کاش میں فاطمہ زہرا کے گھر کو ویسا ہی چھوڑ دیتا اور اسپر حملہ نہ کرتا اور کاش میں بنی ساعدہ کے خیمے میں ان دو آدمیوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا اور وہ امام ہوتا اور میں وزیر ہوتا بھلا ایسا شخص کیونکر امام بن سکتا ہے ابوبکر کی چڑھائی فاطمہ زہرا کے گھر پر اُسوقت ہوئی تھی کہ جب علی اور زبیر زہرا کے گھر میں موجود تھے۔

جواب

قدح اُسیوقت تسلیم کیجاتی ہی جب الفاظ صحیح اسناد سے ثابت ہوں اور وہ کھلم کھلا اس قدح پر دلالت کرتے ہوں جسوقت اِن دونوں مقدموں میں سے ایک منتفی ہے تو وہ قدح بھی منتفی ہو جائیگی اور اس صورت میں یہ قدح کیسے نہ منتفی ہو گی جب یہ دونوں ہی مقدمے منتفی ہوں ہم یقیناً جانتے ہیں اور اسپر تمام علمار اسلام کا اتفاق ہی کہ ابوبکر نے علی اور زبیر کے مکان پر کبھی چڑھائی نہیں کی اور نہ کبھی اُنکی ایذا رسانی کا خیال کیا بلکہ سعد بن عبادہ جو آپکا مدِ مقابل بنکے کھڑا ہوا تھا اور آپ سے بیعت نہ کی تھی اسپر بھی آپ برابر مہربانی کرتے رہے یہ باتیں جہال کذاب نے نقل کی ہیں اور جن ناخدا ترس بے حمیت اور دشمن اہل بیت لوگوں نے یہ اُڑا رکھا ہے کہ فاطمہ کا گھر ڈھایا گیا اور حمل کی حالت میں اُنکے پیٹ پر لات ماری گئی اور اُنکا حمل ساقط ہو گیا۔ یہ ساری باتیں محض تسرپرالنفس لوگوں کی گھڑت ہے اور کل اہل اسلام کا اسپر اتفاق ہی کہ یہ کہانیاں بالکل غلط اور سرتاپا غلط ہیں باقی صدیق اکبر کی طرف سے یہ نقل کرنا کاش میں اِن دو آدمیوں میں سے ایک کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا شیعی علمار نے اس قول کی اسناد نقل نہیں کی نہ اسکی صحت کی کوئی دلیل بیان کی اگر مان بھی لیں کہ صدیق نے ایسا کہا تھا تو یہ اُنکے زہد و تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی دلیل ہی اور اُن کی ذات و صفات میں اِس سے کسی قسم کا نقص پیدا نہیں ہو سکتا۔

لشکر اُسامہ اور صدیق اکبر وغیرہ

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ حکم دیا کہ اُسامہ کے لشکر کو تیار کر کے روانہ کردو۔ اسی لشکر میں ابوبکر۔ عمر اور عثمان بھی تھے۔ امیر المومنین علی کو اس میں جانے کا حکم نہیں ہوا تھا کیونکہ رسول اللہ کا مقصد یہ تھا کہ میرے بعد کہیں خلافت پر یہ تینوں نہ کود پڑیں لیکن ابوبکر وغیرہ نے اس ارشاد کو قبول نہیں کیا۔

پہلا جواب

سب سے پہلے اِس نقل کی صحت بیان کرنی چاہیئے کیونکہ یہ معروف سند سے کہیں مروی نہیں ہی اور علمائے نقل میں سے نہ کسی نے اُسے صحیح کہا یہ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ منقولات سے دلیل بیان کرنی اُسیوقت حجت ہو سکتی ہی کہ جب منقولات ثابت ہو جائیں۔

دوسرا جواب

اس کے جھوٹ ہونے پر تمام علمائے نقل کا اتفاق ہے اس لیئے کہ اُسامہ کے لشکر میں نہ ابوبکر تھے نہ عمر نہ عثمان۔ صرف بعض علماء نے فاروق اعظم کا ذکر کیا ہے مگر کثرت رائے اسطرف ہے کہ مثل ابوبکر و عثمان کے فاروق بھی نہ تھے۔

تیسرا جواب

حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے بتواتر ثابت ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے پر ابوبکر کو خلیفہ کر دیا تھا۔ چنانچہ حضور کی وفات تک وہی نماز پڑھاتے رہے۔ جس روز آپکی وفات ہوئی اُس کی صبح کو ابوبکر ہی نے نماز پڑھائی تھی۔ ان ہی ایام میں ایک دن حضور نے حجرہ کا دروازہ کھولا اور ابوبکر کے پیچھے نمازیوں کی صفیں دیکھ کے آپ بہت خوش ہوئے پھر باوجود ان امور کے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُنھیں اُسامہ کے لشکر میں جانے کا حکم دیا جاتا۔

چوتھا جواب

اگر حضور انور فی الواقع علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تو ابوبکر و عمر کی کیا مجال تھی جو حضور انور کا حکم نہ مانتے اور اگر فرض کریں کہ وہ ایسا کرتے بھی تو ہزارہا مسلمان کیونکر ان کا ساتھ دیسکتے تھے وہ یقیناً ابوبکر کو چھوڑ دیتے اور اُن سے کچھ تعلق نہ رکھتے۔ اب خیال کیجیے جو وقت علی نے معاویہ پر چڑھائی کی ہے تو ایک تہائی یا اس سے زیادہ مسلمانوں نے علی کا ساتھ دیا اس حالت میں کہ علی کے خلیفہ ہونے کی اُن کے پاس کوئی نص نہ تھی اب اگر ان کے پاس واقعی کوئی نص ہوتی تو پھر سب کے سب مسلمان علی کے گرد ضرور جمع ہو جاتے اور یقیناً ان کا ساتھ دیتے۔ ان کے ساتھ دینے کو کوئی قوت نہیں روک سکتی تھی۔

پانچواں جواب

اگر حضور انور علی کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کرتے تو نماز بھی اُن ہی سے پڑھواتے حالانکہ آپ نے علی کو نماز پڑھانے کا کبھی حکم نہیں دیا دیکھو جب حضور انور بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے تشریف لے گئے تو بلال کو یہ حکم دیا کہ جب نماز کا وقت آجائے تو ابوبکر سے نماز پڑھوالینا چنانچہ ایسا ہی ہوا ابوبکر ہمیشہ امام بنے اور علیؓ مقتدی اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

حاکم و محکوم کی بحث

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوبکر کو کسی کام پر حاکم مقرر نہیں کیا مگر ہاں علی بن ابی طالب برابر حاکم مقرر ہوتے رہے۔ لہٰذا ابوبکر امام کیونکر بن سکتے ہیں

پہلا جواب

یہ قول بالکل باطل اور محض جھوٹ ہے ابوبکر کو تو حضور انور نے ایسی حکومت دی تھی کہ آج بھی کوئی شخص ابوبکر کے برابر نہیں ہوسکتا اور وہ حج کی حکومت ہے اس کے سوا اور کاموں پر بھی ابوبکر کو آپ نے حاکم بنایا ہے۔

دوسرا جواب

ابوبکر تو درکنار رہے حضور انور نے تو ایسے لوگوں کو بھی حاکم کیا ہے جو باجماع مسلمانوں اور شیعوں کے صدیق سے کم درجہ کے ہیں مثلاً عمرو بن العاص۔ ولید بن عقبہ اور خالد بن ولید۔ پھر ان کے مقابلہ میں ابوبکر کا نہ حاکم ہونا کس طرح قرین عقل ہوسکتا ہے۔

تیسرا جواب

کسی کو حکومت نہ دینا اس کے کم مرتبہ یا ادنے ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا شاہ یا حکمران اپنے پاس اُن لوگوں کو رکھ لیتا ہے جن سے اُسے دم بھر مفر نہیں وہ شاہ کے قوت بازو اور مشیر ہوتے ہیں شاہ انھیں اپنے پاس سے علیحدہ کرکے کسی حکومت پر بھیجنا کبھی گوارا نہیں کرتا۔

ابوبکر میں یہ وجہ صاف ظاہر ہے کیونکہ یہ اور عمر حضور انور کے بمنزلہ دو وزیروں کے تھے یہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے میں اور ابوبکر و عمر باہر گئے۔ میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کام کیا۔ ہم تینوں نے یہ کیا وغیرہ وغیرہ۔

فاروق اعظم نے اپنے خاص مشیروں عثمان طلحہ اور زبیر وغیرہ کو کہیں کا حاکم نہیں بنایا حالانکہ جنھیں آپ نے حاکم بنایا تھا مثلاً عمرو بن العاص اور معاویہ وغیرہ وہ ان سے بہت کم درجے تھے۔ اِسکی یہ وجہ تھی کہ فاروق اعظم کو ان صحابہ کی موجودگی کی اشد ضرورت تھی اور وہ دم بھر علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اُنھیں حکومت دینے کے مقابلہ میں اپنے پاس رکھنے میں خلافت عظمیٰ کا بہت

بڑا فائدہ تھا اور جب حکومت کا کام اُن سے کم درجہ کا آدمی بھی کر سکتا ہو تو عقل شہادت نہیں دیتی کہ ان سے وہ کام لیا جاتا۔ جو شخص احادیث صحیحہ میں تدبر اور تامل کرے اُسے یہ حالات اچھی طرح منکشف ہو سکتے ہیں۔

صدیق اکبر اور سورۂ براءۃ کا قصہ

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ براءۃ کا اعلان کرنے کے لئے ابوبکر کو بھیجا تھا۔ پھر اُن کے بعد علی کو بھیجا اور یہ حکم دیا کہ ابوبکر کو واپس لوٹا دو۔ بھلا جو شخص پوری سورت یا اُس کے ایک حصہ کا بھی اعلان کر دینے کے لائق نہ ہو وہ ایسی امامت عامّہ کے قابل کیونکر ہو سکتا ہی جو تمام احکام دینی ساری امت میں پہنچا دینے کی متضمن ہو۔

پہلا جواب

ہم پہلے مقدمہ میں سورۂ براءۃ کا تذکرہ کر چکے ہیں مگر وہاں ہم نے صرف شاہ عبدالعزیز کا جواب نقل کر دیا تھا اور خود اُسپر کچھ بحث نہ کی تھی لہذا اس جگہہ ہم اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالتے ہیں سُنئے اور خوب غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ تمام علمار کا اسپر اتفاق ہی کہ یہ صریح جھوٹ ہی اور اس کا جھوٹ ہونا تواتر سے ثابت ہی۔ وجہ یہ ہی کہ حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ سنہ ہجری میں صدیق اکبر کو حج کا حاکم مقرر کر دیا تھا اسکے بعد نہ انھیں معطل کیا نہ واپس بلایا بلکہ سابق الذکر سال ابوبکر ہی نے لوگوں کو حج کرایا۔ علی ان کی رعایا کے ایک فرد تھے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور صدیق اکبر کے حضور سے جو حکم ملتا تھا مثل اور مسلمانوں کے یہ بھی اُس حکم کی بجا آوری کرتے تھے اہل علم اسے یقینی طور پر جانتے ہیں اور اُن کے نزدیک یہ بات متواتر بھی ہی اسمیں دو آدمیوں کا بھی کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ اس سال ابوبکر نے حضور انور کے حکم سے حج کرایا تھا پھر یہ بات کیونکر ممکن ہو سکتی ہی کہ حضور انور نے ابوبکر کی واپسی کا حکم دیدیا تھا ہاں یہ صحیح ہی کہ ابوبکر کے بعد ہی علی کو بھی اُس سمت روانہ کر دیا تھا کہ مشرکین کے عہد نامہ سے اپنی براءت کا اعلان کرا دیں کہ ہم میں اور تم میں کوئی عہد نہیں ہی۔ اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عہد کا تصفیہ خود حکمران یا اُس کے گھر کا کوئی آدمی کرتا تھا اسی لیے علی کو یہ تکلیف دی گئی تھی۔

صحیحین میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے پہلے اس حج میں

جسمیں حضور انور نے ابو بکر کو افسر کیا تھا اُنھوں نے مجھے چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا تاکہ ہم یہ منادی کرتے پھریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا۔ اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائیگا۔

دوسری روایت میں یہ ہی ابوہریرہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ نے علی کو بھی بھیج دیا اور اُنھیں یہ حکم دیدیا کہ برارۃ کی منادی کرا دینا۔ چنانچہ قربانی کے دن اہل منٰی میں اُنھوں نے بھی ہمارے ساتھ برارۃ کی منادی کرائی۔ چنانچہ پھر حجۃ الوداع میں کسی مشرک نے حج نہیں کیا۔

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں کہ صدیق اکبر کے حج میں جو اُنھیں فضیلت حاصل ہوئی ہے وہ اُن کے سب فضائل سے بڑھ کے ہے کیونکہ اُس سال اتنے بڑے مجمع میں اُنھوں نے ہی خطبہ پڑھا تھا اور سب لوگ خاموشی سے بیٹھے سُن رہے تھے۔ سب آپکے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور اُن ہی میں علی بھی تھے اس سورۂ برارۃ میں صدیق اکبر کی فضیلت اور نماز کا ذکر ہے۔ اس موقع پر ابو بکر کو علی کا افسر بنانا حضور انور کے اس ارشاد کے بعد ہوا ہی جو آپنے علی کی نسبت فرمایا تھا۔ انت منی بمنزلۃ ھارون وموسیٰ۔

اس میں شک نہیں کہ حضور انور کے احوال۔ وقایع اور سیرت سے ہمارے دوست بالکل ناواقف ہیں اور انصاف یہ ہی کہ تعصب انھیں واقفیت بھی پیدا نہیں کرنے دیتا اس کے علاوہ اپنے مطلب کے لیے جب ہمارے دوست کاٹ چھانٹ کرتے ہیں تو صحیح واقعات پر اس سے اور پردہ پڑجاتا ہی اور پھر اس تراش خراش پر نئی نئی کہانیاں بن جاتی ہیں اور ہمارے دوستوں کے مقتدی بیچارے اس جہل مرکب میں ٹپے ٹوئیاں مارتے رہجاتے ہیں ان کی دنیا بھی خراب اور دین بھی۔

دوسرا جواب

یہ کہنا کہ امامت عامہ سارے احکامات کل امت کی طرف پہنچا دینے کو متضمن ہی محض غلط بالکل جھوٹ اور سرتاپا لغو ہے۔ کیونکہ یہ امت کل احکام اپنے نبی سے حاصل کرچکی ہی اب اسے امام کی ضرورت نہیں ہی اور اگر ہی تو اتنی ہی جتنی امام کے نظائر یعنی علمار کی ہی۔ وہ عام شریعۃ جس کی لوگوں کو ضرورت ہی سب صحابہ کو معلوم تھی صدیق اکبر کے زمانہ میں جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا اختلاف کے بعد وہ فوراً ہی اُس مسئلہ پر متفق ہوجاتے جو ایک سے دوسرا بیان کرتا تھا۔ ابو بکر کا کوئی فتویٰ یا کوئی حکم ایسا معروف و مشہور نہیں ہوا جو نص کے خلاف ہو۔ ہاں عمر عثمان اور علی سے بعض موقعوں پر ایسے امور صادر ہوئے ہیں جو نص کے خلاف ہیں لیکن عمر اور عثمان کے ایسے امور کو جمع کیا جائے تو

علی کے ایسے امور کا وزن جو خلاف نص ثابت ہوئے ہیں بڑھ جائے گا۔

تیسرا جواب

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن کی تبلیغ ہر مسلمان نے کی ہی۔ پھر یہ کہنا کیونکر جایز ہے کہ ابوبکر اس کی تبلیغ کے قابل نہ تھے۔

چوتھا جواب

یہ خیال کرنا کسی طرح بھی جایز نہیں ہی کہ قرآن کی تبلیغ علی ہی کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ قرآن خبر احاد سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا ضروری ہی۔

پانچواں جواب

اس سال حج کے دنوں میں مسلمان بھی حج کرتے تھے اور مشرک بھی حضور انور نے ابوبکر ہی کو یہ حکم دیا تھا کہ موسم حج میں یہ منادی کرا دینا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرنے پائیگا نہ کوئی برہنہ کعبہ کا طواف کر سکیگا جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہی پس اس صورت میں مشرکین کو قرآن کی تبلیغ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

فاروق اعظم اور امامت کا استحقاق

شیعی علماء فرماتے ہیں عمر نے کہا تھا محمد فوت نہیں ہوئے یہ عمر کی کم علمی کی صریح دلیل ہی اس کے علاوہ ایک حاملہ عورت کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیدیا تھا پھر علی نے انھیں منع کیا تو خود ہی بول اُٹھے کہ اگر آج علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا اس کے علاوہ اور بہت سے احکام ہیں جن میں عمر نے غلطی کی اور تلون مزاجی برتی۔

پہلا جواب

علم میں ابوبکر کے بعد عمر سب صحابہ سے زیادہ عالم تھے۔ باقی اذیا در نج میں بیخود ہو جانا اور آپکا یہ تصور بندھ جانا کہ رسول اللہ فوت نہیں ہوئے تھوڑی سی دیر کے لیے تھا مگر بہت جلد آپ کو حضور انور کی وفات کا پورا یقین ہو گیا۔ ایسی باتیں اکثر وقوع میں آتی رہتی ہیں کہ آدمی کو کسی کے مرنے میں تھوڑی دیر کے لیئے شک ہو جایا کرتا ہی اور بعد میں یہ شک علم و یقین سے بدل جاتا ہی علی کے عقیدہ کے خلاف تو اس سے بدرجہا زیادہ امور ہمیں معلوم ہوئے ہیں بلکہ اکثر احکام تو وہ سمجھے ہی نہیں اور ان کی فہم تک اُلٹے ہی آتے رہے اور اسی حالت میں انکا خاتمہ ہو گیا غضب

خدا کا ان کمزوریوں سے ان کی امامت میں تو کوئی نقص نہ پیدا ہوا اور عمر کی امامت میں صرف اتنی سی بات کہنے سے نقص پیدا ہو جائے۔ علی کا فتویٰ اُس مفوضہ کی بابت موجود ہے کہ جو مر گئی ہو اور اُسکا مہر مقرر نہوا ہو۔ علمار نے علی کے ایسے ہی اور بہت سے احکام بیان کئے ہیں۔

اب رہا حاملہ کا قصہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عمر نے حاملہ سمجھ کے اُس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اُسکے حمل کا علم علی کو کسی صورت سے ہو گیا اُنھوں نے فاروق اعظم کے حضور عرض کر دیا۔ آپنے فوراً اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ اس ذرا سی بات پر وہ غلغلہ مچا ہوا ہے کہ الٰہی توبہ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اب شیعی علمار کی یہ بات رہی کہ عمر حاملہ عورت کو سنگسار کرنا جایز سمجھتے تھے یہ کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اگر عمر حاملہ کا سنگسار کرنا جایز جانتے تو علی کے منع کرنے پر کبھی نہیں رُک سکتے تھے پھر علی کی کیا مجال تھی کہ فاروق اعظم کے سامنے اپنی کسی بات پر اصرار کرنا تو کجا ہوں بھی کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ عمر نے ناجایز سمجھا تھا کہ علی کے اس ذرا جتانے سے کہ یہ حاملہ ہے رُک گئے اور بقول شیعی علمار یہ کہدیا کہ اگر علی نہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

فاروق اعظم اور تراویح

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ تراویح کی بدعت عمر ہی نے جاری کی ہے۔ باوجودیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا "ایھا الناس ان الصلوٰۃ باللیل فی شہر رمضان من النافلۃ جماعۃ بدعۃ وصلوٰۃ الضحیٰ بدعۃ فان قلیلا فی سنۃ خیر من کثیر فی بدعۃ الا وان کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ سبیلھا الی النار" یعنی اے لوگو رمضان میں رات کو نفل پڑھنے بدعت ہیں اور چاشت کی نماز بھی بدعت ہے کیونکہ تھوڑی سی سنت بہت سی بدعت سے بدرجہا بہتر ہے دیکھو اور خیال رکھو کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لیجانے والی ہے۔

پھر شیعی علمار فرماتے ہیں کہ ایک دن رمضان میں شب کو عمر باہر نکلے تو مسجدوں میں بکثرت روشنیاں دیکھیں کہا یہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی نے جواب دیا کہ نفلی نماز یعنی تراویح کے لیے لوگ جمع ہوئے ہیں آپ نے اسپر یہ کہا کہ یہ بدعۃ ہے اور اچھی بدعۃ ہے غرضکہ اس کے بدعۃ ہونے کا خود بھی اقرار کر لیا۔

پہلا جواب

جھوٹوں پر خدا کی لعنۃ ہو۔ اگر شیعی علمار کی خدمت میں یہ عرض کیا جائے کہ اے حضرات والا تبار اس

حدیث کی سند آپ لوگ بیان فرمائیں تو یقیناً بغلیں جھانکنے لگیں گے کہ یہ کس مصیبت کا سامنا ہو گیا۔
ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے اور اسکے اسناد کیا ہیں۔ مسلمانوں کی کس کتاب میں یہ مروی ہے اور محدثین میں سے کون سے محدث نے اسے صحیح کہا ہے۔
سچی بات یہ ہے کہ نہ یہ حدیث صحیح ہے اور نہ اسکے صحیح ہونے کے کہیں اسناد ہیں۔ پھر دریافت کیا جائے کہ مسلمانوں کی کونسی کتاب میں یہ حدیث مروی ہے اور محدثوں میں سے کونسے محدث نے اسے صحیح کہا ہے تو سکتہ ہو جائے گا اور پھر سانس کی آمد و رفت بھی بند ہو جائے گی۔

دوسرا جواب

کل مفسرین بدیہہ طور پر یہ جانتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے جو رسول اللہ پر باندھا گیا ہے جسے تھوڑا سا بھی علم ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس روایت کو مسلمانوں نے اپنی کسی کتاب میں نقل نہیں کیا نہ کتب صحیح میں نہ سنن میں نہ مسانید میں نہ معجمات میں اور نہ اجزاء میں نہ اسکی کہیں اسناد ہیں۔ نہ صحیح نہ ضعیف بلکہ صریح جھوٹ کے سوا اور اسمیں کچھ نہیں رکھا۔

تیسرا جواب

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور کے زمانہ میں لوگ راتوں کو نفلیں پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ دو یا تین شب حضور انور رسول خدا نے جماعت کرائی تھی۔
صحیحین میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک دن آدھی رات کے قریب حضور انور مسجد میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو نفلی نماز پڑھائی۔ صبح کو جب اسکا چرچا ہوا تو دوسرے دن مسجد میں پہلے دن سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے آپ نے اُس روز بھی پڑھا دی۔ پھر تیسری شب کو اور بھی زیادہ آدمی آئے اُس روز بھی حضور انور نے نماز پڑھا دی۔ چوتھی شب کو تو اس قدر آدمی آئے کہ مسجد میں گنجایش تک نہ رہی مگر حضور انور مسجد میں نہیں آئے۔ مجمع نے بہتیرے اشارے کئے کہ مسلمان جمع ہیں حضور انور تشریف لائیں کوئی الصلوٰۃ کہتا اور کوئی کچھ مگر حضور انور نہیں آئے یہانتک کہ صبح ہو گئی۔
صبح ہوتے ہی آپ صبح کی نماز کے لیئے مسجد میں آئے جب نماز پڑھا چکے تو صف کی طرف متوجہ ہو کے بیٹھ گئے پہلے خطبہ پڑھا پھر فرمایا اے مسلمانوں شب کو تمہارا یہاں آنا مجھے

معلوم تو بیشک ہوگیا تھا لیکن میں اس اندیشہ کی وجہ سے نہیں آیا کہ یہ تراویح تم پر فرض نہ ہوجائیں اور پھر تم انھیں ادا نہ کرسکو۔

پھر حضور انور کی وفات ہوگئی اور یہ امر اسی طرح رہا۔ ابوذر سے بھی اسی طرح مروی ہے اُسے امام احمد ترمذی۔ ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رمضان شریف میں حضور انور تراویح پڑھنے کی بہت ترغیب دیا کرتے تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ نے کبھی تراویح کو فرض اور واجب نہیں فرمایا۔ حضور انور کا یہ ارشاد موجود ہے کہ جو شخص ثواب سمجھ کے رمضان شریف میں تراویح پڑھے تو اُس کے پہلے کئے ہوئے سب گناہ معاف ہوجائیں گے پھر حضور انور کی وفات ہوگئی اور یہ امر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے شروع خلافت تک اسی طرح رہا۔

امام بخاری نے عبدالرحمن بن قاری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں رمضان المبارک میں میں ایک روز شب کو فاروق اعظم کے ساتھ مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نماز یعنی تراویح پڑھ رہے ہیں کوئی اکیلا پڑھ رہا ہے کوئی چار پانچ آدمیوں کا امام بنا ہوا ہے فاروق اعظم نے دیکھ کے فرمایا مجھے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا میں ایک ہی امام مقرر کردوں چنانچہ آپ نے ابی بن کعب کو امام مقرر کردیا۔

پھر دوسری شب کو جب میں اُن کے ساتھ مسجد میں گیا تو میں نے دیکھا ابی بن کعب نماز پڑھا رہے ہیں یہ دیکھ کے فاروق اعظم نے فرمایا "دیکھو یہ کیا اچھی بدعت ہے" پھر فرمایا "وہ نماز جس کے وقت یہ سوتے رہتے تھے یعنی تہجد کی نماز اس سے افضل ہے کہ جو یہ اب پڑھ رہے ہیں کیونکہ وہ عشا ہی کے وقت پڑھ لیتے تھے" بدعت کہنے کی یہ وجہ ہوئی کہ ایسا عام اجتماع کبھی نہوا تھا لہذا اس اجتماع کو بدعت کہا گیا نہ کہ نماز تراویح کو جیسا کہ شیعی اصحاب نے سمجھ لیا ہے۔ لغت میں بدعت اُسی کو کہتے ہیں جو کام پہلے پہل کیا جائے اور اس سے شرعی بدعت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بدعت جو گمراہی ہوتی ہے وہ اُس فعل کا نام ہے جو بغیر کسی شرعی دلیل کے کیا جائے۔ مثلاً ایسی چیزوں کو مباح سمجھنا جو اللہ نے مباح نہ کی ہوں اور ایسے افعال کو واجب کر لینا جو اللہ نے واجب نہ کئے ہوں یا ایسی چیزوں کو حرام جاننا جو اللہ نے حرام نہ کی ہوں۔

چوتھا جواب

اگر تراویح کا پڑھنا قبیح اور منہی عنہ ہوتا تو جب علی کوفہ میں امیر المومنین ہو گئے تھے تو انھیں سب سے پہلے اس کا اُٹھا دینا ضروری تھا مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا۔ برابر رمضان المبارک میں تراویح پڑھتے رہے اِس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ اُسے مستحب سمجھتے تھے۔ خود حضرت علی سے مروی ہے کہ آپنے یہ دعا کی تھی "خداوندا عمر کی قبر کو منور کیجو جیسا اُنھوں نے ہماری مسجدوں کو منور کر دیا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں علی نے رمضان شریف میں حافظوں کو بلایا اور یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کریں چنانچہ وہ تراویح پڑھایا کرتے تھے آپ مردوں کے لیئے علیحدہ اور عورتوں کے لیئے علیحدہ امام مقرر کر دیتے تھے اور میں عورتوں کا امام ہوتا تھا۔ یہ دونوں روایتیں بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہیں۔

اسمیں علمار کا اختلاف ہے کہ تراویح کو جماعت سے مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا گھر میں پڑھنا افضل ہے یہی دو قول امام شافعی اور امام احمد کے ہیں۔ علمار کا ایک گروہ جماعت سے مسجد میں پڑھنے کو ترجیح دیتا ہے اسی گروہ میں لیث بھی ہیں باقی امام مالک وغیرہ گھر میں پڑھنے کو افضل کہتے ہیں اور حضور انور کے اِس ارشاد سے حجت لیتے ہیں۔ افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ۔ یعنی مرد کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے سوائے فرضوں کے۔ یہ حدیث صحیحین نے روایت کی ہے۔ امام احمد وغیرہ حضور انور کے اس ارشاد سے حجت لاتے ہیں۔ الرجل اذا قام مع الامام حتی ینصرف کتب اللہ لہ قیام لیلۃ۔ یعنی جب کوئی امام کے ساتھ کھڑے ہو کے پوری نماز پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسکے لیئے ساری رات کی نماز کا ثواب لکھ دیتا ہے باقی حضور انور کے اس ارشاد کا مطلب کہ مرد کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے سوائے فرضوں کے یہ ہے کہ جب تک اُس کے لیئے جماعت شروع نہوئی ہو لیکن جس کے لیئے جماعت شروع ہو گئی جیسے کسوف کی نماز تو اُسے حضور انور کی متواترہ سنت کے موافق مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے اور اسی پر علمار کا اتفاق ہے سب یہ کہتے ہیں کہ حضور انور نے لوگوں کو تراویح پڑھنے پر محض اسوجہ سے جمع اور اُسکا التزام نہیں کیا کہ اُسکے فرض ہو جانے کا خوف تھا اب چونکہ حضور انور کی وفات ہونیکی وجہ سے یہ خوف نہیں رہا اس لیئے اب اُسے جماعت سے پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے قرآن شریف کا جمع کرنا وغیرہ اور جب اس میں جماعت

شروع ہوگئی تو اب اُس کو جماعت ہی سے ادا کرنا افضل ہی۔

فاروق اعظم کا یہ فرمانا کہ جس نماز کے وقت تم سو جاتے ہو وہ اس سے افضل ہے اِس سے آپ کی مراد تہجد کی نماز تھی اور وہ لوگ عشا ہی کے وقت پڑھ لیتے تھے تو یہ کلام فاروق کا صحیح ہی کیونکہ تہجد کے وقت تراویح کا پڑھنا واقعی افضل ہی جیسا کہ عشا کی نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہی۔ کبھی ایسا ہوتا ہی کہ مفضول وقت یعنی غیر افضل وقت میں کسی وجہ سے کوئی عمل مخصوص ہو جاتا ہی یعنی اُسوقت میں اُس عمل کا کرنا دوسرے وقت میں کرنے سے افضل ہو جاتا ہی۔ مثلاً عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو ملا کے پڑھنا علیحدہ علیحدہ پڑھنے سے افضل ہی۔ اگرچہ اصل یہی ہی کہ نماز کو اُس کے خاص وقت میں پڑھنا ہی افضل ہوتا ہی لیکن یہاں ایک خاص وجہ سے جمع کرنا افضل قرار پایا علی ہذا القیاس سخت گرمی کے وقت ظہر کی نماز میں تاخیر کرکے پڑھنا افضل ہی باقی رہی چاشت کی نماز جسکا طعنہ شیعی علما دیتے ہیں اسمیں فاروق اعظم کی کوئی خصوصیت نہیں ہی۔

صحیحین میں ابوہریرہ سے مروی ہی کہ مجھے میرے خلیل نے ہر مہینے تین روزے رکھنے اور چاشت کے دو نفل پڑھنے اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت فرمائی تھی۔

عثمانؓ کی امامت

شیعی علما فرماتے ہیں کہ عثمان نے ایسے امور کئے جن کا کرنا جائز نہ تھا یہانتک کہ سب مسلمانوں نے اُنھیں بُرا جانا اور اُنکے قتل کرنے پر اتنے زیادہ آدمیوں کا اتفاق ہو گیا کہ اتنے آدمیوں کا جتھا نہ اُن کی بیعت پر بندھا تھا نہ ابوبکر و عمر کی بیعت پر اتنے آدمی متفق ہوئے تھے پھر بھلا ایسا شخص امام کیونکر بن سکتا ہی۔

پہلا جواب

یہ سب سے زیادہ صریح جھوٹ ہے۔ عثمان سے مدینہ منورہ کیا بلکہ تمام اسلامی ممالک کے مسلمانوں نے بیعت کرلی تھی اُن کی خلافت پر بیعت ہونے میں تو دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا نہ کسی نے بیعت ہونے میں تاخیر کی۔ اسواسطے امام احمد نے کہا ہے کہ عثمان کی بیعت پر چونکہ سب کا اتفاق ہو گیا تھا اسلیے وہ اور بیعتوں سے بھی زیادہ مضبوط تھی جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا وہ گنے چنے آدمی تھے اُن کا شمار اُنگلیوں پر ہو سکتا ہی۔ ابن زبیر عثمان کے قاتلوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ یہ کیسے بُزدل

لوگ ہیں کہ شب کو چوروں کی طرح بےخبری میں چلے آئے۔ یہ بات تواتر سے معلوم اور مشہور ہے کہ آپکے قتل کرنے میں اور شہروں کے آدمی شریک نہ تھے نہ کوئی سابقین اولین میں سے تھا لہذا قاتلوں اور بیعت کرنے والوں کی تعداد میں بعد المشرقین ہے اس لیئے یہ قول بالکل غلط ہے کہ آپ سے بیعت کرنیوالوں کی تعداد قاتلوں سے کم تھی۔ یہ لغو بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو صحابہ کے احوال سے محض نابلد ہو۔

دوسرا جواب

جن لوگوں نے حضرت علی کو جایز خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور اُن سے قتال کیا وہ عثمان کے مخالفین اور مقاتلین سے کئی حصے کیا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں زیادہ تھے علی کے لشکر کی بہت سی پلٹنیں آپ سے باغی ہو گئی تھیں اور صاف طور پر وہ آپ کو کافر کہتی تھیں۔ باغی سپاہی علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ علی بلاشک وشبہ تم اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے ہو جب تک تم اسلام کی طرف رجوع نکروگے ہم کبھی تمھاری اطاعت نہیں کرنے کے۔ پھر اُن ہی فوجی سلمانوں میں سے ایک نے آپ کو شہید کر دیا جس نے شہید کیا وہ آپ کا خون کرنا حلال جانتا تھا اور اُس کا یہ عقیدہ تھا کہ علی کا قتل کرنا اللہ کے مقرب ہونیکا ذریعہ ہے۔

اب اِن کے مقابلہ میں عثمان کے قاتلوں کو لو۔ اُن کا یہ عقیدہ عثمان کی نسبت ایسا نہ تھا جن لوگوں نے ان پر حملہ کیا تھا وہ اُن کے کافر ہونے کے قائل نہ تھے ہاں ظلم کے مدعی ضرور تھے۔ اب رہے خوارج وہ کھلم کھلا علی کو کافر کہتے ہیں ان کی تعداد اُن آدمیوں سے کہیں زیادہ ہے جو عثمان کو گرفتار یا قتل کرنے کے لیے مدینہ آئے تھے اب اگر یہی بات عثمان میں قدح کرنے کی حجت ہے تو یہی بات علی میں قدح کرنے کی بدرجہ اولی حجت ہوگی۔ مگر اصل یہ ہے کہ یہ دونوں دلیلیں بالکل باطل ہیں اسکے علاوہ عثمان کے قاتلوں سے اُن میں قدح کرنے کی دلیل بہ نسبت اِس دلیل کے جس سے علی کے قاتلوں سے اُنمیں قدح ہوتی ہے بہت ہی لچر اور پوچ ہے۔

اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ علی کے قاتل نہ صرف عثمان کے قاتلوں سے تعداد میں زیادہ تھے بلکہ بدرجہا اُن سے افضل بھی تھے۔ کیونکہ علی کے قاتلوں میں بڑے بڑے زاہد۔ عابد اور ولی اللہ تھے۔ عثمان کے قاتل لچے گنڈے اور بازاری لوگ تھے ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی دیانت داری پر بھروسہ کیا جائے۔

تیسرا جواب

بہ تواتر سے معلوم ہے کہ عثمان سے بیعت ہونے میں سب مسلمانوں کا اتفاق ہو گیا تھا اُن کی بیعت سے سعد بن عبادہ رہگئے تھے جو نہ صدیق سے بیعت ہوئے نہ فاروق اعظم سے اخیر آپ ہی کی خلافت میں اُن کا انتقال ہو گیا لیکن یہ اور سمجھ لیا جائے کہ سعد کا اس بیعت سے رہجانا اس وجہ سے نہ تھا کہ اُنھیں کچھ اعتراض وشک تھا سعد نے صدیق اکبر پر کوئی اعتراض نہیں کیا وہ یقیناً جانتے تھے کہ صدیق اکبر کل مہاجرین میں افضل ہیں اور رسول اللہ کے بعد اُن کے سردار ہیں ان کی صرف یہ خواہش تھی کہ انصار میں سے بھی ایک امیر یا خلیفہ ہو جائے اگرچہ اُن کا یہ خیال مصالح ملکی۔ امن عامہ نظام سلطنت وغیرہ کے بالکل خلاف تھا مگر وہ اخیر عمر تک اسی پر جمے رہے اور اسی پر اُنھوں نے جان دیدی علاوہ مصالح ملکی وغیرہ کے سعد کا خیال مشہور معروف نص کے بالکل خلاف تھا جو اُسے معلوم نہ تھی وہ نص یہ ہے - الائمۃ من قریش۔ یعنی خلفاء قریش ہی میں سے ہونے چاہئیں۔ اس سے یہ نتیجہ اچھی طرح نکل آیا کہ سعد کا بیعت سے رہجانا بدلیل نص خطا تھا اسمیں اجماع کی ضرورت نہیں ہے۔

اب رہی عثمان کی بیعت اسمیں تو ایک کا بھی اختلاف نہیں ہوا حالانکہ مسلمان افریقہ سے خراسان تک اور سواحل شام سے اقصار یمن تک پھیلے ہوئے تھے تو بھی ایک مسلمان بھی بیعت سے خالی نہیں رہا۔ آپ کے عہد مسعود میں افریقہ وغیرہ دنیا کے دور دراز حصص میں مسلمانوں کو جو فتوحات ہوئیں وہ روز روشن بنی ہوئی ہیں۔

عثمان کی خلافت کے دو حصے کرنے چاہئیں۔ پہلا حصہ تو بڑی آسودگی امن اور خوشی سے گزرا یعنی چھ برس تک تو کسی قسم کا نہ کسی نے اعتراض کیا اور نہ عثمان کے برخلاف سرگوشی ہوئی۔ مگر دوسرے حصہ کے آغاز سے نکتہ چینیوں کی آوازیں اُٹھنے لگیں اور یہ آوازیں بہت ہی تھوڑے آدمیوں کی تھیں جن کا شمار اُنگلیوں پر ہو سکتا ہے۔ جمہور کو کوئی اعتراض نہ تھا ان کے مونہہ سے سوائے خیر و خوبی کے کچھ نہ نکلتا تھا۔

عثمان کی مدت خلافت اپنے دو پیشروؤں اور اپنے جانشین سے زیادہ تھی۔ مثلاً صدیق اکبر کی خلافت کچھ اوپر دو برس رہی۔ فاروق اعظم کی کچھ اوپر دس برس اور حضرت علی کی کچھ اوپر

چار برس۔ علی جسوقت خلیفہ ہوئے تو اُنکے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کوئی نہ تھا سوائے مصری باغیوں کے جنھوں نے بیگناہ عثمان کو شہید کیا تھا علی سے بیعت نہ کرنے والوں میں سابقین اولین مہاجرین اور انصار میں سے تھے اور بڑے مرتبہ کے لوگ تھے۔ ان میں سے بعض خانہ نشین ہو گئے اور بعض نے علی سے قتال کیا خاموش بیٹھنے والوں میں اُسامہ بن زید ابن عمر اور محمد بن سلمہ وغیرہ تھے مگر تماشہ ایک اور ہی جن لوگوں نے علی کے ہاتھ پر بیعت کی اُن ہی میں کا ایک حصہ آپ سے پھر گیا علانیہ آپ پر کفر کا فتوی لگایا اور آپ کا خون حلال سمجھا بعض امیر معاویہ کے ساتھ جا ملے خود آپ کے یعنی علی کے بھائی عقیل وغیرہ ہمیشہ آپ پر اعتراض کرتے اور آپ کی ان حرکتوں سے سخت بیزار تھے وہ صاف طور پر کہتے تھے کہ علی خلیفہ راشد نہیں ہیں ان کی یہ حجت شیعوں کی حجت سے کہیں زیادہ مضبوط اور بڑی ہی۔ اسپر بھی اگر ان کی حجت غلط اور باطل ہو گئی اور علی کا ظلماً قتل کیا جانا مان لیا گیا تو عثمان اس کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں۔

یہ بحث تو یہاں ختم ہو گئی اب ہم ان نکتہ چینیوں پر نظر کرتے ہیں جو صدیق اکبر پر بڑے بڑے علمائے شیعی نے کی ہیں اور اُن ہی پر تمام شیعی اعتراضات حملوں۔ تبروں اور طعن و تشنیع کا دارومدار ہی یہ بحث بہت ہی دلکش ہوگی۔ بہت سے چھپے ہوئے رازوں کا پتہ لگیگا اور معلومات کو ایسی ترقی ہوگی کہ لوگ علم سے مالامال ہو جائیں گے۔ جواب الجواب سے یقیناً تمام شیعی دنیا عاجز ہو جائیگی اور کل علمائے ہند وایران ملکے بھی جواب باصواب نہ دیکھیں گے بات ہو تو ایسی ہو تمام شیعی دنیا انگشت بدندان ہی کہ کتاب شہادت کا جواب کیونکر دیا جا سکتا ہی یہ شاہ صاحب کا تحفہ نہیں ہی کہ دو چار جواب بُرے بھلے لکھ دیئے اور خوش ہو گئے کہ ہمنے پوری کامیابی حاصل کر لی اگرچہ تحفہ کا جواب بھی جسے جواب کہنا چاہیئے ابھی تک نہیں ہوا مگر کتاب شہادت کا جواب تو اتنا ہونا بھی محال ہی۔

اجماع اور امامت ابوبکر

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ابوبکر کی امامت پر اجماع نہیں ہوا تھا کیونکہ بنی ہاشم کی ایک جماعت اس پر متفق نہیں ہوئی تھی اسیطرح اکابر صحابہ کی بھی ایک جماعت اس پر متفق نہیں ہوئی تھی وہ صحابہ یہ ہیں۔ سلمان۔ ابوذر۔ مقداد۔ عمار۔ حذیفہ۔ سعد بن عبادہ۔ زید بن ارقم۔ اسامہ بن زید۔ خالد بن سعید عمرو بن العاص یہانتک کہ ابوبکر کے والد نے بھی اسکا انکار ہی کیا تھا یعنی جب انھیں خبر لگی کہ انکا بیٹا خلیفہ

ہوگیا تو اُنھوں نے علی اور عباس کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اُن دونوں غریبوں کو کیا گیا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ بیچارے تو رسول اللہ کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے اوروں نے اور تمام بنو حنیفہ نے تمھارے بیٹے کو عمر میں سب سے بڑا دیکھ کے خلیفہ کردیا۔

پھر شیعی علمار نے فرمایا ہی کہ جن مومنین نے ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دی اُنکا نام مرتد رکھدیا گیا انھیں قتل بھی کیا قید بھی کیا مگر عمر نے اپنی خلافت میں ان لوگونکو رہا کردیا اور اُنکے مرتد ہونے سے انکار کردیا۔

جواب

جو شخص علم سیرت سے کچھ بھی واقف ہے وہ جب ایسی بے سروپا رام کہانی سنے گا تو اُسے دو باتوں میں سے ایک بات کا ضرور یقین ہو جائیگا یا تو اُس کے ذہن میں یہ آئیگا کہ یہ قائل صحابہ کے احوال اور معاملات سے بالکل ناواقف ہے یا یہ سمجھیگا کہ افترا پردازی کی حد ہوگئی ہی اور اس سے زیادہ غلط بیانی شاید دوسری جگہ دیکھنے میں نہ آئے۔ جو کچھ چاہا بے بوجھے لکھدیا نہ تحقیق سے غرض نہ معتبر کتابوں سے سروکار نہ منقول کی خبر نہ معقول کی اطلاع کچھ بھی نہیں۔

اب سنئے نفس واقعات کی غلط بیانی شیعی علمار نے بنو حنیفہ کو اہل اجماع میں سے قرار دیا ہی حالانکہ یہ محض غلط اور بالکل غلط ہی۔ اِسکی اصل یہ ہی کہ جب اس خاندان کے لوگ ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہوئے اور نہ اُنھوں نے زکوٰۃ دی تو ابوبکر نے انھیں مرتد قرار دیا۔ لڑائی ہوئی جس میں اُن کے چند آدمی قتل اور چند قید ہوئے۔ یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہی کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے جس نے یمامہ میں نبوت کا دعوے کیا تھا وہ عام طور پر یہ کہتا تھا کہ میں رسالت میں محمد رسول اللہ کا شریک ہوں اسیطرح ایک دوسرے شخص اسود عنسی نے صنعاء یمن میں نبوت کا دعوٰی کیا تھا حضور انور کی نبوت کا اخیر زمانہ تھا کہ جب اس مدعی رسالت کی طرف سے نبوت کا اعلان دیا گیا۔ اس اسود کا اصلی نام عبہلہ تھا مگر حضور انور ہی کی زندگی میں ایک شخص نے اسکا کام تمام کردیا۔ اُس نے بہت کچھ دندمچایا تھا۔ یمن پر اسکا پورا غلبہ ہوگیا تھا۔ مسلمان عامل نہایت بیعزتی سے یمن سے نکلوادئے تھے۔ خیر اس کا قصہ تو ختم ہوگیا اب بنو حنیفہ کا حال سنو اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کے پیرو نہیں ہوگئے تھے یہ بات ایسی معروف و مشہور ہے کہ جو شخص علم و معرفت سے کچھ بھی تعلق رکھتا ہو وہ بھی اِس سے اچھی طرح واقف نکلے گا۔ اس کا قرآن جو یہ لوگوں کو سناتا تھا اسکی چند سورتیں

آجتک نقل ہوتی ہوئی چلی آئی ہیں چنانچہ ایک سورت یہ ہے " یا ضفدع بنت ضفدع نقی کم تنقین لا الماء تکدرین ولا الشارب تمنعین راسک فی الماء و ذنبک فی الطین "
دوسری سورت یہ ہے " الفیل ما الفیل وما ادراک ما الفیل له زلوم طویل ان ذلک من خلق ربنا القلیل "
تیسری سورت یہ ہے " انا اعطیناک الجماھر فصل لربک وھاجر ولا تطع کل ساحر وکافر "
چوتھی سورت یہ ہے " والطاحنات طحنا والعاجنات عجنا والخابزات خبزا اهالة وسمنا ان الارض بیننا و بین قریش نصفین ولکن قریشا لا یعدلون "
غرض اسی قسم کے ہذیان اور بھی ہیں۔ جب مسیلمہ کے قتل کے بعد بنو حنیفہ کا ایک ڈپوٹیشن (وفد) صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سردار وفد سے فرمایا کہ مسیلمہ کا قرآن سناؤ۔ انھوں نے یہ مذکور سورتیں پڑھ کے سنائیں تو صدیق اکبر نے بہت افسوس کیا اور کہا تمھاری عقلوں کو کیا ہوا کہ تم نے اُسے خدا کا کلام مان لیا یہ تو کلام خدا ہرگز نہیں ہے۔

امت مرحومہ کے اولین اور آخرین سب کے نزدیک ابوبکر صدیق کی اعلیٰ درجہ کی فضیلت یہ ہے کہ آپ نے مرتدوں سے جنگ کی۔ مرتدین میں سب سے بڑھے ہوئے یہ بنو حنیفہ تھے جنھیں شیعی علماء اجماع میں شریک فرماتے ہیں۔

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان سے صدیق کی جنگ فقط زکوٰۃ نہ دینے پر نہیں ہوئی تھی بلکہ جنگ کا باعث ان کا مرتد ہو جانا تھا یہ کھلم کھلا مسیلمہ پر ایمان لے آئے تھے انکی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ کے قریب کیا گیا ہے۔

اور سنئے خلیفہ محمد بن حنیفہ کی ماں علی کی لونڈی تھی یہ لڑکی بنی حنیفہ کے خاندان سے تھی۔ جب بنی حنیفہ کے زن و مرد قید ہو کے مدینہ میں آئے تو یہ لڑکی علی کے حصہ میں آئی آپ نے اُسے اپنی حرم بنایا خیال کیجیئے اگر یہ لوگ مسلمان ہوتے تو علی مسلمانوں کی ایک خاتون کو کس طرح حرم بنا سکتے تھے اور ساتھ ہی علی نے اُسے اپنی لونڈی بنانا کیونکر جائز کر لیا محض اس لیئے کہ علی بنو حنیفہ کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔

باقی وہ لوگ جن سے ابوبکر نے زکوٰۃ نہ دینے پر جنگ کی تھی وہ اور ہیں ان کی فقط یہی خطا تھی کہ وہ زکوٰۃ نہ دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم تمھیں زکوٰۃ نہ دینگے بلکہ انھوں نے نفس زکوٰۃ ہی

دینے سے انکار کر دیا تھا جس کی مفصل بحث ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ وغیرہ صدیق اکبر کے اس بارے میں پیرو ہیں اُنھوں نے صاف طور پر کہدیا ہی کہ اگر یہ لوگ یہ کہتے کہ ہم خلیفہ وقت کو تو زکوٰۃ کا روپیہ نہ دیں گے بلکہ خود زکوٰۃ خرچ کرینگے تو اُن سے ہرگز جنگ جائز نہ تھی۔ یہ ائمہ خوب جانتے ہیں کہ صدیق نے ان ہی لوگوں سے جنگ کی تھی جو زکوٰۃ کو ناجائز سمجھ کے اُس کے دینے سے انکار کر بیٹھے تھے۔ شیعی علمار کا بنو حنیفہ کو اہل اجماع میں شریک کرنا بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے بیعت نہ کرنے والوں میں یہود و نصاریٰ اور آتش پرستوں کو شمار کیا جاتا۔ یہ ہم صاف دلی سے شہادت دینگے کہ بنو حنیفہ کا کفر بہت سے لحاظ سے دنیا کے تمام کفروں سے بڑھا ہوا تھا۔ جو لوگ خفیف دنیاوی لالچ سے اسلام لانے کے بعد اصول دین خدا سے انکار کر بیٹھے ان کی سزا سوائے گردن زدنی اور کیا ہو سکتی ہی۔ کیونکہ کفر کی گندگی میں وہ خود ہی مبتلا نہ ہونگے بلکہ اوروں کو بھی لپیٹیں گے اس لئے تقاضائے عقل یہی ہی کہ جسم کا جو عضو گل گیا ہو اور اس سے دوسرے اعضا کے گل جانے کا اندیشہ ہو قطعی اُسے کاٹ ڈالنا چاہیئے۔ دوسری بات جو شیعی علمار نے فاروق اعظم کی نسبت فرمائی ہی کہ وہ صدیق اکبر سے مخالف تھے یہ محض غلط ہی۔ اصل میں وہ اختلاف کسی اور فرقہ کی بابت ہوا تھا۔ یہ لوگ اسلام سے تو انکار نہیں کرتے تھے مگر زکوٰۃ دینے سے کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے۔ فاروق اعظم کو ان سے جنگ کرنے میں تامل تھا مگر جب صدیق اکبر نے سمجھا دیا تو وہ بھی اور صحابہ کے ساتھ صدیق کی رائے کی تائید کرنے لگے۔

صحیحین میں ابوہریرہؓ سے مروی ہی کہ عمر فاروق نے اسی جنگ کی بابت صدیق اکبر سے یہ کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہو حالانکہ رسول اللہ نے یہ فرمایا ہی۔ مجھے جہاد کرنے کا حکم ہو گیا ہی یہانتک کہ یہ لوگ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں اور جسوقت یہ اس کے قائل ہو جائیں گے تو اپنی جانیں اور مال مجھسے محفوظ کر لیں گے۔ ہاں کسی حق کی وجہ سے اور اُسکا حساب کتاب اللہ پر ہے۔ صدیق اکبر نے جواب دیا۔ رسول اللہ کے ان الفاظ پر غور کرو کہ کسی حق کی وجہ سے " وہ اپنی جانیں اور مال محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ زکوٰۃ اُسی حق میں سے ہے میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر یہ اونٹ کا بچہ زکوٰۃ میں مجھے ایسا نہ دیں جیسا رسول اللہ کو دیتے تھے تو میں اسی ۔ کے ۔ ۔ ہے پر ان سے جہاد کرونگا۔ اسپر فاروق اعظم نے کہا واللہ اب یہ میں سمجھا بیشک

اللہ نے ابوبکر کا شرح صدر کردیا ہی کہ ان سے ضرور جنگ کرنی چاہیئے - یہ بات میرے بالکل ذہن نشین ہوگئی ہی - بیشک حق یہی ہے -

اب ان اکابر صحابہ کو لوجن کی نسبت شیعی علمار کا یہ بیان ہی کہ انھوں نے صدیق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی یہ اُن پر سراسر اتہام ہی - صرف سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی تھی جس کی مفصل بحث ہم ابھی گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں

اسپر تمام علمار حدیث - سیر - منقولات اور باقی کل اہل معرفۃ کا اتفاق ہی کہ اُسامہ بن زید نے بغیر بیعت ہوئے اپنی فوج کے ساتھ کوچ نہیں کیا وہ پہلے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت ہوگیا - اس کے بعد اُس نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا - اُسامہ بن زید نے ابوبکر سے جب خطاب کیا جب یا خلیفۃ رسول اللہ کہہ کے خطاب کیا -

اب اور صحابہ کو لو جن کی بیعت ہونے سے شیعی علمار انکار کرتے ہیں اول خالد بن سعید ہیں آپ حضور انور کی حیات ہی میں آپ کے نائب تھے - جب حضور انور کی وفات ہوگئی تو اُنھوں نے یہ کہا میں اپکے بعد اور کسی کا نایب بننا نہیں چاہتا - ہاں صدیق اکبر کی خلافت کو حق سمجھنے اور ماننے میں یہ اور صحابہ کے ساتھ تھے اور بدل وجان اُسے تسلیم کرتے تھے یہ بات تواتر سے ثابت ہوچکی ہی کہ صدیق اکبر کی بیعت سے سوائے سعد بن عبادہ کے کوئی بھی باقی نہیں رہا تھا - علی اور بنو ہاشم نے یقیناً اُن سے بیعت کرلی تھی اور اُسپر کل علمار کا اتفاق ہی بلا بیعت ہوئے ان میں سے کوئی نہیں مرا بعض کا فقط یہ ضعیف قول ہی کہ علی چھہ مہینے کے بعد بیعت ہوئے تھے مگر زیادہ تعداد اُن لوگوں کی ہی جو کہتے ہیں کہ دوسرے ہی روز علی صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے تھے - کل بنی ہاشم نے بغیر جبر واکراہ صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی صدیق کے بعد فاروق اعظم سے بھی یہ لوگ سوائے سعد بن عبادہ کے اسیطرح خوشی خوشی بیعت ہوگئے تھے -

پھر آپکے بعد عثمان غنی کی بیعت پر سب کا اتفاق ہوگیا تھا سعد بن عبادہ کا فاروق اعظم کی خلافت میں انتقال ہوچکا تھا اُنھوں نے عثمان غنی کا زمانہ نہیں دیکھا -

ایک شخص کی ناسمجھی یا علٰحدگی سے اجماع میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا ایک شخص نفسِ خلافت کو ناجایز نہیں کہتا بلکہ خلافت کے دو حصے کرنا چاہتا ہی اسکے اس خیال سے اجماع میں کیونکر خلل پڑ سکتا ہی

ہاں اگر یہ شخص قرآن وحدیث سے کوئی حجت پیش کرے جیسا صدیق نے اُسامہ کے لشکر کو روانہ کرنے اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف کی تھی۔ چونکہ ابوبکر حق پر تھے اس لیے سب صحابہ نے آپ کی تائید کی۔

اب ابو قحافہ یعنی ابوبکر کے باپ کو لو جسکی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے سُن کے کہا تھا کہ غریب عباس اور علی کو کیا کیا۔ ابو قحافہ کا یہ قول ہرگز نہیں ہی انھوں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ ان کی نسبت یہ محض افترا ہی کل علماء کا اسپر اتفاق ہی کہ یہ سخت جھوٹ ہے۔ اسوقت ابو قحافہ مکہ میں تھے فتح مکہ کے سال یہ مسلمان ہو گئے اور بہت ہی بوڑھے تھے۔ خود ابوبکر نے انھیں حضور انور کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ان کا سر اور ڈاڑھی بالکل گالابن رہے تھے اُن کے بڑھاپے کو دیکھ کے حضور انور نے یہ فرمایا تھا۔ اتنے بڑے ضعیف آدمی کو یہاں آنے کی کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس ہو آتا یہ بات بھی سمجھنے کی ہی کہ صحابہ میں کوئی بھی ایسا نہیں ہی جسکے ماں باپ اور اُس کی ساری اولاد مسلمان ہو گئی ہو اور ان سبنے بلکہ اسکی اولاد در اولاد نے حضور انور کا زمانہ پایا یہ شرف ابوبکر ہی کو حاصل ہوا باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی یعنی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن ابو قحافہ چاروں حضور انور کے زمانے میں مسلمان تھے اسیطرح عبداللہ بن زبیر بن اسماء بنت ابی بکر یہ سب بھی حضور انور پر ایمان لے آئے تھے اور آپ کی خدمت میں رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہی کہ یہ گھرانا ایسا تھا جو اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا جسکی چار پیڑھیاں حضور انور کے سامنے مسلمان ہو گئی ہوں کسی صحابی کا گھرانا ایسا نہ تھا یہ بات مشہور تھی کہ ایمان کے بھی بہت سے گھر ہیں اور نفاق کے بھی مگر مہاجرین میں سب سے اول ابوبکر کا گھر ایمان کے گھروں میں سے ہے اور انصار میں سے بنو نجار کا گھر ہے پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ لوگوں نے ابو قحافہ سے یہ کہا تھا تمھارا بیٹا عمر میں سب صحابہ سے بڑا ہی یہ بھی محض غلط اور سراسر لغو ہے کیونکہ اُسوقت صحابہ میں سے ایسے آدمی تھے جو عمر میں ابوبکر سے بڑے تھے مثلاً عباس جو حضور انور سے بھی تین سال بڑے تھے اور اسپر سب کا اتفاق ہی کہ حضور انور ابوبکر سے بڑے تھے۔

ابو عمر بن عبدالبر نے لکھا ہی کہ اسمیں کسی کا اختلاف نہیں ہی کہ جسوقت ابوبکر کا انتقال ہوا انکی عمر ۶۳ سال کی تھی یعنی اُسوقت وہ حضور انور کے برابر ہوئے تھے۔

اب ابو قحافہ کے قول پر غور کرنا چاہیئے اُنسے خود منقول ہی جب حضور انور کی وفات ہوئی ہی تو سارے مکے میں ہل چل مچگئی اور ایک شور محشر برپا ہوا ابو قحافہ نے یہ شور سنکے پوچھا کہ کیا بات ہے بیان

کہا گیا کہ رسول اللہ کی وفات ہوگئی ہی ابو قحافہ نے سنکے کہا کہ یہ بڑا بھاری حادثہ ہی آپکے بعد خلیفہ کون بنایا گیا ہی کہا تمھارا بیٹا۔ ابو قحافہ بولے کیا بنو عبد مناف اور بنو مغیرہ اسپر رضامند ہو گئے۔ جواب دینے والے نے کہا ہاں اسپر ابو قحافہ نے کہا رسول اللہ کا یہ فرمانا سچ ہی۔ "لا مانع لما اعطے ولا معطے لما منع" یعنی خدا جسے کوئی چیز دے اُسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جسے وہ نہ دے اُسے کوئی دینے والا نہیں ہی۔

شیعی علمار نے اجماع کا انکار کیا ہی اسکے لیے پہلا جواب تو یہ ہی کہ جن صحابہ کے شیعی علمار نام لیتے ہیں ان میں سوائے سعد بن عبادہ کے کوئی شخص بیعت سے نہیں رہا تھا ان سب کے بیعت ہو جانے پر تمام اہل نقل کا اتفاق ہی ہاں بنی ہاشم میں سے چند آدمیوں کی بابت کلام ہی کہ وہ چھ مہینے تک بیعت نہیں ہوئے مگر یہ صرف بعض کا قول ہی کثرت رائے اسطرف ہے کہ بنی ہاشم میں سے ایک شخص بھی باقی نہیں رہا تھا اور اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ بعض بنی ہاشم چھ مہینے کے بعد بیعت ہوئے تھے تو اس سے بھی اجماع میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی کیونکہ انکا بیعت ہونا بغیر کسی لالچ اور جبر و اکراہ کے تھا۔

بعض کتابوں میں ابوبکر کا ایک خط نقل ہوا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہی کہ یہ خط علی کے پاس بھیجا گیا تھا مگر یہ در حقیقت ایک من گھڑت کہانی ہے خط کے مصنف کئی صدی کے بعد پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنی طرف سے یہ خط بنا دیا تمام علمار نے اسکے جعلی ہونے کا اقرار کیا ہی ہاں علی نے ایک خط ابوبکر کو بھیجا تھا اور وہ خط علی ہی کا ہی اور اسکو سب نے صحیح کہا ہی اُسکا مضمون یہ ہے علی صدیق کو لکھتے ہیں کہ اگر تم میرے مکان پر آجاؤ تو میں بیعت ہو جاؤنگا۔ چنانچہ صدیق علی کے مکان پر گئے علی نے پہلے کچھ معذرت کی اور پھر بیعت ہو گئے۔

علیٰ ہذا القیاس جو لوگ اسبات کے قائل ہیں کہ علی نے بر وقت بیعت نہیں کی تھی بلکہ چھ مہینے کے بعد وہ بیعت ہوئے تھے ہم اسے بھی تسلیم کرتے ہیں ممکن ہی کہ علی کو بعض باتوں کا خیال ہوا ہو کیونکہ وہ انسان تھے اور انسان میں غلط فہمی کا پیدا ہونا محال نہیں ہی۔ جب تک فاطمہ زہرا زندہ رہیں علی مدینے میں سر برآوردہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے اُنکی ہر شخص توقیر کرتا تھا اور اُنھیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا زہرا کی وفات ہوتے ہی اُن کی بات میں بہت بڑا فرق آگیا کیونکہ صحابہ میں ذاتی طور پر اُنھیں کوئی وجاہت حاصل نہیں تھی جو کچھ وجاہت حاصل تھی صرف زہرا کی وجہ سے تھی علی اپنی اِس حالت کو اچھی طرح محسوس کرتے تھے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ زہرا کی وفات سے میری بات قوم میں وہ نہیں رہی

تو انھوں نے ابو بکر سے صلح کرلینی بہت ہی مناسب خیال کی۔ علی کو فقط ایک غلط فہمی ہوگئی تھی اور اس غلط فہمی کی وجہ سے وہ اس قدر کھنچ رہے۔

فاطمہ زہرا کی وفات کے بعد علی نے صدیق کو بذریعہ رقعہ کے یہ پیغام دیا کہ اگر آپ میرے مکان پر تشریف لائیں تو بہت ہی مناسب ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ تنہا ہوں اور دوسرا شخص آپ کے ساتھ نہ ہو۔ صدیق بغیر کسی پس و پیش کے علی کے پاس چلے گئے۔ ادھر اُدھر کی باتیں ہونے کے بعد علی نے کہا صدیق ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ ہم سے افضل ہیں اور یہ فضیلت آپ کی خداداد ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں فقط اتنا خیال ہے کہ جب رسول اللہ سے ہماری ایک بہت بڑی قرابت داری ہے اسکی وجہ سے اخلاقی طور پر ہم اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ خلافت کے مشورے میں ہمیں بھی شریک کیا جاتا مگر آپنے مجھے اُسوقت طلب نہیں کیا۔ اِسکا جواب صدیق نے اس معقول طریقے سے دیا کہ علی کو تسکین ہوگئی۔ صدیق کی آنکھوں سے آنسو برابر رواں تھے آپنے اسی رقت انگیز حالت میں یہ کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ مجھے اپنے قرابت داروں سے رسول اللہ کے قرابت دار زیادہ محبوب ہیں۔ میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ رسول اللہ کے قرابت داروں سے زیادہ ہرگز سلوک اور صلہ رحمی نہیں کرسکتا۔ باقی یہ باتیں جو ہمارے تمھارے درمیان میں ہوگئی ہیں میں نے اپنے نزدیک تو حق میں کبھی کوتاہی نہیں کی نہ میں نے ایسا کوئی کام چھوڑا جو رسول اللہ کو کرتے دیکھا تھا غرض اِن سب ہاتوں کے ہونے کے بعد حضرت علی نے کہا کہ آج ظہر کے وقت میں تم سے بیعت ہو جاؤں گا۔ چنانچہ صدیق اکبر ظہر کی نماز پڑھ کے منبر پر چڑھے اول علی کی تعریف کی پھر اُنکا بیعت سے رہ جانا اور اُس میں جو کچھ علی نے عذر و معذرت کی تھی وہ سب بیان کردی اِسکے بعد علی کھڑے ہوئے اور انھوں نے یہ بیان کیا کہ جو کچھ ہوا ہے اسکی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہم ابو بکر کو خلافت کے قابل نہیں سمجھتے یا ہمنے ان کی اس فضیلت سے انکار کیا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دی ہے بلکہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اس کام میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ صلاح مشورے میں ہمیں بھی شریک کیا جائے گا اِس خیال سے ہمیں ایک گونا مایوسی ہوئی۔ مگر جب ابو بکر صدیق سے میری باتیں ہوئیں تو انھوں نے میرا پورا اطمینان کردیا اب مجھے کوئی وجہ شکایت نہیں ہے یہ سنکے سب مسلمان خوش ہوئے اور اُنھوں نے حضرت علی کی صفائی کی داد دی؟

وہ اجماع جو امت میں معتبر ہے اُس میں ایک دو آدمیوں کا اختلاف یا ایک چھوٹی سی جماعت

کا خلاف کرنا کوئی اثر نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر ایسے خفیف اختلاف کا خیال کیا جائے تو پھر کسی کی امامت پر کوئی اجماع منعقد نہیں ہو سکتا۔ اور نہ تمام دنیا میں آج تک کوئی ایسا واقعہ ہوا یہ بات قانون قدرت کے بالکل خلاف ہی کسی کی امامت بادشاہت یا حکومت پر ایسا اجماع آجتک نہیں ہوا کہ اُسمیں سب ہی متفق ہوں تمام دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے کُھلی ہوئی موجود ہے آجکل کی متمدن ممالک میں ہر ایک امر کا کثرت رائے پر فیصلہ کیا جاتا ہے کوئی مسئلہ خواہ ملک گیری سے تعلق رکھتا ہو یا وضع قانون سے سب مشورہ دینے والوں کا الف سے لیکے یے تک اُسپر اتفاق نہیں ہوا کرتا موجودہ زمانہ میں انگلستان اور فرانس کا بیت العوام ہمارے آگے موجود ہے۔ جب سے یہ دونوں پارلیمنٹیں قایم ہوئی ہیں آج تک کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ فلاں مسئلے پر فلاں وقت کل ممبروں نے اتفاق کر لیا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ نہیں ہرگز نہیں کوئی شخص نہیں کہہ سکتا امامت ایک کام ہے اسمیں کسی ایک یا دو شخص کا اپنے کسی ذاتی غرض سے اختلاف کرنا عامۂ مسلمین کے اتفاق پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ مثلاً سعد بن عبادہ کا یہی خیال تھا کہ انصار میں سے کوئی خلیفہ مثل مہاجرین کے انتخاب کیا جائے اور وہ اخیر تک اپنے اسی خیال پر قائم رہا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوا اسی طرح حضرت علی کا یہ خیال کہ مجھے مشورے میں کیوں نہیں شریک کیا گیا اجماع پر کوئی اثر نہیں رکھتا۔

اس بحث کا دوسرا پہلو یہ بات سمجھنے کی ہی کہ اگر کوئی شخص کسی خواہش کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ دے تو اُس کا چھوڑنا اس اجماع کے خلاف جو احکام عامّہ پر مبنی ہو کچھ مؤثر نہیں سمجھا جاتا مثلاً ایجاب و تحریم یا اور اباحت اگر اس میں ایک دو آدمی بھی مخالف ہو جائیں تو اُن کے اس خلاف کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں اسمیں علمار کے دو قول ہیں مثلاً امام احمد کہتے ہیں کہ ایک یا دو کے خلاف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس رائے میں محمد بن جریر طبری بھی امام احمد کے ساتھ ہیں اور بھی بہت سے علمار ہیں جو اس قول کی تائید کرتے ہیں دوسرا قول یہ ہی کہ ایک یا دو کے خلاف کا احکام میں اعتبار کیا جائے گا یہ قول اکثر فقہا کا ہی مگر اس میں اور امامت میں فرق ہی اور وہ فرق یہ ہی کہ حکم تو ایک چیز ہے جسمیں دونوں شامل ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص ایک چیز کے واجب ہونے کا قائل ہی تو اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ چیز مثل دوسرے کے اپنے اوپر بھی واجب کرتا ہی۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص کسی

چیز کے حرام ہونے کا قائل ہے تو وہ اپنے اوپر بھی اُسکو حرام کرتا ہے اور دوسرے پر بھی لہذا ایسے حکم میں اختلاف کرنے والے پر تہمت نہیں لگ سکتی۔ اسی لیئے اگر خصائص میں حضور انور سے کوئی شخص ایک حدیث روایت کرے تو اُسکی روایت مقبول ہوجاتی ہے اگرچہ وہ اس میں خصم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ حدیث عام ہے اس میں دونوں شریک ہیں۔ لہذا یہ محدث جس نے یہ حدیث روایت کی ہے آج اگرچہ اس حدیث کا محکوم لہ ہے مگر کل یہی محکوم علیہ ہو جائے گا۔ پھر اُس کے حق میں بھی اس حدیث کا ویسا ہی حکم ہوگا جیسا کروڑوں کے حق میں ہے۔ بخلاف اپنی گواہی دینے کے وہ مقبول نہیں ہوتی اس لیئے کہ یہ خصم ہے اور خصم گواہ نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک خاص کی امامت پر اجماع ہونا ایک عام کلی امر پر حکم نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ جب ایک شخص ایک مشہور نص کی مخالفت کرے تو اُس کی مخالفت شاذ ہوگی۔ جیسے سعید بن مسیب کا اس بارے میں خلاف کرنا کہ جب تین طلاق والی عورت نے دوسرا نکاح کرلیا تو وہ محض نکاح کرتے ہی پہلے شوہر کے لیئے مباح ہوجاتی ہے۔ صحیح صحیح حدیثیں چونکہ اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں اس لیئے اسکا اعتبار نہ کیا جائے گا اسی طرح سعد بن عبادہ کا یہ مقصود تھا کہ انصار میں سے ایک آدمی کو ضرور خلیفہ کردیں مگر بہت سی نصوص جو حضور انور سے مروی ہیں وہ اسپر دلالت کرتی ہیں کہ خلیفہ قریش ہی میں سے ہونا چاہیئے اسکا بھی اعتبار نہیں ہونے کا۔

دوسرا جواب

اگر بفرض محال ان لوگوں کا خلاف بھی مان لیا جائے جنکا شیعی علماء نے ذکر کیا ہے تو اس سے خلافت کے بارے میں فقط اہل شوکت اور ان جمہور کا اتفاق ہوجانا شرط ہے جن کی وجہ سے اس کام کا قیام ہو اس طرح پر کہ ان کے ذریعہ سے امامت کے مقاصد پورے ہوتے رہیں۔ حضور انور ارشاد کرتے ہیں علیکم بالجماعة فان ید اللہ علی الجماعة "یعنی جماعت کے ساتھ رہنا کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے پھر حضور انور فرماتے ہیں۔ ان الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین قریب" یعنی شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے بھی بہت قریب رہتا ہے۔ پھر حضور انور نے ارشاد کیا۔ ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم والذئب انما یاخذ الخاصیة "یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسا کہ بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے بھیڑیا بچھڑی ہوئی بکری ہی کو پکڑا کرتا ہے اسی طرح شیطان کے قابو میں وہی شخص

چڑھتا ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہو کیونکہ خدا کا ہاتھ اُسکے ساتھ نہیں ہوتا۔

تیسرا جواب

یہ بات دیکھنے کی ہے کہ ابو بکر کی خلافت پر امت کا اجماع ہونا علی سے بیعت ہونے پر امت کے اجماع ہونے سے بدرجہا بڑھ کے ہے کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں علی سے بہت کم بیعت ہوئے تھے اور جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اُنھوں نے اُن ہی سے جنگ کی اور اُنکا مقابلہ کیا بہت لوگوں نے علی سے جنگ تو نہیں کی مگر بیعت بھی نہیں ہوئے اب یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ اگر اُمت میں سے چند آدمیوں کے بیعت نہ کرنے کے باعث ابو بکر کی امامت پر اعتراض ہو سکتا ہی تو علی کی امامت پر اس سے بھی زیادہ وجوہات سے بدرجۂ اولی اعتراض ہوگا اب اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور اُمت نے علی سے جنگ نہیں کی یا یہ کہے کہ اہل شوکت نے اُنسے بیعت کر لی تھی تو یہ بعینہ صدیق کے حق میں بدرجۂ اولی کہا جائے گا۔ اور اگر شیعی علمار یہ کہیں کہ علی کی امامت نص سے ثابت ہو چکی ہی اس میں اجماع ہونے یا لوگوں کے بیعت ہونے کی ضرورت نہیں ہے تو اسکا جواب یہ ہی کہ نصوص تو ابو بکر ہی کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ علی کی خلافت پر۔ اس کی بابت پہلے ہم بحث کر چکے ہیں اور اگر ضرورت دیکھی تو انشاء اللہ اسپر مزید روشنی ڈالیں گے اور یہ بھی بیان کرینگے کہ سب نصوص ابو بکر ہی کی خلافت پر دال ہیں اور اسپر بھی کہ خلفار ثلاثہ کے زمانے میں علی ہرگز ہرگز خلیفہ نہ تھے اس سے یہ بات بدرجۂ اولے ثابت ہو جائے گی کہ ابو بکر کی خلافت اجماع ہونے کی محتاج نہ تھی بلکہ اسکے صحیح ہونے پر اور اُسکے مناقض کی نفی پر بہت ہی نصوص دال ہیں۔

چوتھا جواب

شیعی علمار سے یہ دریافت کیا جائے کہ صدیق کی امامت میں گفتگو کس بنا پر ہے اگر اسکے وجود میں ہے یعنی اس امر میں کہ صدیق کی امامت ہوئی یا نہیں تو یہ تواتر سے معلوم و مشہور ہے اور اسپر سب کا اتفاق ہی کہ ابو بکر بے شک اس خلافت کے والی حضور انور کے قائم مقام اور اس امت میں آپ کے خلیفہ ہوئے ہیں اُنھوں نے حدود کو قایم کیا حقوق کو ادا کرایا کفار اور مرتدین سے جہاد کیا غنائم تقسیم کئے غرض وہ سب کام کئے جو امام کیا کرتا ہے بلکہ اس امت میں امامت کی بنیاد ان ہی سے پڑی ہے سب سے پہلے وہی امام ہوئے ہیں۔

اگر شیعی علمار کا یہ مقصود ہے کہ وہ مستحق نہ تھے تو اس کی اجماع کے سوا بے شمار دلیلیں ہیں بلکہ جس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علی امامت کے مستحق تھے اسی دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکر بھی امامت کے مستحق تھے بلکہ یہ بھی کہ علی وغیرہ سے امامت کے زیادہ حقدار تھے۔ اس وقت اس بارے میں اجماع کی ضرورت نہیں ہے نہ پہلی صورت میں نہ اس دوسری صورت میں اگرچہ اجماع یقیناً ہو چکا ہے۔

کیا اجماع اصل دلیل نہیں ہے

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ اگر ابوبکر کی امامت پر اجماع ہو بھی گیا تو اجماع کوئی اصل دلیل نہیں ہے بلکہ اجماع کرنے والوں کو ایک دلیل کو مستند کرنا یعنی اُسے سند بنانا ضروری ہے یہانتک کہ اسپر سب کا اتفاق ہو جائے ورنہ وہ اجماع خطا ہوگا اور وہ دلیل کیا تو عقلی ہوگی یا نقلی نقل کی رُو سے تو ابوبکر کی امامت پر کوئی دلیل نہیں ہے اب رہی عقلی دلیل تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ حضور انور کا وصال ہو گیا اور آپ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی نہ کوئی امام مقرر کیا باقی قرآن میں بھی کسی کے امام وغیرہ امام بننے کا ذکر نہیں ہے اب اگر ابوبکر کی امامت پر اجماع ہوا بھی تو وہ خطا رہا دلیل کسی طرح نہیں بن سکتا۔

جواب

پہلا جواب شیعی علمار کا یہ کہنا کہ اجماع کوئی اصل دلیل نہیں ہے۔ اس سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ اجماع کرنے والوں کے حکم کو ماننا اور اُسکی اطاعت کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح واجب ہے کہ وہ اللہ کے اور اللہ کے رسول کے حکم کی ایک دلیل ہے تو یہ کہنا بیشک صحیح ہے لیکن یہ ہمارے مدعا میں کچھ مضر نہیں ہے اجماع تو ایک طرف رہا رسول کے حکم کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ اُسکی اطاعت بھی لذاتہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس لیئے ہوتی ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ پس حقیقت میں لذاتہ اطاعت اللہ کے سوا اور کسی کی نہیں ہوتی وہی خالق ہے وہی حاکم ہے وہی مالک ہے اُسکے سوا اور کسی کی حکومت نہیں ہے ہاں رسول کی اطاعت اس وجہ سے بیشک واجب ہے کہ آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح اجماع کرنے والے مسلمانوں کی بھی اطاعت کرنی واجب ہے۔

صحیحین میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا تھا۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن عصی امیری فقد عصانی۔ یعنی جس نے

میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے حاکم کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُسنے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے حاکم کی نافرمانی کی اُسنے میری نافرمانی کی "

بہت سی دلیلوں یعنی بدیہات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس اُمت کا گمراہی پر کبھی اجماع نہیں ہونے کا بلکہ یہ اُمت جس چیز کے کرنے نہ کرنے کا حکم کریگی تو وہی حکم اللہ اور اللہ کے رسول کا بھی ہوگا۔ اب دیکھو امت نے امامت کے بارے میں ابوبکر کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تو اس سے یقیناً معلوم ہوگیا کہ بس اللہ کا اور اللہ کے رسول کا بھی یہی حکم ہے۔ لہذا جس نے ابوبکر کی نافرمانی کی وہ یقیناً اللہ کا اور اللہ کے رسول کا نافرمان ہوگیا۔

اِس کے علاوہ اگر شیعی علمار کی یہ مراد ہے کہ اجماع کبھی حق کے موافق ہوتا ہے اور کبھی مخالف اور مقصود بھی ہوتا ہے تو یہ اُن کی طرف سے اجماع کی حجت ہونے میں نقص نکالنا ہوا اور یہ گویا اس امر کے مدعی ہیں کہ کبھی ساری امت کا اجماع گمراہی اور خطا پر بھی ہو جاتا ہی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علی کا معصوم امام ہونا اور اس کے سوا اور بہت سے امامیہ اصول ایسے ہیں جو شیعوں نے اجماع ہی سے ثابت کئے ہیں کیونکہ یہ اپنے اصول دین میں جب عقلیات کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کا دار و مدار اجماع پر اور اُن کے نقل ہی کرنے پر ہوتا ہی۔ چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ عقل سے یہ معلوم ہوا کہ آدمیوں کے لیئے ایک معصوم امام اور منصوص علیہ ہونا ضروری امر ہے اور بالاجماع علی کے سوا نہ کوئی اور معصوم ہے اور نہ منصوص علیہ ہے لہذا علی ہی معصوم ہوئے۔

اسکے سوا شیعوں کی حجتوں اور دلیلوں کے اور بہت سے مقدمے ہیں جن کا دار و مدار اجماع ہی پر ہے۔ اس بحث کے بعد ہم شیعی علمار سے کہتے ہیں کہ اگر اجماع حجت نہیں ہی تو تمھاری یہ سب حجتیں باطل ہو جائیں گی اور جو اصول تم نے اجماع پر مرتب کئے تھے وہ سب باطل بیکار اور غلط ہو جائیں گے اس لیئے اس سے تمھارے قول کا بھی بطلان ہوتا ہے اور اس کے بطلان سے اہل سنت والجماعت کا مذہب ثابت ہو جائے گا اور یہی مطلوب ہے۔ اور اگر شیعی علمار یہ کہیں کہ ہم قطعی طور سے اجماع کو چھوڑتے ہیں اور اپنے اصول کے کسی مسئلہ میں بھی اس سے حجت نہیں لاتے کیونکہ ہمارے مذہب کا دار و مدار عقل پر اور ائمہ معصومین کے نقل ہونے پر ہے تو اس کا

جواب ہم یہ دیکھینگے کہ جب تم نے اجماع سے حجت نہ کی تو اب تمہارے پاس صرف حجت سمعیہ سے اور کوئی دلیل بھی سوائے اس نقل کے جو حضور انور سے معلوم ہوئی ہو کیونکہ وہ روایتیں جو علی وغیرہ ائمہ سے نقل کی جاتی ہیں حجت نہیں ہوسکتیں جب تک اُن لوگوں میں سے ہمیں کسی کی عصمت نہ معلوم ہو جائے۔ عصمت معلوم ہونے کے بعد وہ بے شک حجت ہو جائینگی مگر ان میں سے کسی کی عصمت بھی ایسی نقل سے کہیں ثابت نہیں ہوتی جو عصمت کے علم رکھنے والے سے منقول ہو ہاں رسول اللہ کی عصمت بیشک معلوم ہے۔ جب تک شیعی علمار کی ایسی نقل نہ ثابت ہو جو حضور انور سے معلوم ہوئی ہو تو تمہارے پاس اسوقت حجت سمعیہ کوئی نہ ہوگی نہ اصول دین میں نہ فروع دین میں اس وقت علی کی خلافت کا تعین نص سے دعوے کرنا پڑے گا۔ اب اگر تم اس نص کو اجماع سے ثابت کروگے تو یہ صریح باطل ہے اس لیئے کہ اجماع کے حجت ہونے کا تم انکار کر چکے ہو۔ اور اگر اس نص کو تم نے ایسی نقل سے ثابت کیا جو خالص تمہارے ہی بعض آدمیوں نے روایت کی ہے تو اسکا باطل ہونا بھی کئی طرح سے ظاہر ہے۔

اِن امور میں جو شخص فکر و غور کرے گا اُسے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی کہ جس مسئلہ میں امامیہ جمہور سے الگ ہو کے کسی خاص راہ کی طرف جاتے ہیں اُس وقت انجام کار انکے پاس کوئی حجت نہیں رہتی نہ عقلی نہ سمعی نہ نص نہ اجماع بلکہ اُنکا اصل مدعا ایک جھوٹی نقل کے دعوے پر مبنی ہوتا ہے جس کے غلط ہونے کو ہر شخص معلوم کر سکتا ہے یا کسی ایسی نص کی دلالت کا دعوے یا ایسا قیاس ہوتا ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اصل میں اُنکے پاس کوئی دلیل نہیں ہے یہ تمام اہل بدعت مثلاً خوارج اور معتزلہ جنکا تحقیقات کے وقت کوئی مرجع کسی حجت صحیحہ کی طرف نہیں ہوتا نہ عقلیہ کی طرف نہ سمعیہ کی طرف بلکہ اُن کی حجتیں محض ان کے شبہات ہوتے ہیں تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی یہ حجتیں شیعوں کی عقلی اور سمعی حجتوں سے کہیں زیادہ قوی ہوتی ہیں۔ سمعی تو اس لیئے کہ وہ قصداً جان بوجھکر جھوٹ نہیں بولتے۔ عقلی اِسلیئے کہ نصوص صحیحہ میں اُن کے شبہے شیعوں کے شبہوں سے بدرجہا قوی ہوتے ہیں اسکے علاوہ یہ تمام اہل بدعت حدیث اور آثار سے خوب ماہر ہوتے ہیں۔ مگر اُن کے مقابلہ میں ہمارے دوست شیعہ نورٌ علی نور ہیں۔ واللہ باللہ ثم باللہ ہم سچ کہتے ہیں کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے واقف ہمیں کوئی شیعی عالم نظر نہیں آیا۔ خود انکی کتابیں

اسکی شاہد موجود ہیں۔ جہاں تک مجھے تحقیق ہوا ہے اور میں نے شیعی مذہب کی کتابیں دیکھی ہیں بس میرا ہی دل جانتا ہے۔ کتاب شہادت کے اخیر حصّہ میں چند مشہور معروف کتابوں کا خلاصہ کرونگا جس کے پڑھنے سے پڑھنے والے کو یہ معلوم ہوگا کہ بوستان خیال کی ہم کوئی جلد پڑھ رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اجماع کی دو صورتیں اور شیعی علماء کی حجتیں

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اجماع کی دو صورتیں ہیں یعنی یا تو اُس میں کل امت کا قول معتبر ہوگا اور یا بعض کا کُل کا تو نہ ہونا صاف ظاہر ہے کیونکہ ساری اُمت کا اجتماع ہی نہیں ہو سکتا بلکہ سارے اہل مدینہ کا بھی اجماع نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اُس میں بعض کا قول ہونا معتبر ہے تو عثمان کے قتل کرنے پر اکثر کا اجماع ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس اجماع کے ماننے پر وہ بھی جائز اور شریعت کے موافق ہونا چاہیئے۔ فقط

جواب

یہ بھی عجب تماشہ ہے کہ جس حجت کو شیعی علماء ابوبکر کے لیئے کمزور قرار دیتے ہیں اپنی ضرورت کے لیئے موقع پر اُسی حجت کو خوب مضبوط کر کے دکھاتے ہیں۔ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ساری امت تو ایک طرف رہی اہل مدینہ کا بھی کسی ایک بات پر اجماع ہونا محال ہے پھر وہ کس مونہ سے کہتے ہیں کہ ابوبکر کی امامت پر چونکہ ساری امت کا اجماع نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ قابل قبول نہیں ہے ہم نے تو خود اپنے گزشتہ صفحات میں لکھا ہی کہ ہمیشہ کثرت رائے پر کل امور کا فیصلہ ہوا کرتا ہے اور اُسی کو اجماع قوم یا امت قرار دیا جاتا ہے اسکے علاوہ سب سے زیادہ اہل شوکت کا ایک بات کو مان لینا عوام کے ملکے ماننے سے بدرجہا قوی ہے۔ کیونکہ ان ہی اہل شوکت کے ہاتھ میں جہانداری کی باگ ہوتی ہے اور یہی کل امور ملکی فوجی اور مالی کا انصرام کرتے ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اہل شوکت کے اجماع کو کیوں امت کا اجماع نہ کہا جائے اور کیوں یہ تسلیم نہ کر لیا جائے کہ جس بات کی اہل شوکت نے تائید کی ہے اُسکی موئید یقیناً ساری امت ہے۔

اب بحث کا دوسرا پہلو امامت پر اجماع ہونے سے اگر وہ اجماع مقصود ہے جسکے ذریعہ سے امامت منعقد ہو جائے تو اس میں فقط اہل شوکت کی موافقت کا اقتضا ہے اس طرح پر کہ ان کے سبب سے امامت کے مقاصد جاری ہونے لگیں یہاں تک کہ جب اہل شوکت کے افراد کی تعداد کم

ہو اور باقی لوگ اُن کے موافق ہوں تو محض اُن کم تعداد کے بیعت ہو جانے سے امامت حاصل ہو جائیگی یہی کل مسلمانوں کا ٹھیک قول یہی ہے اور یہی مذہب امام احمد وغیرہ ائمہ مجتہدین کا ہی۔ ہاں اہل کلام یعنی متکلمین نے اہل اجماع کی علیحدہ علیحدہ ایک تعداد مقرر کر دی ہی مگر یہ اُنکی محض لغویت اور بیہودگی ہی۔

دوسری صورت دیکھو اگر اس اجماع کے ہونے سے استحقاق اور اولویت پر اجماع ہونا مراد ہی خواہ اکثر کا ہو یا جمہور کا ہو تو یہ بیشک معتبر ہے۔ الحمد للہ کہ ابو بکر کی خلافت پر یہ تینوں اجماع حاصل ہیں۔

اب رہا عثمان کا معاملہ اُسے ہم بالتفصیل گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہی کہ عثمان کے شہید کرنے پر فقط ایک چھوٹی سی جماعت کا اتفاق ہوا تھا اور وہ بھی مصر کے چند باغیوں کی ایک جماعت تھی جو ساری امت کا ایک لاکھواں حصہ بھی نہ تھی۔ اسپر بھی اجماع اجماع کہے جانا کتنا بڑا تماشہ ہے۔ دیکھو علی کا لشکر جسنے خود علی سے مقابلہ کیا قاتلوں میں سے نہ تھے بلکہ عثمان کا قاتل علی کے لشکر کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی اور یہ وہی جماعت تھی جسے ہم مصری باغی کہتے ہیں۔

اجماع کے دلیل نہ ہونیکی دوسری شیعی وجہ

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں کہ اُمت میں ہر ایک سے غلطی اور خطا ہونی جائز ہے لہذا اجماع کے وقت جھوٹ بولنے سے اُن کی حفاظت کرنے والا کون ہے اور اس اجماع پر اعتماد کر لینے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جب اجماع ایسی صفات سے ہو جائے کہ جو صفات احد میں یعنی ہر فرد واحد میں نہوں تو پھر اجماع کے حکم کو مثل ایک حکم کے کر دینا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ خبر دینے والوں میں سے ہر واحد سے غلطی ہونی اور جھوٹ ہونا تو ممکن ہے لیکن جب ایک ہی خبر اتنے آدمی دیں کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچ جائے تو پھر اُنپر غلطی اور جھوٹ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک لقمہ سے شکم سیری نہیں ہوتی اور ایک گھونٹ سے پیاس نہیں بجھتی اور شراب کی ایک پیالی سے چنداں نشہ نہیں ہوتا لیکن جب ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی تو لقمے شکم سیر کر دینگے۔ گھونٹ پیاس بجھا دینگے اور شراب کی پیالیاں نشہ کر دیں گی۔ علی ہذا القیاس ایک ایک آدمی جنگ نہیں کر سکتا اور جب بہت سے ہو جاتے ہیں تو انکا

ایک لشکر بن کے اُن میں جنگ کی قوت ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ کثرت۔ قوت اور علم وغیرہ کے زیادہ ہونے میں ضرور اثر کرتی ہے۔ اِسی واسطے حساب میں ایک یا دو آدمیوں سے تو غلطی ہو جاتی ہے لیکن جب بہت سے ہوتے ہیں تو پھر ویسی غلطی نہیں ہوتی جو ایک یا دو کے ہونے میں ہوتی تھی۔ اِسی لیئے حضورِ انور نے یہ فرمایا ہے کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

ہم بالاضطرار اور یقیناً جانتے ہیں کہ دو آدمیوں کا علم یعنی ایک چیز کو دو آدمیوں کا جاننا اُن ہی میں کے ایک آدمی کے جاننے سے بیشک زیادہ ہے اور دو آدمیوں کی قوت ایک آدمی کی قوت سے بیشک زیادہ ہوتی ہے۔ جیساکہ اُردو میں یہ مشہور مقولہ ہے کہ دو چون کے بھی بُرے ہوتے ہیں۔ اِس سے یہ نتیجہ بآسانی نکل آیا کہ اکیلے پن کی حالت میں غلطی ہونے سے کثرت کی حالت میں بھی غلطی ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے " ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ "، یعنی اگر ایک بھول جائے گی تو ایک دوسری کو یاد دلا دیگی۔ دیکھو روزمرہ کا مشاہدہ ایک آدمی سے تو پہلی تاریخ کے چاند کے دیکھنے میں غلطی ہو جاتی ہے بعض وقت اُس کا خیال بندھ جاتا ہے اور اُسے ایک روشن لکیر سی افق پر معلوم ہونے لگتی ہے لیکن بہت سے آدمیوں سے ایسی غلطی کا ہونا امکان سے باہر ہے۔

اِس سے کوئی اِنکار نہیں کر سکتا کہ جب بہت سے مسلمان جمع ہوں تو اُن سے فواحش اور ظلم کے اسباب بہ نسبت اُن کے کم ہوں گے جنکی تعداد کم ہو کیونکہ اجتماع کی حالت میں شرایع اسلام کی مخالفت پر سب کے سب جمع نہوں گے جیساکہ ایک یا دو کر لیتے ہیں۔ کثرت پر ضرور ایک دوسرے سے شرمائے گا کیونکہ اجتماع اور تمدن بغیر منصفانہ قانون کے ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ سب اہل مدینہ عام طور سے کسی ایک پر ظلم کرنے پر متفق ہو جائیں اگر ایسا ہو تو اُن کی زندگی کسی طرح زندگی نہیں ہو سکتی۔ دیکھو جب کوئی حاکم کسی رعیت پر ظلم کرتا ہے تو ضرور ایسا ہوتا ہے کہ اُسکے ظلم کرتے وقت اُس مظلوم کے ساتھی اُسپر ظلم نہیں کرتے اور یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ مجموعہ کا حکم افراد کے حکم کے خلاف ہوتا ہے۔ چاہے وہ مجموعہ اعیان کا ہو یا اعراض کا منجملہ بے انتہا مثالوں کے محسوسات میں ایک مثال یہ ہے کہ اگر ایک تیر ہو تو وہ تو مُڑنے سے ٹوٹ جاتا ہے اور اگر بہت سے ہو جائیں تو نہیں ٹوٹتے۔ تیر تو تیر ایک تاگے کو دیکھو کہ زیادہ تعداد ہونے پر ایک پہلوان بھی اُن تاگوں کو

نہیں توڑ سکتا۔ یہ باتیں ایسی معمولی ہیں کہ ہر شخص خواہ وہ کچھ بھی پڑھا لکھا نہو انھیں اچھی طرح سمجھ سکتا ہی۔
اسکے علاوہ اگر اجماع کی یہی کیفیت ہے کہ اس میں غلطی اور خطا ہونے کا اطمینان نہیں ہوسکتا تو پھر علی کا معصوم ہونا کسی طرح بھی ثابت نہ ہوگا کیونکہ شیعی عالم اسے اجماع سے مانتے ہیں اور خود یہ بیان کر رہے ہیں کہ اجماع ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ اور جب اجماع میں غلطی اور خطا ہوسکتی ہے تو پھر یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ امت میں اُن کے سوا اور کوئی بھی معصوم ہو اور اب یہ یقین نہ رہا کہ معصوم وہی ہیں۔ یہ بات اِس سے ثابت ہوگئی کہ شیعوں نے جو اجماع میں قدح کی ہی خود ہی اپنی بنیاد کو کھود ڈالا ہے۔ پھر بھی معصوم کی امامت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ امام معصوم ہونا ادھر باطل ہو رہا ہی اُدھر اس باطل ہونے سے شیعی مذہب ہیولہ سے بھی گر رہا ہے۔ اور اگر شیعی علماء اجماع کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ بھی ان کے مذہب میں سخت انتشار پیدا کرنے والی بات ہوگی۔ لہذا ان دونوں صورتوں میں شیعی علماء کی حجتوں کا بطلان ہوگیا۔

کیا علی کی امامت نص سے ثابت ہے

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ایک نص کا ثبوت جو امیر المومنین علی کی امامت پر دال ہے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب اگر اسکے خلاف پر صحابہ نے اجماع کر لیا تو وہ اجماع خطا ہوا۔ کیونکہ وہ اجماع جو نص کے خلاف ہو اہل سنت والجماعت کے نزدیک یقینا غلط اور خطا ہوتا ہے فقط

پہلا جواب

ہم ان دلائل کا باطل ہونا پہلے اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں جو اسپر دال ہیں کہ خلفاء ثلثہ علی سے امامت میں مقدم تھے

دوسرا جواب

تمام نصوص اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ خلفاء ثلثہ امامت میں علی سے مقدم تھے۔

تیسرا جواب

مشہور اجماع قطعی حجت ہوتا ہی نہ کہ سمعی۔ خاصکر اس حالت میں جبکہ بہت سی نصوص بھی اُس کے موافق ہوں۔ پس اگر ایک ایسی خبر کا وارد ہونا مان لیا جائے کہ جو اجماع کے خلاف ہی تو باطل اور غلط ہوگی یا تو اس وجہ سے کہ حضور انور نے ایسا نہیں فرمایا یا اس وجہ سے کہ اسمیں کسی قسم کی دلالت نہیں ہی۔

چوتھا جواب

مشہور نص اور اجماع میں تعارض ہونا ممتنع ہے کیونکہ یہ دونوں قطعی حجت ہیں اور قطعیات میں تعارض ہونا جائز نہیں ہے اس لیئے کہ ان کے مدلولوں کا ہونا واجب یعنی ضروری ہوتا ہی اگر ان میں کہیں تعارض ہو جائے تو نقیضین کا اجتماع لازم آئے گا۔ اور اگر کوئی شخص ایسے اجماع کا دعوےٰ کرے جو نص کے مخالف ہو تو دو باتوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی وہ یہ کہ یا تو وہ اجماع ہی باطل ہوگا یا اجماع صحیح اور نص باطل و غلط ہو گی اور جس نص کے خلاف پر امت کا اجماع ہو گیا ہو تو اسکی ناسخ بھی ضرور معلوم ہو گی۔

اب رہی یہ صورت کہ امت میں ایک نص مشہور ہو اور اُس کے خلاف پر اجماع ہو جائے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ معلوم اجماع اور مشہور نص ابوبکر کی خلافت پر اور ان کے ہوتے اور کسی کی بیعت کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر شیعی علمار کی نص جسپر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں اسکے جھوٹ ہونے کو ہم بالاضطرار جانتے ہیں اور اُس کے باطل ہونے کی بے شمار دلیلیں ہیں۔

ابوبکر و عمر کا اقتدا

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا اقتدوا باالذین من بعدی ابی بکر و عمر" یعنی میرے بعد ان دونوں کا اقتدا کرنا یعنی ابوبکر و عمر کا۔ یہ روایت ٹھیک نہیں ہے اول تو اس میں امامت کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ فقہا کے اقتدا کرنے سے انکا امام ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرے ابوبکر و عمر کا بہت احکام میں اختلاف ہے ایک کا قول کچھ ہے اور دوسرے کا کچھ ہے۔ اس لیئے دونوں مقتدا ہو ہی نہیں سکتے۔ تیسرے یہ حدیث جو سُنّی ہی روایت کرتے ہیں اسکے معارض ہی جیساکہ وہ کہتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم" یعنی میرے صحابی مثل ستاروں کے ہیں اُن میں جس کا تم اقتدا کرو گے ہدایت پر آجاؤ گے۔ باوجودیکہ اسپر سب سنیوں کا اجماع ہے کہ یہ سب صحابہ امام نہ تھے۔ اسپر بھی سب کے اقتدا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ فقط

پہلا جواب

باتفاق تمام محدثین کے یہ حدیث اُس نص سے زیادہ قوی ہے جسے شیعی علمار علیؓ کی امامت کے

بارے میں روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات محدثین کی تمام کتابوں میں مشہور ہے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں امام احمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے اپنے جامع میں اُسے روایت کیا ہی لیکن علی کے منصوص ہونے کی نص محدثین نے اپنی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی نقل نہیں کی اسکے باطل ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق اور اجماع ہی۔ ابو محمد بن حزم نے یہاں تک کہا ہے کہ شیعوں کے اس مدعا کی نص ہمیں کہیں نہیں ملی۔ سوائے ایک بالکل واہی تباہی روایت کے جس سے وہ منقول ہوئی ہے وہ بھی مجہول ہی اور جو نقل کرتا ہے وہ بھی مجہول ہی جسکی کنیت ابوالحمراء ہی ہمیں تو یہ بھی پتہ نہیں لگا کہ مخلوق میں اس کنیت کا کوئی ہے یا نہیں۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ باللذین من بعدی میں ان کے امام ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہی محض جھوٹ ہی۔ کیونکہ سمجھنے والے کے لیئے ان ہی الفاظ میں دلیل موجود ہے۔ حضور نے یہ صاف بیان کردیا ہے کہ میرے بعد میں یہ دونوں ہیں اور ان ہی کی اقتدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس اگر آپ کے بعد ہونے میں یہ دونوں ظالم ہوتے تو آپ اُن کے اقتدا کرنے کا کبھی حکم نہ دیتے کیونکہ ظالم کے اقتدا کرنے کا آپ کبھی حکم نہ دیتے تھے۔ وجہ یہ کہ ظالم اس لایق نہیں ہوتا کہ اُس کی اقتدا کی جائے اس کی دلیل خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "لاینال عھدی الظالمین" اِس سے معلوم ہوا کہ ظالم امام بننے کے قابل نہیں ہوتا۔ اور امام بنانا ہی اقتدا کرنا ہے۔ پس جب حضور انور نے اپنے بعد کے صحابی کی اقتدا کرنے کا حکم دیدیا او اقتدا کرنا ہی امام بنانا ہوا، باوجودیکہ پہلے حضور یہ بھی بیان فرما چکے ہیں کہ یہ دونوں میرے بعد ہوں گے اس سے معلوم ہوگیا کہ آپ کے بعد یہی دونوں امام ہیں اور یہی اصلی مدعا اور مطلوب ہی۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ان دونوں کا بہت سے مسائل میں اختلاف ہے بالکل غلط ہے شیخین کا اختلاف چھان بین کرنے کے بعد بھی ہمیں معلوم نہیں ہوا۔ ہاں کسی معمولی سی بات میں اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ گنتی میں نہیں ہی نہ اسکا کوئی اثر پڑ سکتا ہے اس میں بھی ان میں سے ایک سے دو روایتیں منقول ہیں۔ مثلاً میت کا بھائی ہوتے ہوئے دادا کو ترکہ ملنے کا مسئلہ کہ اسمیں عمر سے دو روایتیں ہیں۔ ایک ابوبکر کے قول کے موافق ہے اور دوسری خلاف ہے۔ ہاں مال فی کی تقسیم پر ان دونوں کا اختلاف ہوا تھا وہ یہ کہ آیا سب لوگوں کو مساوی دیا جائے یا کم زیادہ۔ اسمیں

کسی کو بھی ذرا شک نہیں ہی کہ مساوی دینا جائز ہے جیسا کہ حضور انور غنایم کو تقسیم کرتے تھے۔ یعنی غازیوں اور فی کے مستحقین کو برابر دیتے تھے۔ اختلاف فقط اس میں ہی کہ کم زیادہ دینا جائز بھی ہی یا نہیں۔ اسمیں فقہا کے دو قول ہیں وہی امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ غرض صحیح یہ ہی کہ کسی مصلحت کی وجہ سے ایسا کرنا بیشک جائز ہے کیونکہ غنائم اور فی کی تقسیم میں بعض اوقات حضور انور ایسا کرتے تھے لہذا جو کچھ دونوں خلفاء نے کیا اُسکے جائز ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہی باوجودیکہ عمر سے یہ بھی روایت ہی کہ اُنھوں نے اپنی اخیر عمر میں برابر ہی دینا اختیار کر لیا تھا اور ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ اگر میں آیندہ سال زندہ رہا تو تقسیم میں سکو ایک ہی دروازہ سے نکال دونگا۔ ہاں عثمان سے کم و بیش دینا مروی ہی اور علی سے برابر دینا مروی ہی پھر اس اختلاف کی ان دونوں کے ساتھ خصوصیت کیسی۔

یہ بات ایک ناسمجھ بھی سمجھ سکتا ہی کہ ایسی باتوں کا اختلاف اپنی اپنی مصلحت مبنی پر ہوا کرتا ہے اس سے کوئی نقصان نہ شریعۃ اسلامی پر پڑ سکتا ہی اور نہ قرآن مجید کی تعلیم اور نفس اسلام پر یہ اختلاف قدرتی ہی اور ضرور ہونا چاہیئے اس سے معاشر مسلمین کے تمدن کو ترقی اور انتظامات میں استواری پیدا ہوتی ہے۔ ایک خلیفہ کی رائے میں کسی شخص کو عہدہ دینا واجب ہی دوسرے کی رائے میں نہیں ہی اور ہر خلیفہ نے اپنی اپنی مصلحت سے نئے عہدہ دار بنا لیئے۔ یا گھوڑوں کا ایک مقام پر اصطبل ہی۔ ایک خلیفہ کو تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ یہ اصطبل بہت موزوں مقام پر ہی اُسنے وہیں رہنے دیا لیکن دوسرے خلیفہ نے اس کا مقام تبدیل کر دیا تو ایسا اختلاف ناجائز کیوں قرار دیا جاتا ہے اور امت مرحومہ ان دونوں مختلف باتوں کی اقتدا کرنے میں کیا نقصان اُٹھا سکتی ہی۔ ہاں دین کے اُصول کے بارے میں اگر کچھ اختلاف ہو تو بیشک امت کے حق میں نقصان رساں ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے کلام خدا ہونے یا رسول امین کے برحق نبی ہونے میں ابوبکر و عمر کا اختلاف ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ رسول اللہ کس طرح دونوں کے اقتدا کا حکم دے گئے جبکہ ان کے اختلاف دینی نے اُمت مرحومہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اب رہے انتظامی اُمور اُن میں دو امیر المومنین کا اختلاف ہونا سبب رحمت اور امت مرحومہ کی ترقی کا باعث ہی۔

شیعی علماء خالد کی معزولی و بحالی کا رونا روئیں گے کہ ابوبکر نے خالد کو سپاہ سالار بنایا تھا اور عمر نے اُسے معزول کر دیا۔ ہم کہتے ہیں ایک خالد کیا آپ ابوبکر کے کل مقررہ کئے ہوئے عمال کو نکالدیتے

تو بھی کوئی برائی نہ تھی۔ خالد ہی کو لو دونوں نے اپنے اپنے نزدیک مصلحت سمجھ کے عزل و نصب کیا تھا بشرطیکہ خالد کا معزول ہونا تسلیم کر لیا جائے حالانکہ ہم اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خالد معزول نہیں کیا گیا تھا بلکہ اُسے بجائے سپاہ سالاری کے مُلکی گورنر بنا دیا گیا۔ کیونکہ ملک پر ملک فتح ہوتے جاتے تھے اور اُن کا کوئی منتظم نہ تھا یہ مصلحت کے خلاف تھا اور ایک طرح سے محال تھا کہ ایک ہی شخص سالار لشکر بھی ہو اور وہی مُلکی انتظام بھی ساتھ ساتھ کرے اور میدان جنگ میں بھی ہر وقت حاضر رہے۔ چونکہ یہاں خالد کی بابت کوئی بحث نہیں ہے اس لیئے ہم اُسے طول دینا نہیں چاہتے اور اپنا اصلی مطلب بیان کرتے ہیں۔

سنئے وہ احکام جو شرائع کلیہ ہیں اُن میں ان دونوں کا اختلاف کیا تو نادر الوجود ہی یعنی کہیں کہیں شاذ و نادر اور یا سرے ہی سے مفقود ہے اور یا اسمیں ان دونوں میں سے ایک کے دو قول ہوتے ہیں حضور انور فرما چکے ہیں کہ میرے صحابی مثل ستاروں کے ہیں تم جس کا اقتدا کروگے ہدایت پر آجاؤ گے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ محدثین نے اسکے ضعیف ہونے کی شہادت دی ہی۔ بزاز کا قول ہی کہ یہ حدیث رسول اللہ سے ثابت نہیں ہی اور نہ یہ حدیث کی معتمد اور معتبر کتابوں میں نقل ہوئی ہی۔ اسکے علاوہ اس حدیث میں بعدی کا لفظ نہیں ہے اور حجت اصل میں اسی لفظ سے ہی دوسرے یہ کہ اس میں اُن کے اقتدا کرنے کا حکم نہیں ہی اور اسمیں اُنکے اقتدا کرنے کا صریح حکم ہی۔

ہم تو شیعی علماء کی اس دلیری کی داد دیتے ہیں کہ اپنا مقصد و مدعا ثابت کرنے کیلئے سُنیوں کی وہ حدیثیں بھی لے لیتے ہیں جو ضعیف و مردود ہوتی ہیں مگر اپنے مدعا کے خلاف صحیح سے صحیح حدیث کو بھی آنکھ بھر کے نہیں دیکھتے۔ اور جب اس علانیہ دلیری سے بھی مطلب حل نہیں ہوتا تو فوراً اُس ضعیف حدیث کی بھی کتر بیونت کر ڈالتے ہیں کچھ نکال لیتے ہیں اور کچھ بڑھا دیتے ہیں بیچارے بے پڑھے لکھوں یا معمولی پڑھے ہوؤں کی خرابی ہی کہ اس راز کا پتہ نہیں لگا سکتے اور بہت جلد چکمے میں آجاتے ہیں۔

یہ ستاروں والی حدیث موجودہ پڑھے لکھے مسلمانوں کی کتابوں میں مَیں نے دیکھی اور زبان سے سُنی ہی اور وہ اُسے صحیح سمجھ رہے ہیں اور ساتھ ہی لفظ بعدی بھی اُن کی کتابوں میں درج ہی۔ علم اس زمانہ میں جیسا ہی سب ہی جانتے ہیں دو کتابیں پڑھیں اور عربی سمجھ میں آنے لگی اور ہوئے کسیقدر ذہین بس علامہ بن بیٹھے سران ہی پر شیعی علماء وغیرہ کا افسون بہت جلد کارگر ہو جاتا ہی۔ کیونکہ نیم مُلا خطرہ ایمان کی

مسئلہ بالکل صحیح ہے۔ اس زمانہ میں مجھے ایسے سنی مولوی کے وعظ سننے کا بہت کم اتفاق ہوا ہے جو اپنے وعظ میں اپنی ہی کتابوں کی روایتیں بیان کرتا ہو۔ فی صدی دو شکل سے اسکی معتبر کتابوں کی ہوتی ہیں باقی اٹھانوے شیعی روایتیں ہوتی ہیں۔

ابوبکر اور قرآن مجید

شیعی علمار فرماتے ہیں کہ سنی ابوبکر کے امام ہونے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں کئی آیتیں اُن کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیئے شاہد ہیں اور خداوند تعالیٰ نے اُن کی بزرگی تسلیم کی ہو اور آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ مثلاً "سیجنبھا الاتقی" قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید" یعنی پیچھے رہے ہوئے اعراب سے تم کہدو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی (جنگ کی) طرف بلائے جاؤ گے۔ اس کی نسبت سنی کہتے ہیں کہ اس بلانے والے سے مراد ابوبکر ہیں کہ وہ جنگ بدر کے دن عریش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمدم و دمساز تھے اور اپنے نبی پر انھوں نے بہت کچھ خرچ کیا تھا اور رسول اللہ نے اپنی وفات کے قریب اُنھیں اپنی جگہ امام بنایا تھا اسپر شیعی علمار گوہر افشانی کرتے ہیں کہ نماز کے اندر ابوبکر کے ساتھ رہنے میں کوئی فضیلت نہیں ہی۔ یہ ہو سکتا ہی کہ رسول اللہ نے انھیں اسی اندیشہ سے اپنے ساتھ لے لیا ہو کہ کہیں یہ ہمارا راز نہ افشا کر دے۔ دوسرے یہ کہ آیت فضیلت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے تو اور بُرائی نکلتی ہی کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہی کہ لا تحزن سو یہ ابوبکر کے خوف زدہ ہونے اور بے صبر ہونے اور اللہ پر پورا پورا الیقین نہ ہونے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دینے اور اللہ کے قضا و قدر پر راضی نہ رہنے کی بہت بڑی دلیل ہی۔ (پھر شیعی علمار فرماتے ہیں) دوسرے یہ کہ اگر وہ رنج کرنا طاعت تھا تو اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہی کہ آپ طاعت سے منع فرمائے اور اگر وہ معصیت تھا جیسا کہ رسول اللہ کے منع فرمانے سے صاف پایا جاتا ہی تو سنی جسے فضیلت کہتے ہیں وہ رذیلت ہوئی۔ اسکے علاوہ غور کرنے کی بات ہی کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں رسول اللہ پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر ہوا ہی وہیں مومنین کو بھی اللہ نے آپ کے ساتھ شامل کر دیا ہی سوائے اس ایک موقع کے۔ لہٰذا اس میں بھی ان کی کوئی فضیلت نہیں رہی۔

پھر شیعی علمار یہ فرماتے ہیں کہ اب رہی آیہ سیجنبھا الاتقی۔ اس سے ابوالدحداح مراد ہی کیونکہ

اُسنے اپنے ہمسایہ کا ایک باغ خریدا تھا اور وہ باغ ایسا تھا کہ اُسکے عوض میں اُسکے مالک کو رسول اللہ بہشت میں ایک باغ دیتے تھے یہ سنکے اُسنے صاف انکار کر دیا۔ جب ابوالدحاح نے یہ قصہ سنا تو اُسنے اپنے باغ کے عوض مالک باغ سے باغ کو خرید کے ہبہ کر دیا اسپر رسول اللہ نے بہشت میں اُسکے عوض اُسے ایک باغ دیا۔

(پھر شیعی علما یوں موتی پروتے ہیں) کہ اسی طرح آیت قل للمخلفین من الاعراب ستدعون کے یہ معنی نہیں ہیں جو سُنی سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ ستدعون سے یہ مراد ہی کہ ہم تمھیں ایک قوم کے مقابلہ کے لئے بلائینگے نہ کہ ابوبکر بلائیگا۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے وہ لوگ مراد لیئے ہیں جو جنگ حدیبیہ میں جانے سے رہ گئے تھے اور اُنھوں نے یہ خواہش کی تھی کہ ہم خیبر پر چڑھائی کریں تو اللہ تعالیٰ نے قل لن تتبعون فرماکے اُنھیں منع کر دیا۔ کیونکہ خیبر کی غنیمت تو اُنھیں کا حصہ تھا جو جنگ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل للمخلفین من الاعراب ستدعون" مطلب یہ ہی کہ اب عنقریب ہی ہم تمھیں بڑی جنگجو اور زور آور قوم سے جنگ کے لیئے بلائینگے چنانچہ اسکے بعد رسول اللہ نے اُنھیں بہت سے غزووں میں بلایا یعنی غزوہ موتہ حنین اور تبوک وغیرہ میں۔ پس بلانیوالے رسول اللہ تھے نہ کہ ابوبکر۔

(پھر شیعی علما یہ فرماتے ہیں) اسکے علاوہ ہو سکتا ہی کہ یہ بلانے والے امیرالمومنین علی ہوں۔ کیونکہ اُنھوں نے بڑے بڑے جنگجو اور نبرد آزماؤں سے جنگ کی ہی۔ اب رہا یہ کہ جنگ بدر کے دن عریش میں ابوبکر رسول اللہ کے انیس تھے تو اس میں بھی کوئی فضیلت نہیں ہی۔ کیونکہ رسول اللہ تو اللہ ہی سے ایسا اُنس رکھتے تھے کہ آپ کو کسی انیس کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن چونکہ رسول اللہ دیکھ چکے تھے کہ لڑائی کے موقع پر ابوبکر کی کارروائی اور زیادہ بربادی کی باعث ہوتی ہی اسلیئے کہ بہت سے غزووں میں ابوبکر بھاگ چلے تھے اس وجہ سے آپنے اُنھیں اپنے ساتھ لے لیا تھا اور بس۔ غور کرو کہ جو جنگ سے بیٹھ رہے وہ افضل ہوگا یا جو اللہ کی راہ میں اپنی جان پر کھیلے وہ افضل ہوگا۔ دیکھو فضیلت تو یہ ہی کہ رسول اللہ کے بستر پر لیٹ کے علی اپنی جان پر کھیل گئے تھے اور کسی قسم کی ذرا پس و پیش نہ کی تھی۔

(پھر شیعی علما کا قول ہی) کہ رسول اللہ پر ابوبکر کا خرچ کرنا یہ بھی جھوٹ ہی کیونکہ ابوبکر کچھ مالدار آدمی نہ تھے اس لیئے کہ ان کے باپ تو ایک فقیر شخص تھے صرف ایک آدھ سیر دانوں کیلیئے عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانہ پر یہ آواز لگایا کرتے تھے۔ روزمرہ انھیں وہاں سے روٹی ملجایا کرتی تھی۔ پس اگر ابوبکر کچھ دولتمند ہوتے تو اپنے باپ کا خرچ ضرور اُٹھاتے۔ زمانۂ جاہلیت میں خود ابوبکر میانجی تھے بچوں

کو پڑھاتے تھے اور مسلمان ہو کے کپڑے سینے لگے تھے۔ یعنی درزی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ لوگوں نے انھیں منع بھی کیا تھا اسپر انھوں نے کہا کہ مجھے اپنے کھانے کے خرچ کی بہت ضرورت ہی۔ اسپر لوگوں نے بیت المال سے تین درہم روزانہ اُن کے مقرر کر دیئے۔

(پھر شیعی علماء یوں فرماتے ہیں) کہ رسول اللہ ہجرت سے پہلے خدیجہ الکبرےٰ کے مال کی وجہ سے بڑے دولتمند تھے۔ اُس وقت نہ آپ کو کہیں جنگ کرنے کی حاجت تھی نہ کسی لشکر کی تیاری کا فکر تھا۔ ہاں ہجرت کے بعد رسول اللہ کی بیشک یہ حالت نہیں رہی تھی۔ کیونکہ ادھر تو خدیجہ کا مال قبضہ سے نکل گیا اور اُدھر دشمنوں سے مقابلے ہونے لگے اسی طرح ہجرت کے بعد ابوبکر کے پاس بھی کچھ نہ رہا تھا یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر یہ خرچ کرتے تو انکے حق میں کوئی آیۃ نازل ہوئی ہوتی جیسا کہ علی کے حق میں ھل اتیٰ نازل ہوئی۔ مگر جب ان کے حق میں کوئی آیۃ نازل نہیں ہوئی تو یہ اس روایت کے جھوٹے ہونیکی صریح دلیل ہی جسمیں ابوبکر کے خرچ کرنیکا ذکر ہے۔

(پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) باقی ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لیئے امام بنانا یہ بھی لوگوں کی غلط فہمی ہی۔ اسکی اصلیت یہ ہی کہ جب بلال نے اذان دی تو رسول اللہ بیہوش تھے عائشہ نے خود ہی بلال سے کہدیا کہ ابوبکر کو امام بنادو۔ انھوں نے بنادیا جب رسول اللہ کو ہوش آیا تو آپنے اللہ اکبر کی آواز سنی۔ دریافت کیا کہ نماز کون پڑھا رہا ہی۔ حاضرین نے کہا ابوبکر۔ آپنے فرمایا مجھے لیچلو چنانچہ آپ علی اور عباس کے کندھوں پر سہارا لیئے ہوئے تشریف لائے اور ابوبکر کو قبلہ کی طرف سے ہٹا کے نماز سے علیحدہ کر دیا اور خود نماز پڑھانے لگے۔

بس آپنے دیکھ لیا سُنیوں کی دلیلوں کا یہ حال ہی۔ عاقل انصاف کی نظر سے دیکھے اور حق کی پیروی کرنیکا قصد کرے اور خواہش کی پیروی چھوڑ دے۔ باپ دادا کی تقلید کو بالائے طاق رکھدے کیونکہ اس سے اللہ جل جلالہ نے منع فرمایا ہی۔ دیکھو مستحق کو اُسکا حق پہنچاتے اور اُسے حقدار تسلیم کرنے میں تم غافل نہ رہو اور نہ اُسے اُسکے حق سے روکو۔

جواب

شیعی علماء کی قابلیت منطقی استدلال اور واقفیت عامہ کا یہ نچوڑ تھا جو آپنے ملاحظہ فرمایا یعنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کے اُنھوں نے ابوبکر کی فضیلت کو باطل کرنا چاہا ہی۔ یہاں اُن کی پوری قوت

صرف ہوگئی ہی۔ ترکش میں سے کل تیر نکل چکے ہیں۔ اب اس سے زیادہ گنجائش نہیں ہی اب ہم اسکا جواب دیتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جتنی باتیں شیعی علماء نے پیدا کی ہیں وہ خود انکی ساختہ و پرداختہ ہیں۔ نفس معاملہ سے انھیں کچھ بحث نہیں خود ہی باتیں یا واقعات تصنیف کئے اور خود ہی اُنپر اعتراض کر دیئے مسلمانوں کے کسی فرقہ نے بھی ایسی باتیں نقل نہیں کی ہیں۔ اُن کے کانوں میں بھی ایسی آوازیں نہیں آئیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہی کہ ایک یا کئی اشخاص پھونک مار کے اللہ کے نور کو بجھا دیں شیخین کے فضائل کو ساری دنیا مان گئی ہی اور اُن کی بزرگی ہر عاقل کے نزدیک سب کی بزرگی سے زیادہ ظاہر و باہر ہے لیکن ہمارے دوست شیعی علماء حقایق کو پلٹنا اور بدلنا چاہتے ہیں مگر یہ کب ممکن ہی۔ حق کی تکذیب لوگ کرتے ہیں مگر اوندھے مونہ گر پڑتے ہیں اور اخیر میں حق حق ہی رہتا ہی۔

فضیلت غار

شیعی علماء کا یہ کہنا کہ غار میں ابوبکر کا ساتھ ہونا کچھ فضیلت پر دلالت نہیں کرتا محض غلط اور بالکل غلط ہی۔ اسکی شہادت تو خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں اس طرح دیتا ہی " اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا " یعنی اے ابوبکر تم رنج نہ کرو کیونکہ اللہ تو ہمارے ہی ساتھ ہی۔ گویا رسول اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ میرے ساتھ ہی اور میرے ساتھی کے ساتھ ہے۔ جیسا اللہ نے موسیٰ اور ہارون کے لیئے فرمایا " انی معکما اسمع و اریٰ " یعنی میں تم دونوں کے ساتھ ساتھ ہوں سنونگا بھی اور دیکھونگا بھی۔ صحیحین میں انس سے مروی ہی اور وہ ابوبکر سے روایت کرتے ہیں جب ہم غار میں تھے تو میں نے مشرکین کے قدموں کو اپنے سروں پر پاکے رسول اللہ سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی اُن میں سے اپنے پیروں کی طرف دیکھنے لگے تو اُسے ہم فوراً نظر آجائینگے۔ آپنے فرمایا اے ابوبکر تمھارا کدھر خیال ہی۔ تمھیں معلوم نہیں کہ دو کے ساتھ تیسرا اللہ بھی ہی۔ یہ حدیث ایسی ہی کہ اسکے صحیح ہونے۔ اسکے مقبول عام ہونے اور اس کی تصدیق کرنے پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہی اور اسمیں ایک بڑا وصف یہ ہی کہ اس حدیث میں کبھی دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ لہذا یہ ایسی حدیث ہوئی جسکے معنی پر قرآن شریف دلالت کرتا ہی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہی " اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا "

خوب غور کر کے پڑھو کہ قرآن شریف میں معیت کی دو قسمیں ہیں ایک عامہ دوسری خاصہ

عامہ یہ ہے "وھو معکم اینما کنتم الآیۃ" اسی طرح ولا ادنیٰ من ذالک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیامۃ الآیۃ" تو یہ معیت عام ہوئی - ہر دو سرگوشی کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے - اسی طرح پہلی آیۃ تمام خلقت کو شامل ہے - جب اللہ نے معیت میں یہ بیان کر دیا کہ تین کا چوتھا اور پانچ کا چھٹا میں ہوتا ہوں - اسلئے نبی نے اپنے صدیق سے کہا کہ دو کا تم کیا خیال کرتے ہو ان میں تو تیسرا اللہ ہے کیونکہ جب وہ دو کے ساتھ ہوا تو دو کا تیسرا ہوگا جیسی کہ قرآن شریف کی یہ آیۃ اس حدیث کے صحیح معنی پر دال ہے - اور اگرچہ یہ معیت خاصہ ہے اور وہ عامہ ہے - لیکن اس آیۃ میں بھی معیت خاصہ ہی سمجھنی چاہیئے - جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون سے فرمایا تھا "ولا تخافا انی معکما اسمع و اریٰ" تو یہ اُن ہی دونوں کے ساتھ مخصوص ہے - فرعون اور اُس کی قوم کا اس سے کچھ تعلق نہیں ہے - حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ اور ہارون کے ساتھ تھا - فرعون کے ساتھ نہ تھا - اسی طرح جب رسول اللہ نے ابوبکر سے یہ فرمایا تھا کہ تم رنج نہ کرو اللہ تمھارے ساتھ ہے تو اس سے مراد یہ تھی کہ ہمارے ہی ساتھ ہے ان مشرکین کے ساتھ نہیں ہے جو ہمارے دشمن ہیں اور ہمیں تلاش کرتے پھرتے ہیں - جیساکہ وہ مشرک جو اس غار پر کھڑے تھے کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کو دیکھتا تو اپنے قدموں کے نیچے یعنی غار کے اندر کا حال سار معلوم ہو جاتا - ایسی ہی یہ آیۃ ہے "ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون" یہ بھی ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے بے صبر اس میں شامل نہیں ہیں -

ابوبکر کی فضیلتیں جو رسول اللہ کے ساتھ غار میں ہونے کی قرآن مجید سے ظاہر ہوتی ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بابت اپنے رسول کی ایسی حالت میں مدد کرنے کو بیان کیا ہے کہ اُس وقت عام طور پر لوگوں کے قدم ڈگمگا جایا کرتے ہیں - چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار" یعنی اُنھوں نے ایسی حالت میں نکالا تھا کہ ہمارے نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا - سوائے ایک آدمی (ابوبکر) کے پس اللہ نے اپنے رسول کی مدد کی - پھر فرمایا "اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا" یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر کا وہ ساتھی جو انتہا درجہ کا مہربان محبت رکھنے والا اور ساتھ دینے والا تھا اُسے رنج ہوا - کیونکہ انسان کو خوف کی حالت میں اُس شخص کا رنج ہوتا ہے جس سے اُسے محبت

ہو دشمن کے ہلاک ہونے کا اگر کوئی سبب منعقد ہو جائے تو آپ پر رنج نہیں ہوا کرتا۔ پس اگر ابوبکر کو حضور انور سے بغض ہوتا جیسا کہ مفتری کہتے ہیں تو رنج کا پھر کام ہی کیا تھا۔ اور نہ حضور انور رنج کرنے سے انھیں منع کرتے۔ بلکہ یہ دل ہی دل میں باغ باغ ہوتے اور خوشیاں کرتے اور مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے۔

اسکے علاوہ اگر مفتری یہ کہے کہ ابوبکر نے اپنی ظاہر صورت رنج کی ایسی بنالی تھی کہ رسول اللہ کو دھوکا ہو گیا اور اصلی راز نہیں معلوم ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیسا ہی کم عقل سے کم عقل شخص ہو ایسی حالت میں جبکہ اسکے کل ہموطنوں نے اُسے نکال دیا ہو اور اُسکی جان کے دشمن بنگئے ہوں اور وہ ایک ایسے مشتبہ شخص کو ایسی نازک حالت میں اپنے لیئے منتخب کرے۔ رسول اللہ جیسے اولوالعزم پیغمبر کی علانیہ الفاظ میں توہین کرنی ہے۔ وہ اولوالعزم پیغمبر جو عقل۔ علم اور تجربہ میں سب سے زیادہ کامل ہو۔

پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ نے ابوبکر کو اس اندیشہ سے ساتھ لے لیا ہو کہ یہ ہمارا راز نہ کھولدے یعنی ہمارے جانے کی اہل مکہ کو خبر نہ کردے۔ اس کے بطلان اور غلط ہونے کی اتنی صورتیں ہیں جو شمار میں مشکل آسکتی ہیں۔ مثلاً قرآن سے یہ یقیناً معلوم ہو چکا ہی کہ ابوبکر کو حضور انور سے محبت تھی لہذا شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ابوبکر کو رسول اللہ سے عداوت تھی باطل ہو گیا۔

دوسرے تواتر معنوی سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضور انور سے محبت کرنے اور آپ پر ایمان لانے میں ابوبکر کو ساری مخلوق سے زیادہ خصوصیت تھی اور وہ تواتر ایسا ہے کہ اُس سے اور لوگوں کی بعض صفتوں کا تواتر لگا نہیں کھاتا۔ یعنی علی کے موالات کی باتیں جو معنوی تواتر سے ثابت ہیں اسکے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔

اور تو اور آپ کو یہ سن کے تعجب ہو گا کہ بعض شیعہ ایسے بھی ہیں جو سرے سے اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ابوبکر غار میں رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ بعض نے رسول اللہ کے پاس شیخین کے دفن ہونے کا بھی انکار کیا ہو۔ انکی مثال بالکل ان لوگوں کی ہی جو یہ کہتے ہیں کہ حسنین علی کے نہیں بلکہ سلمان فارسی کے بیٹے تھے۔ پھر وہ لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ علی اور معاویہ دو فرضی نام ہیں۔ ان ناموں کے اشخاص جنھوں نے کوئی حکومت کی یا آپس میں لڑے دنیا ہی میں پیدا نہیں ہوئے۔

اب پھر نئے سرے سے ابوبکر کے غار میں ساتھ ہونے پر نظر کرو اور واقعات کو دیکھو کہ وہ خود

ان ناپاک افترا پردازیوں کی تردید کرتے ہیں۔ جس اونٹ پر حضور انور نے بیٹھ کے ہجرت کی وہ اونٹ ابوبکر کا تھا۔ آپ نے جب ہی اُسے خریدا تھا۔ غار میں ایک دو یا زیادہ بار ابوبکر کے بچے کھانا دینے چھپ چھپا کے آیا کرتے تھے۔ حضور انور نے ہجرت کرتے وقت صرف ابوبکر کا انتخاب کیا اگر ابوبکر حضور انور کو گرفتار کرانا چاہتے تو جب مشرک سروں پر آ کھڑے ہوئے تھے تو کیا ایک اشارہ نہ کر سکتے تھے۔ نہ حضور نے اُن کی مشکیں کس رکھی تھیں اور نہ اُنکا منہ بھینچ رکھا تھا نہ ابوبکر کو یہ خوف تھا کہ ہوں کی اور نبی نے گردن اُڑا دی۔ غضب خدا کا ایسے فدائی رسول کی نسبت ایسی دل آزار باتیں بنائی گئی ہیں کہ دوسری قوموں کے محقق اور مصنف افسوس کرتے ہیں۔ ایک ناسمجھ سے ناسمجھ شخص بھی یہ باتیں نہیں سمجھ سکتا نہ انپر دہیان کر سکتا ہی۔ اندہیر تو دیکھیے کہ تاریکی کو نور اور نور کو تاریکی بنا دینا اور پھر اسپر فخر کرنا یہ دعوائے اسلام ہی۔

بعض شیعی شعرا نے صدیق اکبر کی مذمت میں قصیدوں پر قصیدے لکھ ڈالے۔ ان قصائد کی جو داد آسمان کی طرف سے دیجائیگی وہ تو دیجائیگی۔ مگر دنیا میں بھی پوری داد مل گئی۔ اور دیکھنے والوں نے ایسے شاعروں کو مجانین کی فہرست میں لکھدیا۔ منجملہ صدہا بے سروپا اشعار کے ایک شعر یہ ہے جس سے قایل کی سخت بدحواسی معلوم ہوتی ہی

بس کن حدیث غار کہ عار است نزد عقل   آن حزن و بے قراری شیخ معظم

تماشۂ جنون دیکھیے کہ حقیقی عشق سے عار کی گئی ہی۔ حقیقی عشق کا یہ حزن و بے قراری ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ اور ثبوت ہے۔ ایک عاشق زار اپنے محبوب کی خدمت میں حاضر ہے اُسکے محبوب کو اُسکے دشمن قتل کرنے کے لیئے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ یہانتک کہ دشمن بالکل قریب آ گئے اور اتنے قریب کہ اگر وہ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو اُنھیں اُس عاشق جانباز کا محبوب نظر آ جائے۔ اب تم بلا رو رعایت بے بس عاشق کی حالت پر خیال کرو کہ اُسکے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔ یقیناً یہ مسئلے ہر شخص شہادت دیگا کہ مارے خوف کے وہ کانپ رہا ہوگا۔ اُسکے تن بدن میں لرزہ ہوگا اُسکے چہرہ پر ہوائیاں اُڑتی نظر آئیں گی اور وہ کبھی اپنے محبوب کی مظلومیت پر نظر کرے گا کبھی اپنی بے بسی پر اور پھر اپنی نظروں نیچے کریگا اور اسی حالت میں اُسکے مونہ سے یہ بے ساختہ نکل جائیگا ہائے ہم تو یہاں دو ہی ہیں۔ یعنی دشمنوں کی تعداد تو اتنی ہی اور ہم دو ہی ہیں۔ اِس پاک اور مقدس اضطراب سے ایک روحانی تموج روحانی سمندر میں اُٹھتا ہی اور اس تموج کی موجیں بلند ہوتے ہوتے آسمان تک پہنچ جاتی ہیں اور پھر غیرت حق کو

حرکت ہوتی ہے اور آسمان سے یہ آواز اُٹھنے لگتی ہی لائے عاشق صادق تو اس بات سے کیوں غم کھاتا ہی۔ میں بھی تیرے ساتھ ہوں تو گویا تو بجائے دو کے تین سمجھ۔ یہ تیسرا وہ ہے جو صاحب جبروت و قوت ہے اور جس طرح اسکے ایک لفظ کُن کے کہنے سے تمام کائنات پیدا ہوگئی اسی طرح ایک دوسرا لفظ کہنے سے وہ فنا ہو سکتی ہی تو جس کی طاقت کی یہ کیفیت ہو اُسکا ساتھ ہونا کس قدر ڈھارس بندھوا سکتا ہی۔ اور اُسکے یہ دو برگزیدہ بندے کیسے اولوالعزم بن سکتے ہیں۔

اِس اطمینان دینے پر بھی اگر صدیق اکبر اسی طرح پریشان رہتے تو اس خیال کرنے کی شاید گنجایش نکل آتی کہ آپ کو جب خدا پر بھروسہ نہ ہوا تو آپ کا ایمان اپنے معبود پر کیسے استوار ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں اسکا وہم بھی نہیں ہے۔ آپ آسمانی تسکین پاتے ہی اپنے محبوب کو ساتھ لیکے درانہ غار کے باہر نکل کھڑے ہوئے اور بحفاظت مدینہ پہنچ گئے۔

کیا کہوں کہ کس قدر خیالی ناپاک رَو میں حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے یار غار اور فاروق اعظم کی اطہر و اقدس شان میں گستاخی کی گئی ہے ایسی گستاخی جسکی حد انتہائے شقاوت قلبی اور شیطانی شرارت پر ختم ہوتی ہی۔ یعنی بعض غالی یہ کہتے ہیں کہ شیخین کی قبریں جو رسول کے قریب بنی ہوئی ہیں یہ محض اسلیئے ہیں کہ رسول اللہ اپنی آنکھوں کے سامنے اُن پر عذاب ہوتا ہوا دیکھیں اور یوں ہی قیامت تک دیکھتے اور دل ٹھنڈا کرتے رہیں۔

کتنے غضب کا مقام ہے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کیسا بیباکانہ حملہ ہے کہ آپ کی سفاکی خونخواری اور انتقام کی آگ ایسی بھڑکی کہ کسی طرح بجھنے میں نہیں آتی نہ ایک دن نہ دو دن اور نہ کئی صدی ایسا سنگدل تو دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا۔ آپ خیال فرمائیے کہ محض صحابہ کی دشمنی میں ان لوگوں کو نہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے میں باک ہوتا ہے اور نہ خاندان نبوت یا اہل بیت کو۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر مثل علی کے ابوبکر و عمر یا عثمان کی قبر غائب غُلہ ہو جاتی تو پھر دیکھئے شیعی اصحاب کیسی باتیں چھانٹتے اور کیا کیا چہ میگوئیاں کرتے کہ ظالم کا بیج ہی مار دیا۔ اور اُس کی ناپاکی سے زمین کو پاک کر دیا اور غیرت حق اسکی مقتضی ہوئی کہ نہ صرف اُسے فنا کا برقع اُڑھایا جائے بلکہ اُس کی قبر تک برباد کر دی جائے۔ مگر ہم حضرت علی کی شان میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔ شیعی اصحاب کو اختیار ہے کہ خواہ کچھ ہی کسی صحابی کی نسبت کہا کریں ہمیں اس سے کیا مطلب ہر شخص

اپنی باتوں کا آپ جواب وہ ہے انسان کے ہر فعل سے اُسکے اخلاق اور شرافت کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور یہ ہی کافی ہے۔

صحابہ کو حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ عشق تھا وہ سب جانتے ہیں اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ صحابہ کے سرتاج ابوبکر کا سب سے زیادہ حضور انور سے محبت رکھنا اور آپکی ہر طرح سے حمایت لینا ایسا تھا جسے مسلمان۔ کفار۔ فجار اور ابرار سب جانتے تھے۔ بلکہ زندیقوں کا بھی ایک فرقہ ایسا ہوا ہے جسکے پیرو یہ کہتے ہیں کہ دین اسلام پر باطن میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر سب سے اول ہیں۔ اور پھر عمر لیکن عمر ان دونوں کے بھید سے واقف نہیں ہیں۔ اسکی تو بالکل یہ مثال ہو کہ آفتاب کو آدمی سے لگا کے جانور تک سب دیکھتے اور اپنی اپنی زبان میں اُسکی شہادت دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ علی در پردہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے۔ خلفاء ثلثہ کی حکومت میں وہ آپ کے دین کو خراب اور برباد کرنے سے مجبور رہے اور اُن کا کچھ قابو نہ چلا اور جب یہ اکابر صحابہ جہان سے رخصت ہو گئے اور صرف علی ہی علی رہ گئے تو اُن کا چھپا ہوا زہر ابھر آیا اور اب اُنھوں نے دین خدا کی بربادی پر مستعدی سے کمر کس لی۔ مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور باہم مسلمانوں کو اس قدر کٹوایا کہ اُنکے پاک خون سے زمین لال ہو گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ اسی حیلہ سے کل مسلمانوں کو نیست و نابود کر دوں۔ اور بڑا بوڑھا بچہ سب کو یکساں ایک دوسرے کے مقابلہ میں کٹوا دوں۔ لیکن یہ خدا کو منظور نہوا اور وہ مجبور ہو گئے اُنھوں نے اپنی طرف سے اسلام کے برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ مگر جبکہ خداوند تعالے نے اپنے پاک کلام میں اس دین کی حفاظت کا وعدہ کر چکا تھا اخیر اُسنے علی کے خونخوار چنگل سے اپنے دین اور بے گناہ مسلمانوں کو بچا لیا۔ علی کو مسلمانوں۔ زاہدوں اور اتقیا نے اپنا پیشوا نہیں مانا بلکہ زندیقوں منافقوں اور پیغمبر خدا سے سخت عداوت رکھنے والوں نے آپ کو اپنا سرتاج بنا لیا مثلاً قرامطہ۔ اسماعیلیہ اور نصیریہ ہیں جنھیں علی کی طرف نسبت دی گئی ہے اور یہ ہی لوگ علی کو اپنا ہادی اپنا رہنما اور اپنا امام مانتے ہیں۔ غرض اسلام کا جو دشمن تم دیکھو گے وہ اپنے اس مقصود پر علی کی موالات ظاہر کر کے ایسی اعانت حاصل کرے گا کہ ابوبکر عمر کے موالات ظاہر کرنے پر اُسے ایسی اعانت ملنی ممکن ہی نہ تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ علی کو حضور انور سے محبت ہونے کا دعویٰ کرنے میں جو شبہ ہے یہ ابوبکر کو

عداوت ثابت کرنے کا دعویٰ علی کرنے کے شبہ سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ہاں اسمیں شک نہیں کہ یہ دونوں شبہے باطل در غایت ہیں جنکا فساد بالاضطرار معلوم ہے لیکن وہ حجتیں جو ابوبکر کی بابت اس دعوے کے بطلان پر دال ہیں ان حجتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کے ہیں جو علی کے حق میں اسکے بطلان پر دال ہیں۔ پس جب علی کے موالات کے ثبوت پر حجت صحیح ہے اور انکی عداوت کا نا ثابت ہونا ظاہر ہے تو اسیطرح ابوبکر کے موالات کی حجت بدرجہ اولیٰ صحیح ہے اور انکی عداوت کی حجت بدرجہ اولیٰ یقیناً باطل ہے۔

شیعی علمار کا یہ فرمانا کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو اس اندیشہ سے ساتھ لے لیا تھا کہ وہ آپ کا جانا نہ ظاہر کر دیں۔ یہ باتیں ایسے شخص کی ہیں جو نفس واقعہ سے محض نابلد ہے۔ کیونکہ حضور انور کا مکہ معظمہ سے چلنا تو ظاہر تھا۔ جس شب کو آپ وہاں سے چلے ہیں اسکی صبح ہی کو اہل مکہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپنے مکہ کو چھوڑ دیا ہے۔ اسی خبر پر انھوں نے کل راستوں کے ناکوں پر آدمی دوڑا دیئے اور شہر میں یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی محمد و ابوبکر کو پکڑ کے لائیگا ہم اسے علیحدہ علیحدہ دو آدمیوں کی خونبہا دینگے۔ تو اب ابوبکر سے اندیشہ کرنے کی کونسی صورت رہی۔ اسکے علاوہ مشرکین کا یہ وعدہ کرنا کہ جو شخص ابوبکر کو لائیگا ہم اسے ایک خونبہا دینگے اس امر کی پختہ دلیل ہے کہ انھیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ ابوبکر محمد کے نفس ناطقہ ہیں اور انھیں محمد سے کامل محبت ہے اور یہ ہمارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اگر در پردہ ابوبکر ملے ہوئے ہوتے تو انکی گرفتاری پر قریش ایک خونبہا دینے کا وعدہ نہ کرتے۔

پھر اور ملاحظہ کیجئے کہ حضور انور رسول خدا رات کو روانہ ہوئے تھے آپکے روانہ ہونے کی نیت اور روانگی کے وقت سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں اوروں کو نہ معلوم ہوا ابوبکر کو ضرور معلوم ہو گیا تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ چاہتے تو ایسے وقت روانہ ہو سکتے تھے کہ ابوبکر کو اس کی مطلق خبر نہ ہوتی۔ کیونکہ آپ کی روانگی کی اور کسی کو مطلق خبر نہیں ہوئی۔ محض اس وجہ سے کہ آپ نے اسکا اظہار نہیں چاہا تھا۔ رسول خدا کا تو کچھ کہنا نہیں معمولی معمولی آدمی ایسے ایسے کام کر بیٹھتے ہیں کہ ان کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ تو پھر رسول خدا جیسا مدبر اور روشن ضمیر اس بات کو چھپانا چاہتا اور وہ نہ چھپتی۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات غور طلب ہے جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ خود ابوبکر نے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی رخصت مانگی تھی لیکن حضور نے اجازت نہیں دی یہانتک کہ [illegible] کے ساتھ ہجرت کی اور حضور نے تنہائی میں انھیں اپنے ارادہ ہجرت کی خبر کر دی۔

امام بخاریؒ نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں مجھے اپنے والدین کی کسی بات کی کچھ خبر نہ تھی۔ ہاں اتنا میں دیکھتی تھی کہ دونوں بڑی ہی رازداری برتتے ہیں اور ان دنوں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ رسول اللہ ہمارے ہاں نہ آئے ہوں۔ ایک بار نہیں بلکہ صبح شام دونوں وقت رسول اللہ تشریف فرما ہوتے تھے۔

جب مکہ میں مسلمانوں کو بہت تکلیف ہونے لگی اور پانی سر سے گزر گیا تو آخیر ابوبکرؓ مکہ کو چھوڑ کے جنت روانہ ہو گئے جب آپ برک عماد میں پہنچے تو وہاں انھیں ابن الدغنہ ملا۔ اُسنے تعجب سے دریافت کیا۔ ہائیں ابوبکر تم کہاں جاتے ہو۔ ابوبکر نے کہا میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ سیاحی کرتا پھروں اور اپنے خدائے احد کی عبادت میں زندگی گزار دوں۔ ابن الدغنہ نے کہا نہیں ابوبکر ایسا نہیں ہو سکتا بھلا تم جیسا شخص بھی اپنا گھر چھوڑا کرتا ہے کیونکہ تم مفلس اور نادار کی مدد کرتے ہو۔ صلہ رحمی کرتے ہو۔ دوسروں کا بوجھ اُٹھاتے ہو۔ مہمان نوازی کرتے ہو۔ نوائب حق پر اعانت کرتے ہو۔ اب تم سے ذمہ کرتا ہوں کہ تمھیں کوئی کچھ نہ کہے گا تم اپنے ہی شہر میں اپنے اللہ کی عبادت کیا کرنا۔ اخیر صدیق اکبر واپس مکہ چلے آئے۔ ابن الدغنہ بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ مکہ میں داخل ہو کے اشراف قریش سے کہتا پھرا کہ ابوبکر جیسے شخص کو تم مکہ سے نکالتے ہو۔ ان جیسے آدمی نہیں نکالے جا سکتے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو ہر ایک کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتا ہے دوسروں کا بوجھ اپنے ذمہ لیتا ہے مہمان نوازی کرتا ہے۔ نوائب حق پر اعانت کرتا ہے۔

ابن الدغنہ کے اِس کہنے سے قریش متاثر ہوئے اور ابن الدغنہ کی ذمہ داری پر ابوبکر کو امن دیدیا مگر یہ کہدیا کہ ابوبکر کو سمجھا دو کہ وہ اپنے ہی گھر میں اپنے اللہ کی عبادت کیا کریں نماز وغیرہ جو چاہیں پڑھیں لیکن ہمیں نہ اپنی عبادت دکھائیں نہ نماز کے الفاظ ہمارے کان میں ڈالیں زیادہ آواز بلند نہ کریں کہ ہماری عورتیں اور بچے سنیں اور خراب ہو جائیں۔ بس پھر ہمیں ابوبکر سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ وہ جانیں اور اُن کا کام۔

ابن الدغنہ نے یہ ساری باتیں ابوبکر سے کہدیں ابوبکر نے ان ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا اور اب سے اپنے ہی گھر میں پاک پروردگار کی عبادت کیا کرتے اور اپنے گھر کے سوا کہیں جا کے قرآن شریف آواز سے پڑھتے اور نہ نماز۔ ہاں ابوبکر نے یہ ضرور کیا کہ اپنے مکان کے صحن میں ایک

مسجد بنالی قرآن شریف اور نماز وغیرہ وہیں پڑھا کرتے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے اوپر چڑھ چڑھ کے اُنھیں دیکھتے تھے اور چپ چاپ خاموشی سے سنا کرتے۔ ابو بکر کا پڑھنا اُنھیں بہت مرغوب ہوا۔ کیونکہ ابو بکر بہت رقیق القلب تھے۔ قرآن پڑھتے پڑھتے زار زار روتے تھے کہ ہچکی بندھ جاتی تھی۔ آنسو جاری ہو جاتے تھے اور بڑی دیر تک نہ تھمتے تھے۔ اشراف قریش یہ کیفیت دیکھ کے گھبرا گئے۔ اُنھوں نے ابن الدغنہ کے پاس آدمی بھیجا وہ سنتے ہی لپک کے آیا۔ سب قریشیوں نے اُس سے شکایت کی کہ یہ یہ سانگ ہو رہا ہی تجھے یاد ہوگا کہ ابو بکر کے بارے میں ہمارا تیرا کیا معاہدہ ہوا تھا ہم نے ابو بکر کو محض اس شرط پر رہنے دیا تھا کہ وہ خاموشی سے اپنے گھر ہی گھر میں عبادت کر لیا کریں مگر وہ اس سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے صحن مکان میں مسجد بنالی ہی اور بہت بلند آوازی سے قرآن پڑھتے ہیں۔ اس صورت سے ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں کے خراب ہو جانے کا بہت اندیشہ ہے۔ لہٰذا تم ابو بکر کے پاس جاؤ اگر وہ اس بات کو منظور کریں کہ اپنے گھر ہی گھر میں عبادت کیا کریں تو خیر اور جو اسپر راضی نہ ہوں اور قرآن مجید آواز ہی سے پڑھنے پر اصرار کریں تو تم فوراً اپنی اس پناہ کو واپس لے لو جو تم نے ہم میں اور اُن میں درمیان پڑکے دلوائی تھی اور صاف کہدینا کہ میں تمھارا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ تمھاری وعدہ شکنی ہمیں ناگوار گزرتی ہی۔ یاد رکھنا ابو بکر اگر بآواز بلند قرآن مجید پڑھے گا تو ہم اُسے یہاں کبھی نہ رہنے دینگے

ابن الدغنہ نے قریشیوں کے اس کہنے کو سُنا اسپر غور کیا اور خوب سمجھ سمجھا کر ابو بکر کے پاس آیا اور کہا کہ ابو بکر تم جانتے ہو کہ میں نے تمھاری ذمہ داری کر رکھی ہی۔ اگر اسی وعدہ کے مطابق رہنا چاہو تو کچھ بات نہیں ہی میری ذمہ داری ویسی ہی قائم ہی اور اگر نہیں مانتے تو میری ذمہ داری مجھے واپس دیدو۔ پھر تم جانو اور قریش۔ وجہ یہ ہی کہ میں اپنی بابت خلقت کو یہ سنوانا پسند نہیں کرتا کہ میں نے ایک آدمی کی ذمہ داری کر کے پھر عہد شکنی کر دی ہی۔

یہ سنتے ہی فوراً ابو بکر نے جواب دیا بہت خوب میں تمھارے امان دلوانے اور تمھاری ذمہ داری کو تمھیں واپس دیتا ہوں اور آج سے میں اپنے کو اللہ کی امان میں سمجھتا ہوں۔ اُسی کی امان میرے لیئے بس ہی۔ یہ سُن کے ابن الدغنہ چلا گیا اور کچھ چُوں ہاں نہیں کی۔ ابھی تک حضور انور مکہ ہی میں تھے آپ نے ایک دن اپنے جان نثار صحابہ سے کہا کہ مجھے تمھاری ہجرت کا شہر دکھا دیا گیا ہے مگر ابھی تک مجھے

ہجرت کرنے کا حکم نہیں ہوا ہے اُس شہر میں باغات بکثرت ہیں دو پہاڑیوں کے بیچ میں واقع ہوا ہے اور اُن کا نام حرتان ہے۔ یہ سُن کے صحابہ مطمئن ہوئے۔ صحابہ کو ہجرت کرنے کی عام اجازت تھی جس کا دل چاہا وہ مدینہ ہجرت کرکے چلا گیا یعنی وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کرکے گئے تھے اُن میں سے بھی کئی مدینہ چلے آئے۔ اخیر اسی طرح جب ابوبکر نے ارادہ کیا کہ مدینہ چلو تو حضور نے ارشاد کیا کہ ابھی تم نہ جاؤ امید ہے کہ مجھے بھی عنقریب ہجرت کا حکم ہو اور میں تمہارے ساتھ موعود شہر میں چلوں۔ یہ سنتے ہی ابوبکر مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور عرض کیا یا رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا حضور کو بھی اسکی امید ہے فرمایا ہاں۔

ابوبکر کو اطمینان ہو گیا اور صرف حضورانور کی وجہ سے رُک گئے اور کہا تو بس اپنے آقا ہی کے ساتھ چلیں گے۔ اُسوقت ابوبکر کے پاس دو اونٹ تھے۔ اُنھیں چارہ خوب کھلایا گیا اور خوب اُن کی چار مہینے تک غور و پرداخت کی گئی۔ ایک دن دوپہر کے وقت یکایک ابوبکر سے ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ آرہے ہیں اور ایک چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ آپہنچے اور اندر آنے کی اجازت چاہی فوراً اجازت دیدی گئی۔ آپ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ لو اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ کے متعلقین بھی ساتھ جائیں گے۔ ارشاد ہوا نہیں۔ پھر عرض کیا اور یہ خادم۔ حکم ہوا ہاں۔ اسپر ابوبکر نے عرض کیا کہ میرے ان دو اونٹوں میں سے جو بہت توانا اور تیز رفتار ہیں حضور ایک اونٹ پسند فرمالیں ارشاد ہوا اچھا لوں گا مگر اُسکی قیمت ادا کردوں گا۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ مَیں نے اور میری والدہ نے اُن اونٹوں کو خوب کھلایا پلایا اور دونوں کے لیئے توشہ دانوں میں کھانا رکھا۔ اور اسمائ نے ایک نطاق کاٹا اور اُس سے اُن توشہ دانوں کا مونھ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے اسماء کا نام ذات النطاقین پڑ گیا تھا اور پھر دونوں یعنے ابوبکر اور رسول اللہ مکہ سے روانہ ہو گئے۔

اور ملاحظہ فرمایئے بچہ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر معاذ اللہ ابوبکر کو اپنے نبی سے عداوت ہوتی تو جس وقت آپ غار میں تھے اور مشرکین نے گھیر لیا تھا کیا ابوبکر کا ایک خفیف سا اشارہ اُنھیں آگاہ کرنے کے لیئے کافی نہ تھا؟ اسکے علاوہ تین روز تک ابوبکر و محمدؐ تنہا اُس غار میں نہیں رہے

بلکہ ابو بکر کا لڑکا عبد اللہ ادھر اُدھر کی کل خبریں لا کے ساری باتیں موقع دیکھ کے کہہ جاتا تھا۔ یہ کونسی مشکل بات تھی کہ ابو بکر اپنے لڑکے کی زبانی قریشوں سے کہلا بھیجتے کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ یہ باتیں ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اسپر بھی کتنا غضب ہے کہ مُرغے کی ایک ہی ٹانگ کئے جانا اور اپنی ہفوات کو برابر اسیطرح سراہنا یہ جنون نہیں تو اور کیا ہے۔

کوئی اندھا بھی اِس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ابو بکر کو اپنے ہادی سے عداوت تھی لاحول ولاقوۃ اس قسم کی بیہودہ باتیں ایک دیوانہ شخص بھی مشکل سے بنا سکتا ہے۔ میں کیا کہوں گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ ہمارے بعض غالی تو یہانتک بڑھے اور اپنے خیال کو اُنھوں نے اس تاریک وادی میں یہانتک جنبش دی کہ بس کچھ کہا نہیں جاتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جسوقت مشرکین غار پر آگئے تو ابو بکر چپکے چپکے اپنی اُنگلیوں سے برابر اشارہ کر رہے تھے کہ یہ نبی موجود ہیں اُنھیں گرفتار کر لو کہ اُسی وقت ایک سانپ نے ابو بکر کی اُنگلی کو چٹک لیا اُسوقت ایسی تکلیف ہوئی کہ ابو بکر نے اُدھر سے اپنی اُنگلی اٹھالی اور درد سے ایسے بیتاب ہو گئے کہ پھر اشارہ نہ کر سکے۔ اسپر رسول اللہ نے یہ فرمایا کہ اُنگلی ہی پر خیر گزری اگر تم ہاتھ سے اشارہ کرتے تو ہاتھ سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اِس سفید جھوٹ کی کوئی انتہا نہیں استغفر اللہ کیا بے باکی سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ بس سوا اسکے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے بعض غالی اور بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اُنگلی نہیں بلکہ ابو بکر نے اپنا پیر غار کے باہر نکالا تھا تاکہ مشرک دیکھ کے آ کودیں اور رسول اللہ کو گرفتار کر لیں۔ سانپ نے اُس پیر کو چٹک لیا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ایک غالی ہاتھ کی انگلی بیان کرتا ہے اور دوسرا پیر۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ بچہ بھی ہنس دے بیسیوں کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں حضور انور کے حالات میں لکھی جا چکی ہیں اور اپنی اپنی جگہ مصنفوں نے خوب تحقیق کر کے اور مسلمانوں کی کتابوں کو پڑھ کے وہ کتابیں ترتیب دی ہیں۔ صدہا قسم کی نکتہ چینیاں ہیں جو اُنھوں نے اپنی دانست میں کی ہیں مگر یہ سب ہی ابو بکر کو حضور انور کا سچا فدائی تسلیم کرتے ہیں اور اُسمیں جہانتک میری واقفیت ہے کسی نے بھی حرف گیری نہیں کی۔ ایسی کُھلی ہوئی باتوں سے انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو یقینی طور پر نہ صرف ابو بکر کا بلکہ خود حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور دین خدا کا جانی دشمن ہو اور اس بات کی کوشش میں ہو کہ کسی طرح دین خدا کو بدنام

ادسر باد کر دوں مگر خداوند تعالیٰ کے نور کی شمع پھونک مارے سے نہیں بجھ سکتی پر نہیں بجھ سکتی۔

پھر شیعی علمار فرماتے ہیں کہ سُنّی جس آیت سے ابوبکر کی فضیلت کا اظہار کرتے ہیں اس سے تو اور اُن کی بُرائی نکلتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "لا تحزن ان اللہ معنا" اس سے ابوبکر کی بُزدلی۔ بے صبری۔ اللہ کے قضا و قدر پر عدم یقینی اور نارضامندی معلوم ہوتی ہے۔ فقط

حقیقت میں تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ خداوند تعالےٰ کے کلام پاک کا علانیہ مضحکہ اُڑایا گیا ہے۔ خیال تو فرمایئے جو شخص بُزدل اور بے صبر ہوگا اور اللہ کے قضا و قدر پر اُسے یقین نہ ہوگا یعنی کافر مطلق ہوگا اُسے اللہ تسکین کس طرح دے سکتا ہے۔ مہربان آقا تسکین تو اُسی ملازم کو دیگا جو انتہا درجہ وفادار اور جان نثار ہوگا۔ اگر وہ کسی ایسی بات سے غم کرے جس سے اُس کے آقا کی مرضی فوت ہوتی ہو اور اُس کا یہ غم انتہائے عشق پر ختم ہوتا ہو تو کیا یکلخت آقا کی محبت کی نظریں اُس پر نہ اُٹھنے لگیں گی اور کیا آقا اُسے ہر طرح تسکین نہ دیگا۔ ایک نادان سے نادان بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اپنے دشمن کو کوئی تسکین نہیں دیتا بلکہ تسکین و دلاسا دوست ہی کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسکے خلاف یہ کہنا کہ لاتحزن سے ابوبکر کی بُرائی نکلتی ہے کلام خدا کا اور مضحکہ اُڑانا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خیال یا شیعی علمار کا یہ قول اِن کے پہلے قول کے منافی ہے جس میں اُنھوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ نے محض اندیشہ کی وجہ سے ابوبکر کو ساتھ لے لیا تھا کہ یہ ہماری کسیکو خبر نہ کر دے اُسکے منافی ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب ابوبکر حضور انور کے دشمن تھے اور در پردہ اُن لوگوں سے ملے ہوئے تھے جو آپ کو تلاش کرنے آئے تھے تو اُن کے آجانے پر ابوبکر کو خوش ہونا چاہیئے تھا نہ کہ غمگین ہونا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ایک طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دشمنوں سے ملے ہوئے تھے۔ دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں یعنی مشرک قریشوں کے سر پر آجانے سے غمگین ہوئے اور ایسے سچے دل سے غمگین ہوئے کہ غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور خود خداوند تعالےٰ ابوبکر سے ہمکلام ہوا اور نہایت زور اور محبت سے فرمایا غم نہ کرو مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔

شیعی علمار کا استدلال بس کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ قربان جایئے اِس سخت دشمنی او عداوت

کے کہ اپنی بھی خبر نہ رکھی کہ اس ہفوات پر لوگ ہمیں کیا کہیں گے اور ہماری علانیہ عداوت اور خداوند تعالےٰ کے مضحکہ اُڑانے پر ہمیں کس مرتبہ کی داد دیں گے۔

ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ ابوبکر کے لیئے یہ ایک معمولی بات تھی کہ جب مخالف سر پر ہی آ گئے تھے تو معمولی اشارہ کافی تھا آسانی سے دشمن قابو پا سکتا تھا اسکے علاوہ ابوبکر کا بیٹا عبداللہ اور آپ کا غلام عامر ابن فہیرہ مکہ سے خبریں لاتے اور اُونٹوں کی حفاظت کرتے۔ غرض خلاصہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں شیعی علمار کا کلام کرنا خود اُن ہی کے قول کو باطل کرتا ہے۔ کبھی تو اُن کے قول کا فتوٰی ابوبکر کے نفاق پر ہوتا ہے اور کبھی انتہائے اسلام پر۔ اصل بات یہ ہے کہ جس امر کو انسان حق سمجھتا ہے مگر کسی دنیاوی لالچ یا شیطانی دشمنی کی وجہ سے اسکے خلاف اظہار کرتا ہے تو اُسکے مونہ سے ایسی ہی ایسی بہکی باتیں نکلتی ہیں اور اُس میں وہ مجبور رہے۔ ایک یہ بات بھی زیادہ غور کے قابل ہے کہ مہاجرین میں کوئی منافق نہ تھا نفاق تو فقط انصار کے بعض قبیلوں میں تھا۔ اسکی وجہ ظاہر ہے کہ جس نے اپنا وطن۔ اپنا گھر۔ اپنی جائداد اور اپنے بال بچے چھوڑے وہ کسی لالچ کی وجہ سے نہیں چھوڑے بلکہ خداوند تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے اور اُسکے نبی کی نصرت کے لیئے چھوڑے وہ کیسے منافق بن سکتا ہے۔ اسکے علاوہ محض اپنی مرضی سے ہجرت کی پھر اس میں نفاق کی بو بھی کیسے آسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کرنے والوں کی تعریف خداوند تعالےٰ اپنے کلام میں اس طرح فرماتا ہے۔ للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئٓک ھم الصادقون" یعنی ان مہاجر فقیروں کے لیئے جو اپنے اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکالدیئے گئے ہیں وہ اللہ کا فضل اور اُسکی رضامندی کے طلبگار رہیں اور اللہ کے دین کی اور اُسکے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں"

پھر ارشاد کرتا ہے۔ "اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ الخ" غرض اس سے فیصلہ ہو گیا کہ کل مہاجرین پکے ایماندار اور خدا اور رسول کی رضامندی حاصل کرنے والے ہیں۔ دوسری بات یہ جتائی رہ گئی کہ ابوبکر ان کل مہاجرین سے افضل ہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ اِن سے غم کے وقت ہمکلام ہوا اور اُنھیں تسکین دی اِس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور انور نے اپنے ساتھ لے چلنے کے لیئے جو

انتخاب کیا تھا وہ کسی اندیشہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض اس سبب سے تھا کہ ابوبکر کے مرتبہ کا اور کوئی دوسرا شخص نہیں ہے جو اس خدمت کے انجام دینے کے قابل ہو۔

یاد رکھو اس سے زیادہ اہم اور نازک سفر حضور انور کو آیندہ کوئی پیش نہیں آیا۔ پس ایسے سفر میں محض اپنی نصرت اور اطمینان قلب کے لئے حضور انور کا انتخاب ابوبکر کی فضیلت کھلم کھلا و بگر عامہ مسلمین اور اُن سے پہلے کل صحابہ پر ثابت کرتا ہے۔ اس سفر کی اہمیت اور اُسکا مہتم بالشان ہونا اس سے پایا جاتا ہے کہ اُسے تاریخ اور سنہ کا مبدار قرار دیا گیا۔ کیونکہ تاریخ اور سنہ تو ایسے ہی امر سے لیا جاتا ہے جو عام لوگوں میں مشہور اور سب کو معلوم ہو۔ ایسے نامور سفر میں حضور انور کے ہمرکاب وہی شخص ہو سکتا ہے جسپر حضور کو کامل بھروسہ اور اطمینان ہو نہ وہ شخص جو صرف آپ کی صحبت میں مخصوص ہو۔ بس یہ صدیق کے فضائل ہیں اور اوروں سے اُنھیں امتیاز دینے کے لئے کافی ہیں۔ یہ وہ فضائل ہیں جن میں کوئی اُنکا ہمسر نہیں اور یہ اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ کے سب صحابہ سے صدیق اکبر ہی افضل تھے۔

اس بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ کیجیے شیعی علمار فرماتے ہیں کہ لاتحزن والی آیت ابوبکر میں نقص ہونے کی دلیل ہے اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ نقص کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو ایمان کے منافی ہے اور ایک وہ ہے جسکے معنی کمی کے ہیں کہ اکمل سے کم ہوں۔ اب اگر شیعی علمار نے پہلے معنی مراد لئے ہیں تو بالکل غلط اور باطل ہیں کیونکہ اسی طرح خداوند تعالی نے اپنے نبی کے حق میں بھی فرمایا ہے "ولا تحزن علیہم ولا تک فی ضیق مما یمکرون" یعنی اور تم اُنپر رنج نہ کرو اور جو فریب یہ کرتے ہیں اُس سے تنگدل نہ ہو۔ پھر اسی طرح عام مسلمانوں کے حق میں یہ فرمایا۔ "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون الایۃ یعنی اور اگر تم مسلمان ہو تو (جہاد سے) ہمت نہ ہارو اور نہ رنج کرو تم ہی غالب ہو۔ پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ "ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقرآن العظیم لا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منہم ولا تحزن علیہم" یعنی اور بیشک ہم نے تمھیں سبع مثانی اور قرآن عظیم عنایت کیا ہے۔ تم (تعجب سے) اپنی دونوں آنکھیں اس (مال و دولت) کی طرف ہرگز نہ کھولو۔ جسکے ساتھ ہم نے ان کی جماعتوں کو بہرہ مند کیا ہے اور نہ تم اُن پر رنج کرو۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جس طرح صدیق اکبر سے ہمکلام ہو کے خداوند تعالے نے غم سے تسکین فرمائی۔ اسی طرح اپنے

نبی محمد عربی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تسکین کی اور مختلف موقعوں پر اسی طرح وہ پاک مؤمنین کی تسکین کرتا رہا - خداوند تعالےٰ کا یہ اک راز ہے جو شخص کچھ بھی اپنے معبود حقیقی سے اپنا تعلق رکھتا ہے - وہ اس راز کی کماحقہ حقیقت پہچانتا ہے - اس حالت میں کہ جب عبد اپنے معبود میں محو ہو کو اُسمیں مل جائے تو محبوب اپنے اس عزیز عبد کے قدم قدم پر نظر رکھتا ہے اور اُس کی خفیف سی پریشانی میں اُس سے ہمکلام ہو کے دلجوئی فرماتا ہے کیا غضب کی بات ہے کہ ایک ذات سے خداوند تعالےٰ ہمکلام ہو رہا ہے اور اُس غم سے جو لازمہ عشق حقیقی تھا تسکین فرما رہا ہے مگر عقل سے بے بہرہ یا تعصب سے اندھے علانیہ اس کہنے میں باک نہیں کرتے کہ وہ پاک نفس اور اُس سے خداوند تعالےٰ کا ہمکلام ہو نیز معترض تمنا خود اپنے میں یہ نقص رکھتا ہے - اب رہا نقص کی دو قسمیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں - ان میں سے ایک بھی صدیق اکبر کی ذات سے چسپاں نہیں ہوئی - صدیق کی راست بازی اور کلام صداقت کا اس سے زیادہ ثبوت نہیں ہو سکتا کہ خداوند تعالےٰ اُن پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے - اُن سے ہمکلام ہو اور اُنھیں تسکین دیوے - اس کے آگے تمام جہان کی نکتہ چینیاں تمام دل آزار اعتراضات تمام بے بنیاد خردہ گیریاں موندھے بل گر پڑتی ہیں اور کسیکو حرف زدن کا یارا نہیں رہتا - یہ فطرت کا وہ مشاہدہ ہے جسکے لیئے دلیل کی ضرورت نہیں - جس طرح روشنی سے بغیر دیکھے ہم آفتاب کے طلوع کا پتہ لگا لیتے ہیں اسی طرح صدیق اکبر کے اس عظیم الشان مرتبہ سے جو خداوند تعالےٰ کی طرف سے آپ کو عطا ہوا آپ کی غیر معمولی صداقت کا ہمیں کھوج مل جاتا ہے اور اُسوقت کائنات کے ذرے ذرے سے یہ صدا بلند ہو جاتی ہے ع بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر

اِس بات کو یاد رکھیئے واقعات اور مشاہدات کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ نازک سے نازک موقعوں اور اندیشہ ناک حالتوں میں کل صحابہؓ سے صدیق اکبر یقیناً صبر کرنے میں افضل اور اکمل رہتے تھے - سب سے پہلے جب حضور انور نے اپنے معراج کی خبر دی تو اُدھر مشرکوں نے قہقہہ اُڑایا جس سے بعض مؤمنین سر در گریبان ہو گئے مگر یہ صدیق ہی تھا کہ جس نے سب سے آگے بڑھ کر کہا کہ لبیک یا رسول اللہ بیشک آپ سچے ہیں آپ کو یقیناً معراج ہوئی اور آپ نے کل انبیاء سے آسمان میں باتیں کیں کون ہے؟ جو اسکے خلاف شہادت دیسکتا ہے - مکے کا ذرہ ذرہ ابھی تک اس کی گواہی کی صداقت کر رہا ہے اور خود لفظ صدیق معراج کی ساری تعریف اور اُس کی کل کیفیت اپنے میں رکھتا ہے -

جن لوگوں نے حضور انور رسول خدا کی پاک زندگی اور بعد کے احوال میں غور کیا ہے وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ حضور انور کے اشاروں پر چلنے والا اور حضور کی ایذا رسانی سے کوسوں دور رہنے والا اگر کوئی ہے تو وہ ابوبکر ہے مگر اس میں شک نہیں کہ کل صحابہ کی زندگی کا مقصد اعظم یہی تھا کہ حضور کی دل آزاری سے کوسوں دور رہیں اور آپ کے اشاروں پر چلیں مگر ان باتوں میں سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ اکمل ابوبکر ہیں کیا کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ابوجہل کی بیٹی سے نسبت ٹھیرا کے خود خاتون محشر کی زندگی میں حضرت علی نے کتنا بڑا صدمہ حضور انور کو دیا تھا فاطمۃ الزہرا حضرت خاتونِ محشر کا خاتم النبیین اپنے باپ کے پاس غمزدہ آکے کہنا کہ دیکھئے علی میرا شوہر آپ کا داماد میری موجودگی میں ابوجہل دشمن اسلام کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اُسوقت حضور انور کا غضبناک ہوکے مسجد میں چلا آنا اور مسلمانوں کو جمع کرکے خطبہ پڑھنا اور صاف طور پر یہ فرمانا کہ بنی عبد مناف میں جو میرا داماد ہے اُس نے ہمیشہ اپنے قول کا ایفا کیا ہے مگر علی نے باوجود اپنے عہد کے یہ کارروائی کی ہے کہ وہ ابوجہل دشمن اسلام کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہی اگر درحقیقت اُس کی مرضی یہی اور وہ اسپر تلا ہوا ہے تو وہ فوراً میری بیٹی فاطمہ کو طلاق دیدے کیونکہ خاتم النبیین کی بیٹی ایک کافر کی بیٹی کے ساتھ نہیں رہ سکتی آؤ اور دیکھو اترا اور دکھن کے رہنے والو وہ جو مادرزاد اندھے ہیں اور سنیں وہ جو پیٹ کے بہرے ہیں کہ آیا صدیق اکبر اور علی ابن ابیطالب میں کوئی بھی نسبت ہو سکتی ہے۔ مخالف اپنا گھٹنوں تک زور لگا وینگے تب بھی وہ ایسا کوئی خفیف سا موقعہ بھی جس سے ابوبکر کی طرف سے حضور انور کی خفیف سی بھی دل آزاری ہو ثابت نہ کر سکیں گے شیعی علما کی کتابیں چھپی ہوئی نہیں ہیں اور نہ مثل آریوں کے ویدوں کے ناپید ہیں ہزاروں لاکھوں چھپتی ہیں اور اشاعت پا جاتی ہیں دنیا کے مذاہب میں سے کسی مذہبی عالم یا کسی آزاد خیال مصنف نے آیا تھوڑی دیر کے لیئے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ابوبکر محمد عربی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ صداقت نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور کذب۔ بہتان۔ افترا۔ اور ناروا نکتہ چینیوں کا بالخصوص ان معاملات میں کھوج تک مارا گیا ہے۔

دیکھو جب حضور انور کی وفات ہوئی تو آپ کی وفات ان سب مصیبتوں سے کہیں بڑھکر

تھی جس سے ایمان میں زلزلہ آجاتا ہے یہی وجہ تھی کہ بعض عرب مرتد ہوگئے اور فاروق اعظم جو اپنے یقین اور ایمان میں ابوبکر کے بعد سب صحابہ سے پختہ تھے۔ ایسے مضطرب ہوئے کہ اُن کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا۔ جو کوئی کہے گا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں میں اُس کی گردن اڑادوں گا۔ اسپر بھی ابوبکر کی ثابت قدمی دیکھنے کے قابل ہے۔ صدیق نے اِس مصیبتِ عظمیٰ کا مقابلہ نہایت صبر اور استقلال سے کیا اور علی الاعلان اس جم غفیر میں جو حضور انور کی وفات سے افسردہ ہو رہا تھا یہ کہا تم میں سے جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا ہو تو وہ کان کھول کر سُن لے کہ محمدؐ تو مر چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ اِس بات کو سمجھ لے کہ اللہ بیشک زندہ اور توانا ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی وَمَا محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل۔ افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ؕ ومن ینقلب علے عقبیه فلن یضر الله شیئاً الخ ؕ

ہم اپنے سلسلہ بیان میں غالباً پہلے بھی اِس سے لکھ چکے ہیں کہ جب حضور انور کا وصال باری تعالےٰ ہوا تو ابوبکر سنح میں تھے فاروق نے کھڑے ہو کے سب کے سامنے یہ کہا قسم ہے خدا کی رسولِ خدا مرے نہیں ہیں۔ جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ کی وفات ہوگئی تو اب اللہ آپ کو اُٹھائے گا اور آپ کہنے والوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے کہ اتنے میں ابوبکر بھی آگئے۔ وہ اس جماعت کثیرہ کو چیرتے ہوئے سیدھے حضور انور کے حُجرے میں داخل ہوئے آپ کے مقدس چہرے پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ صدیق اکبر نے اُس چادر کو آہستگی میں منور چہرے سے سرکایا اور تاباں پیشانی پر بوسہ دیکر یہ کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ آپ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اچھے ہیں قسم ہے اُس ذات پاک کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔

اسکے بعد آپ نے حضور کا منور چہرہ اُسی چادر سے ڈھانک دیا اور حجرے کے باہر آئے اور فاروق کی طرف خطاب کر کے کہا۔ اے قسم کھانے والے! ذرا صبر کرو۔ صدیق کے اتنا کہتے ہی فاروق بیٹھ گئے صدیق نے پہلے تو اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر یہ کہا کہ یاد رکھو جو شخص محمدؐ کی پرستش کرتا تھا تو محمدؐ کی تو اب بیشک وفات ہوگئی اور جو اللہ جلشانہ کی پرستش کرتا تھا تو اللہ بے شک زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا اور پھر مذکورہ آیت پڑھی۔ صدیق اکبر کی یہ گفتگو سنتے ہی سب آدمی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے (یہ حدیث صحیح بخاری نے روایت کی ہے) پھر صحیح بخاری نے انس سے روایت کیا ہے کہ

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے روز فاروق نے مسجد نبوی میں آکے اور منبر پر بیٹھ کر یہ خطبہ پڑھا (انس کہتے ہیں کہ وہ خطبہ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا) اُسوقت ابوبکر صدیق خاموش بیٹھے ہوئے تھے فاروق نے یہ کہا کہ واقعی میرا یہ خیال تھا کہ رسول اللہ ابھی ایک عرصہ تک حیات رہیں گے۔ یہاں تک کہ جب ہم سب مرجائیں گے اسوقت حضور کی وفات ہوگی پس اگر حضور کی وفات ہوگئی ہے تو اللہ تعالےٰ نے تمہارے سامنے ایک نور قائم کردیا جسکے ذریعہ سے تم ہدایت پر آسکتے ہو اور اُسی کے ذریعہ سے اللہ نے حضور کو بھی ہدایت دی تھی (یعنی قرآن مجید) اُسکے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق حضور کے غار کے ساتھی ہیں اور یہ مسلمانوں کے ہر کام میں سب سے اولیٰ ہیں لہذا تم اُٹھو اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلو چنانچہ یہ سنتے ہی سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اِن کے علاوہ کثیر تعداد بنی ساعدہ کے سقیفہ میں سے آپ سے بیعت ہوچکے تھے اور باقی بیعت اب اِس عام منبر پر ہوئی۔

اسکے علاوہ جنگ بدر کا قصہ عریش میں اور ساتھ ہی جنگ حدیبیہ اُن کی طمانیت اور پختہ دلی میں ایسا مشہور ہے کہ اُن کی وجہ سے بھی آپ کو سب صحابہ پر فوقیت ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ آپ کو گھبراہٹ اور بے صبری کیطرف نسبت دیجائے۔

پھر تو یہ مرتدین سے جنگ کرنے کے لیئے یک لخت تیار ہوجانا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں سے لڑائی پر آمادہ ہوجانا اور باوجود اُسامہ کے لشکر کو اہتمام کے ساتھ روانہ کردینے کے مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اطمینان اور یقین میں صدیق سب صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے۔

کہتے ہیں کسی شخص نے صدیق سے کہا تھا کہ درحقیقت جو حوادث آپ پر پڑے ہیں اگر وہ کسی پہاڑ پر پڑتے تو ریزہ ریزہ ہوجاتا اور اگر کسی دریا پر پڑتے تو وہ بالکل خشک ہوجاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر اُن کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ غار کی شب کے بعد سے میرے دل میں کبھی کسی بات کا خوف نہیں آیا۔ غار کا ذکر ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رنج کرتے ہوئے دیکھا تو یہ فرمایا۔ اے ابوبکر کچھ فکر نہ کرو۔ کیونکہ ہمارے اس کام کو پورا کرنے کا خود اللہ کفیل اور ذمہ دار ہوچکا ہے۔

دوسرا جواب

جو شخص ابوبکر کے یقین اور صبر کو کسی صحابی سے تشبیہ دے خواہ عمر سے خواہ عثمان سے خواہ علی سے تو یہ اُسکی جہالت کی دلیل ہے۔ کوئی سلمان اس امر میں کہ ابوبکر عمر و عثمان و علی سے افضل ہیں کبھی نزاع نہ کرے گا۔ یہ بات ایسی ظاہر و باہر ہے کہ اُسکے لیئے چنداں دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مگر شیعی علماء کا یہ دعوے جو انھوں نے کیا تھا کہ ان صفات میں خلفاء ثلثہ سے علی اکمل تھے بالکل بہتان جھوٹ اور اتہام ہے۔ کیونکہ جو شخص عمر اور عثمان کے احوال میں غور و تدبر کرے تو اُسے ضرور معلوم ہو جائے کہ صبر کرنے۔ ثابت قدم رہنے اور مصیبتوں کے وقت کم بلکہ بہت کم گھبرانے میں علی سے یہ دونوں بے شک اکمل ہیں جسکی صریح دلیل یہ ہے کہ جب عثمان غنی پر مصری باغیوں نے حملہ کیا اور مدینہ میں فوج نہونے کی وجہ سے وہ ایسے چیرہ دست ہوئے کہ آپ کو تخت سے اُتار دیا اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ آپ کے قتل کی تدبیریں کرتے رہے یہانتک کہ آپکو قتل بھی کر دیا لیکن شیردل عثمان نے اپنے آدمیوں کو منع کر دیا تھا کہ خبردار باغیوں کے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھانا۔ اسکا مفصل ذکر ہم اپنے گزشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں۔ کیا یہ مصائب پر اعلیٰ درجہ صبر کرنا نہیں ہے۔ کیا اِس سے اسلام کی سچی محبت نہیں پائی جاتی کہ سلمانوں میں خونریزی ہونے سے اپنا قتل ہونا بہتر جانا اور اپنی گردن دیدی۔ کیا غیر معمولی استقلال کا یہ زندہ نمونہ نہیں ہے؟

اب آپ انصاف سے غور کریں کہ عثمان کے صبر اور تحمل کے مقابلہ میں علی کا صبر و تحمل کیا اور کہانتک تھا۔ مقابلہ کرنے کے بعد علی کے صبر و تحمل کا درجہ ایک صفر سے زیادہ نہیں ہوتا علی کا بے صبری سے اپنے لشکر کو کوسنا اور لشکر کا علی سے بیدل ہونا یہ باتیں مثل مشاہدات کے ہیں اور اِن ہی میں علی کے صبر و تحمل کا راز چھپا ہوا ہے۔ اسکے علاوہ صحابہ ثلثہ نے ان لوگوں سے مقابلہ کیا جو سلمان نہ تھے اور علی نے ان لوگوں سے جنگ کی جو مسلمان تھے۔ پھر یہ بات بھی زیادہ توجہ کرنے کے قابل ہے کہ خلفاء ثلثہ کے لشکروں کی تعداد اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی۔ یعنی فیصدی دس کی نسبت بھی بمشکل ہو سکتی ہے لیکن علی کے لشکر کی تعداد مخالفوں کے لشکر سے کہیں زیادہ تھی اسپر بھی سابق الذکر فتح پر فتح پاتے رہے مگر آخر الذکر کو سوائے شکستوں کے کچھ حاصل نہیں ہوا پھر جنگ کی نوعیت بھی دوسری تھی۔ ابوبکر و عمر و عثمان نے مخالفین سے اسلام کے خاطر

جنگ کی کہ اسلام اُس زمانہ کے نصرانیوں اور زرتشتیوں سے محفوظ رہے اور اُسکے وقار میں کچھ فرق نہ آئے مگر علی نے اپنی ذاتی غرض یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لیئے جنگ کی۔ لہذا جنگ کا جو خوف کہ کہیں اسلام مغلوب نہ ہو جائے خلفاء ثلثہ کو فطرتاً تھا وہ علی کو ہرگز نہ تھا۔ وہ اصل میں امیر معاویہ کے ساتھ ایک بازی کھیل رہے تھے جانتے تھے کہ اگر میدان لے لیا تو خود مختار بادشاہ بن جائیں گے اور جو میدان ہاتھ سے نکل گیا تو بھی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں جاتی۔ امیر معاویہ جیسا ایک فیاض حکمران بیش قرار شاہرہ کر دیگا بس آرام سے زندگی گزر جائے گی۔ چنانچہ حسن بن علی کی اخیر یہی کیفیت ہوئی کہ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری دن امیر معاویہ کا پنشنر بنکے گزاری۔

پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کرنی کہ قرآن مجید کی آیت ابوبکر کی کم ہمتی۔ بے صبری اللہ پر بھروسہ نہ رکھنے۔ اللہ کے قضا و قدر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے سے خوش نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے آیت میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اسپر دلالت کرتی ہو۔ دیکھیے اسکی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ کسی چیز سے منع کرنا اُسکے وقوع پر دلالت نہیں کیا کرتا کہ یہ چیز ممنوع ہے آیندہ اسکا وقوع نہ ہو مثلاً اللہ تعالے فرماتا ہے یا ایھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین" یعنی اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافرین و منافقین کی تابعداری نہ کرو تو یہ آیت اسپر دلالت نہیں کرتی کہ آپ اُن کی تابعداری کیا کرتے تھے اسیطرح دوسری آیت یہ ہے ولا تدع مع اللہ الھاً اٰخر" یعنی اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ پکارو۔ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ حضور انور دوسرا معبود پکارتے تھے۔ کیونکہ حضور انور کی ذاتِ اقدس شرک کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہی آپ شرک سے بیشک معصوم تھے اسپر سب کا اتفاق ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ لاتحزن فرمانا اسپر دلالت نہیں کرتا کہ صدیق غم کرنے لگے تھے لیکن عقل باور کر سکتی ہے کہ شاید رنج ہو تو اس سے منع ہی نہیں کیا بلکہ دلاسا دیدیا کہ رنج کا وہم و گمان بھی دل میں نہ آئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ابوبکر بیشک رنجیدہ ہوئے تھے تو اس کے تسلیم کر لینے میں چارہ نہیں ہونے کا کہ آپ کا یہ رنجیدہ ہونا صرف حضور انور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا کہ کہیں حضور انور پر کچھ آنچ نہ آجائے اور اسلام کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کی مفصل بحث ابھی گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔

صدیق کی تو یہ مرضی تھی کہ اپنے آقا پر جان قربان کر دوں اسی لیئے ہجرت کے سفر میں کبھی حضور انور کے آگے آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے پیچھے اسپر حضور انور نے دریافت کیا ابو بکر اس طرح کیوں چلتے ہو۔ عرض کیا یا نبی اللہ جب گھاتیوں کا خیال ہوتا ہے تو میں آگے ہو جاتا ہوں اور جب دوڑ آنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔

یہ روایت امام احمد نے کتاب مناقب الصحابہ میں نقل کی ہے۔ اِس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ ابو بکر حضور انور کو اپنے مال اور اپنی جان سے زیادہ چاہتے تھے اور آپ اُس بارے میں سب مسلمانوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ النبی اولی بالمومنین من انفسہم۔ یعنی نبی مسلمانوں میں اُن کی جانوں سے اولی ہیں صحیحین میں انس سے مروی ہے وہ حضور انور سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تھا۔ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہٖ ووالدہٖ والناس اجمعین۔ یعنی تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ میں اُسکے نزدیک اُسکے بیٹے اور باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہوں۔ غور کرو اور سمجھو کہ ابو بکر کا حضور انور پر رنج کرنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اُنھیں آپ سے انتہا درجہ محبت تھی۔ وہ آپ کے اعلیٰ درجہ کے فدائی۔ آپ کی حفاظت کرنے والے اور آپ کو قسم قسم کی تکلیفوں سے بچانے والے تھے۔ اور یہ اعلےٰ درجہ کے ایمان کی نشانی ہے اور اگر باوجود اِسکے بھی اس رنج کرنے سے ابو بکر میں کوئی بُرائی پیدا ہو گئی تھی تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ ان صفات کے ساتھ متصف ہونے کا رنج نہ ہونے پر حکم ہے کیونکہ محض رنج کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور یہ اسپر دلالت نہیں کرتا کہ یہ ایسا گناہ ہے کہ اسپر کسی انسان کی بُرائی کی جائے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ پر رنج کرنا ہر انسان کے لیئے اپنی اولاد پر رنج کرنے سے بھی زیادہ بڑھکے ہے یہ وجہ ہے کہ ہر مسلمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد سے زیادہ رسول اللہ سے محبت کرے۔

یعقوب کا قصہ تم نے پڑھا ہے کہ اُنھیں اپنے بیٹے یوسف پر رنج ہوا تھا چنانچہ خداوند تعالے فرماتا ہے " وقال یا اسفا علیٰ یوسف وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم۔ قالوا تاللہ تفتوأ تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الھالکین ہ قال انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون ہ" یعنے اور کہنے لگا اے افسوس یوسف پر۔ اُسکی آنکھیں روتے روتے سپید ہو گئی تھیں پر وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔ (اُسکے بیٹے) کہنے لگے اللہ کی قسم تو ہمیشہ یوسف کو یاد کیا کرے گا یہانتک کہ تو بیمار

ہو جائے یا ہلاک ہو جائے۔ یعقوب نے کہا میں تو اپنے رنج و بیقراری کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ یعقوب نبی کریم ہیں جنھوں نے اپنے بیٹے پر اسقدر رنج کیا۔ تعجب ہے کہ ایسے شدید رنج کرنے میں اُن کی بُرائی کیوں نہ کی گئی۔ اور ابوبکر کی بُرائی کیوں کی جاتی ہے کہ جب اُنھوں نے اس اندیشہ کی وجہ سے رنج کیا کہ کہیں کوئی قریشی مشرک حضور انور کو قتل نہ کر دے حالانکہ دُنیا و آخرت کی سعادت کا دار و مدار اسی پر ہے۔

اِدھر تو شیعی علماء ابوبکر کے حُزن و ملال پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اُنھیں نہ خدا پر بھروسہ تھا اور نہ قضا و قدر پر ایمان اِدھر آدم سے لیکر آخر الزماں نبی تک سب کے رونے۔ زاری کرنے اور ماتم کرنے کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب ماتم کرتے اور روتے پیٹتے رہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ فاطمۃ الزہرا اپنے والد کے غم میں اسقدر روئیں اور اُنھوں نے اتنا رنج کیا کہ وہ چند مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں اسپر بھی زہرا کی اِس رنج و غم اور خداوند تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نالہ و بکا کو کوئی بُرائی تصور نہیں کرتے باوجودیکہ یہ رنج کرنا محض خدا کے ایک فعل پر تھا۔ اور اُسکی مرضی کے مقابلہ کرنے اور اُسپر صبر نہ کرنے کی وجہ سے تھا اور ساتھ ہی اُس واقعہ پر تھا جو گزر چکا تھا اور واپس آنے والا نہ تھا حالانکہ ابوبکر کا رنج خود حضور انور کی زندگی میں آپ کے قتل ہو جانے کے ڈر سے تھا اور یہ ایسا رنج ہے جس سے آیندہ بہتری ہونے کی امید ہوتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب حضور انور کی وفات ہو گئی ہے۔ تو صدیق کو اتنا رنج نہ ہوا تھا کیونکہ اس موقع پر رنج کرنا محض بے سود اور وقت کا ضائع کرنا تھا۔ جسے کامل انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صدیق کا رنج زہرا کے رنج سے بلاشک اکمل تھا پس اگر صدیق کے رنج کرنے پر اُنھیں بُرا کہا جائے تو زہرا کو ویسا ہی بدرجۂ اولیٰ کہا جائے گا۔ ورنہ حضور انور کی وفات کے بعد جن لوگوں نے آپ پر رنج کیا اُن کا رنج کرنا اُس رنج سے جو صدیق نے آپکی جان کی حفاظت کے لیئے آپ کی زندگی میں کیا تھا سچی محبت اور بے ریا عشق سے مملو تھا اسلیئے سوائے تعریف کے انکی بُرائی نہیں ہو سکتی بلکہ یہ رنج کرنا اِن کی فضیلت میں داخل ہے۔

اب اگر شیعہ اصحاب یہ کہیں کہ صدیق کا رنج کرنا اپنی جان کے لیئے تھا نہ رسول اللہ کے

واسطے تو یہ آپ ہی لوگوں کے قول کے مناقض ہے۔ تم کہتے ہو کہ ابوبکر رسول اللہ کا دشمن تھا اور رسول اللہ نے ابوبکر کو اپنے ہمراہ اسلیئے لے لیا تھا کہ کہیں دشمنوں پر ہمارے جانے کا راز نہ کھولدے اگر ابوبکر حضور انور کے دشمن اور کفار سے ملے ہوئے تھے تو پھر اپنی جان کا رنج انھیں کیوں ہوا۔

تیسرا جواب

جو برتاؤ ابوبکر کا اپنے نبی کے ساتھ حضور انور کے وصال تک تواتر سے ثابت ہو چکا ہے اُس سے بھی یہ باطل اور غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب دوسرا پہلو لو اگر یہ مان لیا جائے کہ ابوبکر کو اپنا بھی رنج تھا اور نبی کا بھی تو کیا اسپر وہ بُرا کہے جانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ بلکہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اُنھیں اسی خوف کی وجہ سے غم ہوا تھا کہ کہیں میرا دشمن مجھے قتل نہ کر دے تو اس سے بھی حضور انور کی ایک محبت پائی جاتی ہے کہ آپ حضور کی پوری خدمت کرنا چاہتے تھے اور آپ جانتے تھے کہ ایسی نازک حالت میں حضور کا تنہا رہجانا حضور کی کتنی پریشانی کا باعث ہوگا۔ اس انتہائے عشق پر ابوبکر کی تعریف کی جائے یا بُرائی۔ بُرائی بھی اتنی کہ اُسکا درجہ سب وشتم تک پہنچا دیا جائے۔

چوتھا جواب

اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ گناہ تھا اور ابوبکر سے اسپر صبر نہ ہو سکا یعنی وہ رنج سے باز نہ آئے اور اس گناہ سے پہلو نہ بچا سکے بلکہ جب حضور انور نے منع فرمایا اُسوقت رُکے۔ اسکا جواب قرآن مجید میں موجود ہے جہاں خداوند تعالےٰ نے بہت سے امور میں اپنے نبیوں کو منع کیا ہے اور منع کرنے کے بعد وہ اُن سے رُک گئے ہیں اور منع کرنے سے پہلے جو کچھ وہ کر چکے تھے اُسپر یعنی اُسکے کرنے پر اُنھیں بُرا نہیں کہا گیا۔

اسکے علاوہ جو آہ وزاری نالہ وبکا یا رونا پیٹنا فدک کی میراث نہ ملنے پر شیعی علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اس سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ سارا غم والم محض دنیا کے مال پر تھا جسکی نسبت خداوند تعالےٰ منع فرماتا ہے وہ آیت یہ ہے "لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم" یعنی تاکہ تم اُسپر افسوس نہ کرو جو تم سے جاتا رہے نہ اُس چیز سے اتراؤ جو تمھیں اللہ دے اس آیت میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے صاف یہ ہدایت موجود ہے کہ اگر کوئی تمھاری چیز جاتی رہے تو اُسپر افسوس نہ کرو اور اگر کوئی نعمت تمھیں حاصل ہو جائے تو اُسپر اترانا یا غرور کرنا

محض لغو اور بے سود ہے مگر جب ہم فدک کے معاملے میں حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کی حالت جو شیعی علمار نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے دیکھتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ کیا اُنھوں نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں دیکھی تھی کہ فدک کے نکل جانے پر اُنھوں نے یہ افسوس کیا اور افسوس بھی وہ جسکی حد ماتم پر جاکے ختم ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ دنیا پر رنج کرنے سے دین پر رنج کرنا بہتر ہے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ابوبکر کو رنج ہوا تھا تو وہ رنج اُن کا دین کی وجہ سے تھا ایسا نہ ہو کہ حضور انور کی ذاتِ اقدس پر کوئی زد آئے اور اسلام کا خاتمہ ہوجائے اور اگر یہ بھی تسلیم نہ کریں اور یہ کہیں کہ نہیں انھیں صرف اپنی جان کا رنج تھا کہ کہیں جان نہ جاتی رہے تو بھی جو شخص اپنے قتل ہونے کا رنج کرے وہ اس رنج سے بدرجہا بہتر ہے جو اپنے مال کے ضائع ہونے کا کرے پہلا شخص اس دوسرے شخص سے بدرجہ اولی معذور سمجھا جائیگا۔ یہ عجیب تماشے کی بات ہے کہ ہمارے شیعی علمار اپنے خیال میں جس شخص کے محامد و مناقب بیان کرتے ہیں وہ محامد و مناقب غور کرنے کے بعد اُسکے بدتر عیوب ثابت ہوتے ہیں اور جن امور کی وہ بُرائی کرتے ہیں اور اپنے مخالف پر اُن امور سے حملہ کرتے ہیں وہ درحقیقت اس کے لئے محامد و مناقب بنجاتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ببیں کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ ‌‌ ‌‌ ‌‌ کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

باقی شیعی علمار کا یہ کہنا کہ یہ آیت ابوبکر کی بے صبری پر دلالت کرتی ہے محض غلط اور بالکل غلط ہی کیونکہ جس صبر کا حکم ہے اور جسکو مامور بہ کہا جاتا ہے اسکے نہ ہونے کی اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ مصیبتوں پر صبر کرنے کا حکم قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور باوجود اس ثابت ہونے کے کسی بات پر دل ہی دل میں رنج کرنا اسکے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور انور کا ارشاد ہے" ان اللہ لا یؤاخذ علی دمع العین ولا حزن القلب ولکن یؤاخذ علی ھذا او یرحم" یعنی آنکھوں سے آنسو بہانے اور دل ہی دل میں رنج کرنے پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا بلکہ وہ زبان (سے بیانات وغیرہ کرکے رونے) پر مواخذہ کرتا ہے یا رحم فرما دیتا ہے۔

اسی طرح شیعی علمار کا یہ کہنا کہ یہ آیت ابوبکر کے اللہ پر یقین نہ ہونے کی دلیل ہے محض بہتان ہے کیونکہ انبیار نے بہتیرے رنج کئے ہیں لیکن اُن رنجوں سے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس رنج سے انبیار کو اللہ پر یقین نہیں تھا جیسا اللہ نے یعقوب کے حال کا ذکر کیا ہے وہ آیت اس بات کی ہرگز دلیل

نہیں ہوسکتی کہ اُنھیں اللہ پر یقین نہیں تھا نہ اس یقین کرنے پر وہ دلالت کرتی ہے اور نہ کوئی اُسے اُسکی دلیل کہتا ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم فوت ہوئے تو آپنے یہ فرمایا تھا تدمع العین و یحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی الرب وانا بك یا ابراہیم لمحزونون" یعنی اے ابراہیم ہم تیری وجہ سے بہت ہی رنجیدہ ہیں آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور دل غم کرتا ہے۔ لیکن ہم سوائے اسکے کچھ نہیں کہتے جس سے خدائے پاک راضی ہو حالانکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی کو رنج کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ولا تحزن علیہم۔

اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ ابوبکر کی بزدلی اور قضا و قدر پر نارضامندی کی دلیل ہی ناقابل تسلیم ہے اور جسکا غلط ہونا بدیہی ہے اور جس کی نظیریں پہلے گزر چکی ہیں

پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کہ اگر رنج کرنا طاعت تھا تو پیغمبر خدا اس سے کیوں منع کرتے کیونکہ نبی طاعت سے نہیں منع کرتے بلکہ اور اسکی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ (پھر بقول شیعی علماء) اگر وہ معصیت تھا تو جسے تم فضیلت کہتے ہو وہ رذیلت ہوئی۔ فقط

پہلا جواب

دعویٰ تو کوئی نہیں کرتا کہ محض رنج کرنا ہی فضیلت ہے فضیلت تو وہ ہے کہ ابوبکر نے حضور انور کے ساتھ اپنا وطن چھوڑ دیا اور آپ کی بابرکت صحبت کو سب باتوں پر فضیلت دی اور ہر طرح سے کمال صحبت حاصل کیا حالانکہ قرآن مجید اسپر دلالت نہیں کرتا کہ اُنھیں کسی قسم کا رنج لاحق ہوا تھا۔

دوسرا جواب

یہی الفاظ جنسے ابوبکر سے خطاب کیا گیا ہے بعینہ ذیل کی آیت میں بھی ملیں گے جنسے خداوند تعالےٰ نے اپنے نبی سے خطاب کیا ہے وہ آیت یہ ہے "ولا تحزن علیہم ولا تك فی ضیق مما یمکرون" پھر فرماتا ہے۔ ولا تحزن علیہم واخفض جناحك" بلکہ اس آیت کا بھی جس میں اللہ نے موسیٰ سے خطاب کیا تھا یہی مطلب ہے۔ خذ ہا ولا تخف سنعیدہا سیرتہا الاولیٰ۔ اس اخیر آیت میں بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر موسیٰ کا یہ خوف طاعت تھا تو اللہ نے اس طاعت سے کیوں منع کیا اور اگر معصیت تھا تو موسیٰ نے رذیل کام کیا اسکا جواب بھی یہی ہے کہ یہاں اللہ نے اُنھیں اطمینان رکھنے اور

ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کبھی کوئی باعث امن نہیں ہوتا تو وہاں انسان کے دل میں بے اختیار خوف پیدا ہو جاتا ہے اور جس وقت وہاں کوئی باعث امن موجود ہو جاتا ہے تو وہ خوف جاتا رہتا ہے۔ پس موسیٰ سے اللہ کا یہ فرمانا کہ تم خوف نہ کرو ہم اس لاٹھی کو پہلی ہی جیسی کر دیں گے ایک ایسی خبر کا امر ہے جو ان کے اس خوف کو زائل کرتی ہے۔ اسی طرح حضور انور کا اپنے صدیق سے یہ فرمانا کہ "لا تحزن ان اللہ معنا" ایک رنج سے منع کرتا ہی جو اسکے باعث زوال یعنی ان اللہ معنا کے ساتھ مقرون ہے اسی مضمون کی اسکے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

تیسرا جواب

حضور انور کے اس ارشاد کرنے میں کہ رنج نہ کر کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس رنج کے موجود ہونے پر دلالت کرے جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی چیز کا مقتضی یعنی سبب موجود ہو تو اس سے اسلئے منع کر دیتے ہیں تاکہ وہ چیز وجود میں نہ آئے اور اس صورت میں اس رنج کا معصیت ہونا ہمیں کچھ مضر نہ ہوگا اگرچہ وہ وجود میں بھی آجائے کیونکہ منع کرنا کبھی تسلی طبع اور اطمینان قلب کے لئے بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی آدمی کو محبت میں افراط کرنے سے منع کیا کرتے ہیں اگرچہ محبت بے اختیاری امر ہے۔ علی ہذا القیاس بیہوش ہونے۔ گر پڑنے اور بے صبری کرنے سے بھی منع کیا جاتا ہے حالانکہ یہ سب بے اختیاری امور ہیں۔ ان سے منع کرنا اسلئے نہیں ہوتا کہ ان میں معصیت ہے نہ ان کا سبب ممنوع ہوتا ہے۔

اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تمھاری اس تقریر سے یہ لازم آتا ہے کہ صدیق کو ایسی چیز سے منع کیا ہو جسکا ترک کرنا ممکن نہ تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ انھیں ایسی چیز کا حکم دیا گیا تھا جو رنج کی ضد اور اسکی منافی تھی اور وہ اُسے حاصل کر سکتے تھے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان ایک دفعہ رنج وخوف میں آکے ڈھیلا سا ہو جاتا ہے مگر جب اس رنج وخوف کا مقابلہ کرتا ہے اور اُسکے اثر کے خلاف مستعدی دکھاتا ہے تو اُسکا دل بھی ٹھکانے آجاتا ہے اور بدن میں بھی قوت عود کر آتی ہے۔ اس صورت میں صدیق کو اس رنج سے منع کرنا گویا ایسی چیز کا حکم ہے جو اس رنج کو زائل کر دے اگرچہ وہ معصیت نہ ہو جیسا کہ انسان کو اپنے دشمن کے دفع کرنے اور نجاست دور کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ صدیق کے رنج کا سبب فقط طاعت ہی تھی

اور وہ طاعت رسول کی محبت اور آپ کی خیر خواہی تھی۔

چوتھا جواب

اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ رنج معصیت تھا تو صدیق نے اُسے حضور انور کے منع فرمانے سے پہلے کیا تھا اور جب حضور نے اُسے منع فرما دیا تو پھر اُنھیں رنج نہیں رہا۔ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو کام اُسکے حرام ہونے سے پہلے کر لیا جائے تو اُسمیں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ مثلاً شراب کی ممانعت ہونے سے پہلے لوگ برابر شراب پیتے تھے مگر جب منع کر دیا گیا تو وہ رُک گئے اور توبہ کر لی۔

ابو بکر بن حزم نے لکھا ہے کہ ابو بکر کا رنج چونکہ رسول اللہ کے فرمانے سے پہلے تھا اسلیئے وہ خداوند تعالیٰ کی انتہا درجہ رضامندی کا سبب تھا کیونکہ انھیں محض اسی وجہ سے رنج ہوا تھا کہ آپ حضور انور پر دل و جان سے فریفتہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ اللہ ان کے ساتھ تھا ورنہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے ساتھ کبھی نہیں ہوتا بلکہ اُن کے اور خلاف ہوتا ہے اور جب حضور انور نے اس رنج کرنے سے منع کر دیا تو پھر صدیق کو اُسکا رنج اور فکر مطلق نہیں رہا۔ اگر صدیق کے رنج کو ہم کوئی عیب یا بُرائی خیال کرینگے تو پھر موسیٰ اور سرور کائنات کو بھی اس عیب سے مملو پائیں گے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے موسیٰ سے پہلے ہی ارشاد کر دیا تھا۔ سنشد عضدک باخیک الآیۃ۔ یعنی عنقریب ہم تمھارا بازو تمھارے بھائی سے مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے اور وہ لوگ بہ سبب میری نشانیوں کے تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے تم اور تمھارے پیرو غالب رہیں گے۔ پھر ارشاد ہوا ہے۔ فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ۔ یعنی پھر موسیٰ نے اپنے دل میں خوف پایا ہم نے کہا ڈرو نہیں بیشک تم ہی غالب رہو گے۔ دیکھو یہ موسیٰ رسول اور کلیم اللہ ہیں جنھیں اللہ نے پہلے ہی یہ خبر کر دی تھی کہ فرعون اور اُسکا لشکر تم تک نہ پہنچ سکے گا اور غالب تم ہی رہو گے۔ مگر ان کے دل میں اُس کے بعد بھی خوف پیدا ہو گیا۔ موسےٰ کے اس خوف کرنے کی وجہ فقط یہی تھی کہ وہ اس وعدہ کو بھول گئے تھے۔ جو ان سے پہلے ہو چکا تھا۔ مگر صدیق کا رنج حضور انور کے منع کرنے سے پہلے تھا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اب خود حضور انور کو لو۔ آپ کو بھی رنج کرنے سے خداوند تعالیٰ نے کئی جگہ منع فرمایا۔ پس حضور کے رنج کرنے پر شیعی علمار کو وہی اعتراض کرنا چاہیئے جو اُنھوں نے صدیق پر کئے ہیں۔ ہاں یہ ہم جانتے ہیں

اور اسپر ہمارا ایمان ہے کہ حضور انور کا کفار کی باتوں اور کفر کی حالت پر رنج کرنا خداوند تعالیٰ کے منع کرنے سے پہلے تھا۔ اسیطرح حضور انور کے منع کرنے کے بعد صدیق نے مطلق رنج نہیں کیا۔ پھر یہ اُن کی بُرائی میں کیونکر شامل ہوسکتا ہے۔ حالانکہ ممکن یہ بھی ہے کہ صدیق کو رنج اس روز بھی نہ ہوا ہو۔ لیکن حضور انور نے اس لیئے منع کردیا کہ انھیں رنج ہو ہی نہیں۔ جیساکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ولا تطع منهم آثما او كفورا۔ یعنی ان کفار میں سے تم کسی گنہگار یا کافر کی اطاعت نہ کرو حالانکہ حضور انور تو ایسا پہلے ہی سے نہ کرتے تھے۔

باقی شیعی علمار کا یہ فرمانا کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں رسول اللہ پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر ہوا ہے تو آپ کے ساتھ اللہ نے مومنین کو بھی شامل اور شریک کردیا ہے۔ سوائے اس ایک موقع کے اور اس سے بڑھ کے اور کوئی نقص نہیں ہے۔

پہلا جواب

اِس اعتراض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کئی جگہ اسکا ذکر کیا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ سوائے ایک حنین کے قصہ کے اور کہیں اسکا ذکر نہیں ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ ویوم حنین اذا عجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين ○ ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المومنين وانزل جنودا لم تروها ○ اِس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے پشت پھیر کے بھاگ جانے کے بعد رسول پر اور مسلمانوں پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر کیا ہے اور اُسوقت رسول اُن کے ساتھ نہ تھے۔

دوسرا جواب

آیت فانزل الله سكينته عليه میں جو علیہ ہے اُسکی ضمیر میں علمار کا اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر حضور انور کی طرف پھرتی ہے کیونکہ زیادہ قریب انہی کا ذکر ہے دوسرے یہ کہ اِن پر سکینہ نازل ہونے کی اُنھیں زیادہ ضرورت تھی جیساکہ اللہ نے ان مسلمانوں پر نازل کی تھی جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور حضور انور کو اُسکی ایسی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ کو اُسوقت پورا پورا اطمینان تھا بخلاف حنین کے دن کی سکینہ کے۔ اِس لیئے کہ اُسوقت آپ کو بھی اسکی ضرورت ہوگئی تھی اسوجہ سے کہ لوگ بھاگ گئے تھے اور دشمن آپ کی طرف بڑھ رہا تھا اور آپ نے بھی اپنے گھوڑے کی باگیں مقابلہ کے لیئے اُٹھادی تھیں۔ لہذا پہلے قول کے مطابق یہ ضمیر حضور انور کی طرف عاید ہوگی

جیساکہ آیت وایدہ بجنود لم تروھا- میں بھی آپ ہی کی طرف عاید ہے۔

تیسرا جواب

سیاق کلام بھی آپ ہی کے ذکر میں ہے اور آپ کے صاحب یعنی ساتھی کو ضمناً اور تبعاً ذکر کردیا ہے لیکن اس صورت میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب حضورِ انور نے اپنے ساتھی سے یہ فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور حضور ہی متبوع اور مطاع تھے اور ابوبکر تابع و مطیع تھے اور یہی آپکے ساتھی تھے تو جب اس حالت میں متبوع کے لئے سکینہ اور تائید حاصل ہوئی تو یہی تابع یعنی ابوبکر کے لیئے بھی ضرور ہو گی اور اُسکے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کی ملازمت اور مصاحبت ہی اسدرجہ کی تھی کہ جو تائید میں اُنکی شارکت یقیناً ثابت کرتی تھی بخلاف اُن لوگوں کے جو جنگ حنین کے دن بھاگ گئے تھے اگر وہاں اتنا کہہ کر سکوت کرلیا جاتا کہ اللہ نے اپنے رسول پر سکینہ نازل کی تو اس کلام میں اُن لوگوں پر سکینہ نازل ہونے کی کوئی دلیل نہ ہوتی اسلیئے کہ وہ بھاگ جانے کی وجہ سے رسول سے علیحدہ ہو گئے تھے انھیں وہ صحبت حاصل نہ رہی تھی جو ابوبکر صدیق کو حاصل تھی اور جب انھیں اِس کامل صحبت کے ساتھ موصوف کردیا تو بطریق فحوائے کلام یہ اس امر کی دلیل ہوگئی کہ نصرت اور تائید کے وقت یہ بے شک اُنکے ساتھ تھے۔ اسلیئے کہ جو شخص شدید خوف کی حالت میں ساتھی ہو وہ نصرت اور تائید کی حالت میں ضرور ہی ساتھی ہوگا لہذا اسکی ضرورت نہیں ہے کہ اس حالت میں اُن کے ساتھ ہونے کا ذکر کیا جائے کیونکہ یہ کلام اور حال دونوں اسپر دال ہیں اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اس حالت میں حضور کے ساتھی تھے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو سکینہ اور تائید نازل ہوکر رسول اللہ کو حاصل ہوا وہی اور لوگوں کی بہ نسبت صدیق کو بھی بدرجہ اولی حاصل ہوا اور یہ قرآن شریف کی بلاغت اور حسن بیان ہے جو غوض و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے اِسی قسم کی ضمیر اللہ کے اس قول میں موجود ہے جیساکہ ارشاد ہوا ہے۔ واللّٰہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔ یعنی اللہ اور اُسکا رسول اسکا زیادہ حقدار ہے کہ اُسے راضی کریں اس آیت میں یرضوہ کی ضمیر واحد ہے اسکی کچھ تعیین یہاں نہیں ہے کہ کس کو راضی کریں اب اگر یہ ضمیر اللہ کی طرف عاید ہو تو اللہ کو راضی کرنا رسول کو راضی کئے بغیر نہیں ہو سکتا اور اگر یہ رسول کی طرف عائد ہو تو رسول کو بھی راضی کرنا اللہ کے راضی کئے بغیر نہیں ہو سکتا اور جب دونوں کا راضی کرنا دوسرے کے راضی کئے بغیر نہیں ہو سکتا اور دونوں کی رضامندی

ایک چیز سے حاصل ہو سکتی ہے اور اول مقصود اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول کا راضی کرنا تابع ہے۔
اسلیے یہ ضوہ میں ضمیر واحد کی لائی گئی اسی طرح ایک اور دوسری آیت ہے (مثلاً خداوند تعالےٰ فرماتا ہے)
فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ۔ میں ضمیر واحد لائی گئی ہے اس لیئے کہ اس سکینہ کا ان میں سے ایک پر
نازل ہونا دوسرے پر نازل ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ سکینہ صاحب پر نازل ہو اور
مصحوب اُس سے محروم رہے یا مصحوب پر نازل ہو اور صاحب پر نہ ہو۔ پس جب ایک پر نازل ہونا
دوسرے پر نازل ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا تھا تو ضمیر واحد کر دی گئی اور اُسکا مرجع رسول کو رکھا ہے
کیونکہ مقصود وہی ہے اور آپ کے ساتھی آپ کے تابع ہیں۔
دیکھو اگر تثنیہ کی ضمیر لائی جاتی اور یہ کہا جاتا کہ اللہ نے ان دونوں پر سکینہ نازل کی اور دونوں
ہی کی مدد کی تو اس سے یہ وہم ضرور ہوتا کہ ابوبکر نبوت میں شریک ہیں جو دونوں کو ایک درجے میں
کرکے بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح تثنیہ کے ساتھ موسیٰ اور ہارون کی بابت کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا
سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطاناً الآیۃ فقط
(ابوبکر صدیق اور اُن کے حق میں قرآن مجید کی ایک آیت) شیعی علماء فرماتے ہیں کہ آیت
سیجنبہا الاتقی "ابوبکر کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔
وہ ابوالدحداح ہے جسنے ایک شخص کا باغ اپنے ایک ہمسایہ کے لیئے خریدا تھا اور اُسکے خریدنے کی یہ
وجہ تھی کہ اُس باغ کے عوض جنت میں ایک باغ دینے کا رسول اللہ نے اُس سے وعدہ کیا تھا ابوالدحداح
کو جب اسکی خبر ہوئی اُسنے اپنے ایک باغ کے بدلے اُس باغ کو خرید لیا اور حضور کی مرضی کے موافق
ایک ہمسایہ کے لیئے اُسے ہبہ کر دیا تو رسول اللہ نے اُسی وقت اُسکے عوض جنت میں اُسکے لیئے ایک باغ کر دیا۔

جواب

اسکی بحث مختصر طور پر گزشتہ صفحات میں آ چکی ہے مگر اب ہم ذرا توضیح کے ساتھ اسپر بحث کرتے ہیں
کیونکہ شیعی علماء اس اعتراض پر بہت بڑا فخر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسکا جواب ہونا محال ہے۔ لہذا
ہم چاہتے ہیں کہ جواب ذرا وضاحت سے دیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے۔
تمام مفسرین قرآن شریف کے معنی اور اسباب نزول جاننے والوں کا اسپر اتفاق ہے کہ اس آیت کی
خصوصیت کسی صورت سے بھی ابوالدحداح کے ساتھ نہیں ہو سکتی اور نہ ابوبکر صدیق اس سے علیحدہ

ہو سکتے ہیں اور اسپر بھی سب علمار کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی اور ابو الدحداح کا قصہ ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا ہے کیونکہ یہ انصار میں سے ہے اور انصار حضور کی صحبت سے مدینہ ہی میں فیضیاب ہوئے ہیں دوسرے یہ کہ باغ وغیرہ مدینے ہی میں تھے مکہ میں کوئی باغ نہ تھا لہذا یہ کسی طرح نہیں بن سکتا کہ یہ آیت ابو الدحداح کے قصے کے بعد نازل ہوئی ہو۔ ہاں بعض علمار ایسے ہیں جنھوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ابو الدحداح کے حق میں نازل ہوئی ہی اس سے اُنکی مراد یہ ہے کہ ابو الدحداح بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے اور اُسکا عموم اور حکم اسے بھی شامل ہے کیونکہ اکثر صحابہ اور تابعین یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ یہ آیت اس حکم پر دلالت کرتی ہے اور اُسکو شامل ہی اور اس سے یہی حکم مراد ہے۔ بعض علمار کا یہ قول ہے کہ کبھی کبھی ایک آیت دو دفعہ بھی نازل ہو جاتی ہے ایک دفعہ ایک سبب کے لیے اور دوسری دفعہ دوسرے سبب کے لیئے۔ پس اس قول کے موافق ممکن ہے کہ ابو الدحداح کے قصہ میں یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہو اور ایک دفعہ حضور انور کے ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہو چکی ہو بہت سے علمار اسکے قائل ہیں کہ یہ آیت ابو بکر کے حق میں نازل ہوئی ہی چنانچہ ابن جریر نے اسناد کے ساتھ عبد اللہ بن زبیر وغیرہ سے روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابو بکر ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم اور ثعلبی نے عبد اللہ اور سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابو بکر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہی کہ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ ابو بکر نے ایسے سات آدمیوں کو آزاد کرایا ہی جنپر صرف اس جرم میں کہ وہ خدا کو ایک مانتے تھے ظلم توڑے جا رہے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ بلال۔ عامر بن فہیرہ۔ نہدیہ اور اُسکی بیٹی۔ زنیرہ۔ اُم عیس اور بنی المؤمل لونڈی۔

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ زنیرہ رومیہ لونڈی تھی جو بنی عبد الدار کے قبضہ میں تھی۔ جب یہ مسلمان ہوئی تو اتفاق سے اندھی ہو گئی اسپر اُسکے آقا نے اُسے یہ طعنہ دیا تو نے مسلمان ہونے کا مزا چکھا لات وعزیٰ نے تجھے اندھا کر دیا لونڈی نے کہا لات وعزیٰ کوئی چیز نہیں ہے۔ ان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ کسی انسان میں اتنا تصرف کر سکیں کہ اُسے اندھا کر دیں۔ یہ سب خدا کے کام ہیں جسے چاہے اندھا کرے اور جسے چاہے بینا کرے۔ اندھی لونڈی اس جواب دینے کے بعد خدا کی

قدرت سے فوراً بینا ہوگئی۔ اسپر اُسکے آقا ناراض ہوئے اور اُسپر شدید ظلم توڑنے لگے جب بلال کو صدیق اکبر نے خرید اتو اُسکے آقانے ان سے یہ کہا ابوبکر اگر تم چالیس ہی درم ہمیں دیتے تو ہم ضرور اسے بیچ ڈالتے۔ صدیق نے اسپر یہ کہا کہ تم اگر ہزار درم بھی مانگتے تو بھی میں خوشی سے دیدیتا اُس وقت صدیق اکبر کے حق میں مذکور آیت اخیر سورت تک نازل ہوئی یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ صدیق اکبر جب مسلمان ہوئے تھے تو اُن کے پاس چالیس ہزار درم تھے جو اُنھوں نے اسی طرح راہ خدا میں صرف کردئے اِس آیت کے ابوبکر کے حق میں نازل ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے جیساکہ اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنقریب اِس سے ایک بڑا پرہیزگار بچا دیا جائیگا۔ پھر دوسری جگہ یہ فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ لہٰذا ضرور ہے کہ جو اُمت میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو وہی اِس آیت کے حکم میں داخل ہو اور وہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہو اس بات کا آجتک کوئی قائل نہیں ہوا کہ ابوالدحداح سابقین۔ اولین۔ مہاجرین یعنی ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی وغیرہ سے افضل ہے۔ بلکہ ساری اُمت خواہ وہ سنی ہو یا غیر سنی اسپر متفق ہیں کہ یہ لوگ اور اُن کے امثال یعنی دوسرے مہاجرین بھی ابوالدحداح سے یقیناً افضل ہیں۔

اِسکے علاوہ شیعی علماء تو یہ دعوے کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوالدحداح کے حق میں نازل ہوئی ہے مگر جب اِسکے سبب نزول میں اختلاف ہوا تو اُس اختلاف سے دو مدعی ہو گئے ایک کہتا ہے کہ اسکے حق میں نازل ہوئی دوسرا کہتا ہے کہ ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔ ان دعووں میں وہی دعوے ٹھیک ہے جسکی قرآن شریف گواہی دے حالانکہ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ اس آیت میں دونوں شامل ہیں تو ابوالدحداح کی بہ نسبت ابوبکر اسمیں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

جیساکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور انور نے فرمایا تھا کہ جس طرح مجھے ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا ہے ایسا کسی کے مال نے نفع نہیں پہنچایا اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور انور نے ابوبکر کے مال کے نفع کے مقابلہ میں ساری امت کے مال کی نفی کردی۔ لہٰذا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ درجے کے امور تو اس آیت کے حکم میں داخل ہوں اور وہ مال جو حضور انور کیلئے سب مالوں سے زیادہ فائدے مند ہو وہ اُسمیں داخل نہ ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ یقیناً جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا وہی سب سے زیادہ افضل ہوگا

اسمیں دو قول مشہور ہیں ایک قول اہل سنت والجماعت کا ہے کہ ساری خلقت سے افضل ابوبکر صدیق ہیں اور دوسرا قول شیعوں کا ہے کہ سب سے افضل علی ہیں۔ اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ وہی بڑا پرہیزگار ہے جو اللہ کے نزدیک ساری خلقت سے بزرگ ہو وہ ان دونوں کے سوائے کوئی اور ہو جائے اور ان میں ایک بھی ایسا ہو جو بڑے پرہیزگاروں میں شمار ہو یہ ممکن نہیں جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان میں سے ایک کا اس میں داخل ہونا ضروری ہے تو واجب ہے کہ اس آیت کے حکم میں ابوبکر ہی داخل ہوں اور چند اسباب کی وجہ سے اُنھیں کا داخل ہونا علی کے داخل ہونے سے بدرجہ اولےٰ واجب ہے۔

اول تو یہ خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ بڑا پرہیزگار وہ ہے جو پاک ہونے کے لیئے اپنا مال دیتا ہے اور صحاح وغیرہ میں متواتر حدیثوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس موقع پر ابوبکر ہی نے اپنا مال دیا تھا اور یہ اس بارے میں تمام صحابہ سے مقدم ہیں اسکے ثبوت میں نصوص صحیحہ صریحہ اور متواترہ پہلے کئی دفعہ مذکور ہو چکی ہیں جو اس امر پر صاف طور پہ دال ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی رضامندی میں سب سے زیادہ ابوبکر نے مال خرچ کیا بخلاف علی کے کہ انھیں حضور نے اپنے روپے سے پرورش کیا اور وہ عرصہ دراز تک یعنی جب تک فاطمہ زہرا سے اُن کی شادی نہ ہوگئی مفلس ہی رہے۔ اسپر سنی اور شیعوں دونوں کا اتفاق ہے۔ حضور انور نے ان کی ہمیشہ پرورش کی ان کے پاس کچھ بھی خرچ کرنے کو نہ تھا ہاں اگر ان کے پاس ہوتا تو بیشک یہ بھی خرچ ضرور کرتے مگر مفلسی کی وجہ سے خود حضور انور کے دست نگر تھے نہ کہ آپ کی خدمت روپے سے کر سکتے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اس آیت سے اگلی آیت یعنی وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ ابوبکر ہی کے حق میں ہے نہ کہ علی کے حق میں کیونکہ ابوبکر کے پاس حضور انور کی طرف سے ایمان کی نعمت تھی یعنی یہ کہ حضور کے ذریعہ سے اللہ نے اُنہیں ہدایت کر دی تھی تو یہ گویا ابوبکر پر حضور انور کا احسان تھا لیکن یہ ایسا احسان ہے کہ مخلوق سے اسکا بدلہ نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسمیں رسول کا اجر اللہ پر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر۔ پھر فرمایا۔ قل ما سئالتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ ؕ

اب رہی وہ نعمت جسکا مخلوق کو بدلہ ملتا ہے وہ دنیاوی نعمت ہوتی ہے اور حضور انور کی طرف سے ابوبکر کے پاس دنیاوی نعمت نہ تھی بلکہ دینی نعمت تھی بخلاف علی کے کہ اُنھیں حضور انور دنیاوی نعمت یعنی مال بھی دیتے تھے جسکا بدلہ ادا ہو سکتا تھا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ صدیق اور حضور انور کے درمیان کوئی ایسا سبب نہ تھا جسکی وجہ سے وہ آپ سے محبت رکھتے تھے اور اپنا مال آپ پر خرچ کرتے تھے سوائے ایمان کے انھوں نے حضور کی مدد اس طرح نہیں کی جس طرح ابو طالب نے کی تھی کیونکہ ابو طالب کو حضور انور سے قرابت داری کا تعلق تھا اور ابوبکر کا ہر کام محض لوجہ اللہ اور خالصًا للہ تھا۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے "الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلےٰ ولسوف یرضیٰ"

اسی طرح خدیجۃ الکبریٰ حضور انور کی بیوی تھیں اور بیوی اپنا مال اپنے شوہر پر خرچ کر دیا کرتی ہے خواہ وہ کسی درجے اور مرتبہ کا ہو اگر حضرت علی کی بابت یہ مان بھی لیا جائے کہ اُنھوں نے حضور انور پر کچھ مال خرچ کیا تھا تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ اُنھوں نے قرابت داری کی وجہ سے اپنے ایک قرابت دار پر خرچ کیا جیسا کہ سارا جہان کیا کرتا ہے۔ ابو طالب خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت علی کے خرچ کرنے کے اسباب ایسے ہیں کہ بعض اوقات وہ فعل انھیں کی طرف منسوب اور مضاف کر دیا جاتا ہے بخلاف ابوبکر کے خرچ کرنے کے کیونکہ اُن کے لیے سوائے اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کے اور کوئی سبب نہ تھا۔ لہذا مذکور آیت کا مصداق بننے کے وہ سب متقیوں سے زیادہ حقدار ہیں۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ جب اس آیت میں یہ مان لیا گیا کہ اس میں اور صحابہ بھی داخل ہیں اور اُسکے حکم میں اور لوگ بھی شامل ہیں تو بھی اسمیں داخل ہونے کے ابوبکر ساری اُمت سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ اس امت کے اتقی یعنے پرہیزگار وہی ہیں۔ لہذا وہی سب سے افضل ہوئے اُسکی تفصیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے اتقیٰ کی بہت سی صفات ایسی بیان فرمائی ہیں کہ ان میں ابوبکر ساری امت سے اکمل ہیں اور وہ صفات یہ ہیں جو ان آیتوں میں مذکور ہیں "الذی یوتی مالہ یتزکیٰ وما لاحد عندہٗ من نعمۃ تجزیٰ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلےٰ" اب رہی ان صفات کی تحقیق۔ مال دینے کی بابت تو صحاح میں حضور انور سے ثابت ہے کہ ابوبکر کا خرچ کرنا اور سب کے خرچ کرنے سے افضل ہے اور جو معاونت اُنھوں نے

اپنی جان اور مال سے حضور انور کی کی وہ سب کی معاونت سے اکمل ہیں باقی ایسی نعمت کا طلب کرنا جسکا بدلہ دیا جاتا ہو یعنی مال وغیرہ سو ابوبکر نے حضور انور سے کبھی طلب نہیں کیا نہ کوئی دنیاوی حاجت چاہی بلکہ ابوبکر تو حضور انور سے فقط علم کے خواستگار رہتے تھے۔ جیسا صحیحین میں ثابت ہے کہ انھوں نے حضور انور سے یہ عرض کیا تھا کہ مجھے ایسی کوئی دعا یاد کرا دیجئے جو میں نماز میں پڑھا کروں تو حضور انور نے یہ دعا یاد کرادی تھی۔ اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔

اسکے علاوہ ابوبکر کو خصوصیت کے ساتھ حضور نے کبھی کچھ مال نہیں دیا بلکہ جب کبھی غنیمت کا مال آتا تھا تو مثل اور غازیوں کے ایک غازی یہ بھی شمار کر لیے جاتے تھے۔ جسقدر غازیوں میں ایک ایک کو ملتا تھا ایسا ہی ایک کے برابر انھیں بھی دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور انور نے ابوبکر کا سارا مال لے لیا تھا۔ باقی ان کے سوا اکثر انصار اور بنی ہاشم کو حضور انور کبھی کبھی اوروں سے زیادہ دیدیتے تھے۔ حضور انور نے ایک مرتبہ خمس میں سے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو اتنا دیا تھا کہ اوروں کو اتنا نہیں دیا۔ عمر فاروق کو آپنے حاکم کیا تو ان کی تنخواہ انھیں دیدی لیکن ابوبکر کو ایسے عہدے کی کبھی تنخواہ نہیں ملی کیونکہ صدیق اکبر ایسی نعمت سے بہت دور رہتے تھے جسکا بدلہ دیا جاسکتا ہو اور ایسی نعمت میں سب سے زیادہ قریب رہتے تھے جسکا بدلہ نہ ہوتا ہو اور وہ ایمان کی نعمت ہے۔

باقی اللہ کی خوشنودی اور رضامندی چاہتے تھے۔ ابوبکر کا اخلاص ایسا ہے کہ اس میں بھی یہ ساری امت سے اکمل ہیں اس سے خوب معلوم ہو گیا کہ ان مذکورہ صفات کی وجہ سے جو لوگ اس کے تحت میں ہیں ان سب سے اکمل ابوبکر ہیں کیونکہ یہ ان صفات میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں جو اللہ نے ان آیتوں میں مومنین کی بیان کی ہیں۔ لہذا وہی افضل الامۃ ہوئے۔

قل للمخلفین من الاعراب

شیعی علماء فرماتے ہیں اس سے اللہ تعالی نے وہ آدمی مراد لیے ہیں جو جنگ حدیبیہ سے رہ گئے تھے انھوں نے خیبر کی غنیمت لینی چاہی تھی انھیں اللہ تعالی نے قل لن تتبعونا فرما کے اس غنیمت کے لینے سے منع فرمادیا کیونکہ خیبر کی غنیمت اللہ نے ان ہی لوگوں کا حصہ ٹھیرایا تھا جو حدیبیہ کی جنگ میں شامل ہو چکے تھے۔ (پھر بقول شیعی علماء) خداوند تعالی فرماتا ہے" قل للمخلفین من الاعراب

ستدعون الی قوم اولی باس شدید" یعنی رسول تم پیچھے رہے ہوئے اعراب سے کہدو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگ جو قوم کی (جنگ کی) طرف بلائے جاؤ گے - چنانچہ ان اعراب کو رسول اللہ نے بہت سے غزووں کی طرف بلایا مثلاً غزوۂ حنین - تبوک وغیرہ لہذا اس آیت میں بلانے والے سے مراد رسول اللہ ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے (بقول شیعی علماء) بلانے والے سے علی مراد ہوں کیونکہ انھوں نے بھی ناکثین - قاسطین - اور مارقین سے بہت جنگ کی ہے اور پھر وہ لوگ مسلمان ہو کے آپ کی اطاعت میں آگئے تھے اسکی دلیل یہ ہے (بقول شیعی علماء) رسول اللہ نے فرمایا تھا یا علی حربک حربی یعنی تم سے لڑنا مجھ سے لڑنا ہے اور رسول اللہ سے لڑنا کفر ہے -

جواب

اس آیت سے ابو بکر کی خلافت اور اُن کی اطاعت واجب ہونے پر علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے - منجملہ ان کے امام شافعی - اشعری - ابن حزم وغیرہ بھی ہیں اُنھوں نے اس طرح حجت کی ہے اللہ تعالے فرماتا ہے فان رجعک اللہ الی طائفۃ منھم فاستاذنوک للخروج فقل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا الایہ یعنی پس (اے نبی) اگر اللہ تمھیں ان میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ تم سے (جہاد کے لیے) نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہدو تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کے کسی دشمن سے نہ لڑو - فقط

کہتے ہیں یہاں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اُن لوگوں سے یہ کہدیں - پس اس سے معلوم ہوا کہ انھیں لڑائی کی طرف بلانے والے رسول اللہ نہیں ہیں واجب ہے کہ وہ بلانے والے وہ لوگ ہوں جو حضور انور کے بعد ہوئے ہیں اور وہ سوائے ابو بکر کے اور کوئی نہیں ہے - ان کے بعد عمر ہیں اور پھر عثمان جنھوں نے لوگوں کو روم اور فارس سے لڑنے کے لیے بلایا -

باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ بلانے والوں سے مراد علی ہو سکتے ہیں نہ کہ وہ خلفاء جو ان سے پہلے تھے کیونکہ انھوں نے ناکثین - قاسطین اور مارقین - یعنی اہل جمل صفین - حروریہ اور خوارج سے بہت جنگ کی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ کئی وجہ سے یقیناً باطل اور غلط ہے -

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اہل جمل وغیرہ اپنے بعضوں سے زیادہ جنگ جو اور قوی ہرگز نہ تھے - بلکہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ جمل کے دن اگر بفرض محال جو لوگ حضرت علی سے لڑے ہیں وہ یقیناً

اُن کے لشکر سے بہت ہی کم تھے آپ کا لشکر اُن سے کئی حصے زیادہ تھا۔ اسی طرح خوارج سے بھی آپکی فوجیں کئی گنا زیادہ تھیں۔ علی ہذا القیاس اہل صفین سے بھی آپ کی فوجیں بہت زیادہ تھیں لہذا اُن کے وصف میں اُنھیں جنگ جو اور قوی کہنا ایسا نہیں ہو سکتا جسکے باعث انھیں اوروں سے امتیاز ہو جائے کیونکہ ان میں سچ مچ یہ وصف ہی نہیں تھا اسکے علاوہ یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ بنی حنیفہ جن سے ابوبکر کی جنگ ہوئی ہے۔ پھر روم اور فارس جن سے عمر اور عثمان لڑے ہیں وہ لوگ ان خوارج وغیرہ سے بہت جنگ جو اور قوی تھے باوجود اسکے علی کے ساتھیوں کی خوارج سے ایسی خونی جنگ نہیں ہوئی جیسی ابوبکر کے لشکر کی مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں سے ہوئی تھی باقی فارس اور روم کے بارے میں کسی عاقل کو بھی اسمیں شک نہیں ہے کہ جو جنگ اُن سے ہوئی وہ مسلمانوں کی اس لڑائی سے بہت ہی سخت تھی جو اُن کی آپس میں ہوئی تھی۔ اگرچہ عرب کے کفار سے آغاز اسلام میں جنگ کرنا بیشک ایک بڑی چیز تسلیم کیا گیا ہے جسکی وجہ یہ تھی کہ اُس وقت مسلمان بہت کم تھے اور ابتدائے اسلام ہونے کی وجہ سے کمزور تھے نہ اس وجہ سے کہ ان کا دشمن فارس اور روم سے زیادہ جنگ جو اور قوی تھا اسی بنا پر خداوند تعالے نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ بیشک اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی اور تم بے حقیقت تھے۔

یہ لوگ دعوتِ اسلام بھی کرتے تھے اور ہمجنس بھی تھے ان میں ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسے جنگ جو اور قوی نہ تھے جیسے عرب کے سلمانوں کے مقابلے میں فارس اور روم والے تھے یہ لوگ سلمانوں کو اپنے خیال میں بہت کمزور اور مثل اپنی رعیت کے سمجھتے تھے۔ اُن کو انتہا درجہ کی حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہی ان کمزور مسلمانوں کی ایسی مدد نہ کرتا جیسی اُس نے پہلے اپنے رسول اور سلمانوں کی کی تھی تو اُن کفار کے مقابلے میں اُنکے کبھی قدم نہ جمتے اور نہ وہ ملک فتح کرسکتے کیونکہ وہ تعداد۔ قوت۔ فنونِ حرب اور ہتھیاروں میں اُن سے ہر طرح زیادہ تھے لیکن اس ایمانی قوت کی وجہ سے جو اللہ نے خاص سلمانوں ہی کو عطا کی ہے اُن کے دل اُن سے بھی زیادہ قوی رہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ علی نے اہل جمل اور خوارج سے لڑنے کے لیئے بہت دورے آدمیوں کو نہیں بلایا تھا جس کی وجہ سے وہ اس آیت کے مصداق ہو جائیں اور جب آپ بصرے پہنچے تو آپکی نیت کسی سے بھی لڑنے کی نہ تھی جیسا کہ مشہور ہے (اگرچہ ہم اسکے قایل نہیں ہیں) آپ سے یہ جنگ بے اختیار ہو پڑی نہ آپ کو اسکا کچھ خیال تھا اور نہ طلحہ زبیر کو اب رہے خوارج اُنکے لیئے تو آپ کا تھوڑا

ہی سا لشکر کافی تھا اسی لیئے آپ کو ضرورت نہیں پڑی کہ آپ حجاز عرب میں سے لڑنے کے لیئے کسیکو بلاتے

تیسری وجہ یہ ہے اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ علی کے ان اہل جمل وغیرہ سے جنگ کرنے میں علی کی اطاعت واجب تھی تو بھی یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالےٰ ایسے شخص کی اطاعت کا تو حکم دے جو مسلمانوں سے اُنھیں مطیع کرنے کے لیئے جنگ کرے اور ایسے شخص کی اطاعت کا حکم نہ دے جو کفار سے محض اس لیئے جنگ کرے کہ وہ اللہ اور اُسکے دین پر غلبہ نہ پائے یہ بات صاف ظاہر ہے جو شخص علی کی اطاعت سے نکل گیا وہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے سے اُس آدمی سے زیادہ دور نہیں ہے جسنے اللہ کے رسول اور قرآن مجید کی تکذیب کردی ہو اور جو شریعت رسول لائے ہیں اُسکے کسی حکم کو تسلیم نہ کیا ہو نہیں بلکہ یہ لوگ گناہ میں سب سے بڑھ کے ہیں اُنھیں اسلام کی طرف بلانا اور اُن کے انکار کرنے پر اُن سے لڑنا یقیناً افضل ہے یہ بھی اس صورت میں ہے کہ جب ہم زبردستی اس بات کو مان لیں کہ جو لوگ علی سے لڑے کافر تھے اگر کوئی یہ کہے کہ وہ مرتد تھے کافر نہ تھے جیسا کہ شیعی علماء کا فتوے ہے تو پھر اس میں شک نہیں کہ جو شخص لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کے اور رسول پر ایمان لے آئیں جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے پیرو تھے تو وہ خود مرتد ہونے میں اس سے بدرجہا بڑھ کے ہے جسنے رسول اللہ پر ایمان لا کے امام کی طاعت کا اقرار نہ کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے جو بُرائی اور خطا اُن لوگوں کی بیان کی جائے جنسے علی لڑے ہیں تو اُس سے بھی بڑھ کے خطا اور بُرائی اُن لوگوں میں بھی ضرور ہے جو خلفاء ثلاثہ سے لڑے ہیں اور جو فضیلت اور ثواب اُن لوگوں کا بیان کیا جائے جو علی کے ساتھ ہو کے لڑے ہیں تو اس سے بڑھ کے فضیلت اور ثواب اُن لوگوں میں بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو خلفاء ثلاثہ کے ساتھ ہو کے لڑے ہیں مگر یہ یاد رکھئے کہ یہ بات اُس صورت میں ہے جب یہ فرض کر لیا جائے کہ جنسے علی لڑے ہیں وہ کافر تھے مگر ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ یہ قول بالکل غلط اور یقیناً باطل ہے معمولی شیعوں کا تو کچھ کہنا نہیں نہ اُن سے خطاب ہے بلکہ بڑے بڑے شیعی علماء کا یہ قول نہیں ہے۔ ساتھ ہی اسکے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ ساری بحث اُسوقت ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ جنگ جو علی نے کی شریعت کے موافق اور مامور بہ تھی لیکن یہ کیونکر ہو سکتا ہے نہ صرف علماء اسلام بلکہ خود صحابہ میں بھی اس جنگ کے بارے میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ آیا یہ جنگ اس قسم کی تھی جو باغیوں سے کی جاتی ہے۔ جسکی شرط پائے جانے پر جنگ

کرنی واجب ہو جاتی ہے یا ایسی نہیں تھی اس وجہ سے کہ اس میں ایسی کوئی شرط نہیں پائی گئی جو اُسکے جائز ہونے کی باعث ہوتی۔ وہ قول جسپر اکابر صحابہ اور اکابر تابعین ہیں یہ ہے کہ جمل اور صفین کی جنگ کسی طرح بھی مامور بہ یعنی حکم خدا و رسول کے موافق نہ تھی اور اُسکا ترک کر دینا اس میں مبتلا ہونے سے افضل تھا۔ جمہور محدثین اور جمہور ائمہ فقہار کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہ کا مذہب جو قدوری نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ باغیوں سے جنگ کرنا جایز نہیں ہے ہاں اگر وہ جنگ کی ابتدا کریں تو جایز ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ اہلِ صفین نے علی سے جنگ کی ابتدا نہیں کی تھی اب بتایئے کہ اس فتوے کے مطابق علی پہ کیا رائے قائم ہو سکتی ہے۔

مدینہ۔ شام اور بصرہ کے بڑے بڑے مشہور فقہا کا یہی مذہب ہے۔ اور مشہور فقہائے حدیث مثلاً امام مالک۔ ایوب۔ اوزاعی اور امام احمد وغیرہ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ جنگ مامور بہ نہ تھی اور اسکا نہ کرنا کرنے سے بے شک بہتر تھا۔ یہی قول جمہور ائمہ سنت کا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث صریحہ صحیحہ اس پر دال ہیں۔

اب رہی حروریہ۔ خوارج اور اہل نہروان کی جنگ تو یہ بیشک اس سنت سے واجب تھی جو حضور انور سے مستفیض ہے۔ اسپر تمام صحابہ اور علمار اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ صحیحین میں اسامہ بن زید سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک دن مدینہ کے ایک ٹیلہ پر رسول اللہ چڑھے کچھ صحابہ بھی ہمراہ تھے۔ رسول اللہ نے اوپر چڑھ کے یہ دریافت فرمایا آیا تمھیں یہ نظر آتا ہے جو اس وقت مجھے نظر آ رہا ہے۔ اُنھوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمھارے گھروں میں فتنوں کے موقعے اس طرح ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش ہوا کرتی ہے۔

سنن میں عبداللہ بن عمر بن عاص سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا تھا عنقریب ایک ایسا فتنہ پھیلے گا جو سارے عرب کو تہ و بالا کر دیگا۔ اُسکے مقتول دوزخی ہونگے اس میں بولنا تلوار کے کاٹنے سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔

سنن میں ابو ہریرہ سے مروی ہے ایک دن رسول اللہ نے یہ فرمایا تھا عنقریب ایک اندھا بہرا گونگا فتنہ ہوگا یعنی نہ اس میں کسیکا کچھ کہنا ٹھیک ہوگا نہ سننا نہ دیکھنا۔ جو اُسمیں شامل ہوگا وہ خود بھی اُس میں مبتلا ہو جائے گا۔ اُس میں زبان سے بولنا مثل تلوار کے کاٹنے کے ہوگا۔

ام سلمہ سے روایت ہے ایک دفعہ شب کو سوتے سوتے رسول اللہ کی آنکھ کھل گئی اُسوقت آپ نے فرمایا سبحان اللہ کسقدر خزانے اور فتنے نازل کئے گئے ہیں۔

صحیحین میں ابوہریرہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا تھا عنقریب ایک ایسا فتنہ ہوگا جسمیں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے اچھا ہوگا۔ کھڑا ہوا چلنے والے سے چلنے والا دوڑنے والے سے جو اُسمیں شریک ہونا چاہیگا وہ بھی اُسمیں مبتلا ہو جائیگا اور جسے اُسوقت کہیں پناہ کی جگہ ملجائے تو اُسے فوراً اُس جگہ چلا جانا چاہیئے۔

ابوبکرہ نے صحیحین میں روایت کی ہے رسول اللہ نے اِس بارے میں یہ بھی فرمایا تھا جب وہ فتنہ پھیلجائے تو جسکے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں ہی میں لگا رہے جسکے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں مشغول رہے اور جسکے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین کے کاموں میں لگا رہے ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ تو فرمائیے کہ اگر کسی کے پاس نہ اُونٹ ہوں نہ بکریاں ہوں نہ زمین تو وہ کیا کرے وہ بھی اِس فتنہ میں شامل ہووے یا نہیں۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ وہ اپنی تلوار کی دھار کو پتھر پر توڑ کے بیٹھ جائے اور اُس سے اگر بچا جائے تو وہ اپنی ہی جان کو بچائے۔

ایک اور شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ اگر مجھے کوئی زبردستی اُس میں شریک کرلے یا اُن دونوں لشکروں میں سے کوئی جنگجو مجھے تلوار سے قتل کر دے یا کوئی تیر میرے آکے لگ جائے اور میں مرجاؤں تو پھر میرا کیا حشر ہوگا۔ فرمایا اُسوقت تم خطاوار نہ ہوگے۔ تمھارا گناہ بھی اُسی کے ذمہ ہوگا اور وہ دوزخیوں میں داخل کردیا جائیگا

ایسی ہی اور حدیث سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ سے بھی مشہور ہے اور جن صحابہ نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں وہ بڑے جلیل القدر صحابہ ہیں مثلاً سعد بن ابی وقاص۔ ابوبکرہ۔ اسامہ بن زید۔ محمد بن سلمہ اور ابوہریرہ وغیرہ وغیرہ یہ سب جنگ جمل اور جنگ صفین کو اسی قسم کی جنگ قرار دیتے ہیں جن کے بارے میں یہ حدیثیں وارد ہیں بلکہ ان لڑائیوں کو اُنھوں نے اِس عظیم فتنہ کی سب سے بڑی بنیاد قرار دی ہے جو اسلام میں ہوئی ہیں۔ یہ لوگ ان جنگوں میں کبھی شریک نہیں ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی منع کیا جیسا کہ ان آثار سے ثابت ہے جو اُن سے صحیح طور پر مروی ہیں۔

گرچہ صحابہ ان جنگوں میں شریک ہوئے تھے اُن میں سے ایک صحابی نے بھی ایسی کوئی حجت بیان نہیں کی جو ان جنگوں کے جائز و درست ہونے کو ثابت کرتی نہ قرآن سے نہ حدیث سے بلکہ اُنھوں نے خود بھی

اقرار کر لیا تھا کہ ہماری جنگ بیشک ہماری خودرائی پر مبنی تھی مامور بہ ہرگز نہ تھی جیسا کہ خود علی کیطرف سے بھی ایسا ہی بیان کیا گیا ہے۔ اس لشکر میں علی سے افضل کوئی نہ تھا ہر شخص آپ سے کم ہی رتبہ کا تھا۔ خود علی ہی نے ان لڑائیوں سے ہمیشہ اپنی ندامت اور نارضامندی کا اظہار کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس بارے میں اُن کے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہ تھی جو اُنکی رضامندی اور خوشدلی کا باعث ہوتی۔ خوارج سے جو جنگ علی لڑے تھے اُس کی نسبت اپنی خوشنودی کا اظہار اُنھوں نے بارہا کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ علی کو یقین تھا کہ یہ جنگ اللہ اور رسول کی اطاعت اور اللہ کے مقرب بننے کا پورا باعث ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خوارج سے جنگ کرنے میں نصوص نبویہ وادلہ شرعیہ ایسی ہیں جو اُسے واجب کرتی ہیں یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں فریقین یعنی سُنی و شیعہ کے مسلمات میں سے ہے مگر ہماری تحقیق میں جمل اور صفین کی جنگیں ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ہم جو کچھ ان جنگوں کی بابت تسلیم کرتے ہیں اُسکا ذکر ایک مستقل باب میں آگے کرینگے۔ یہاں ہم اسقدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر صفین اور جمل کی لڑائیوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر علی ومعاویہ مشکل سے رہ سکیں گے اور اُن کی نسبت نصوص نبویہ وادلہ شرعیہ کا وہ فتویٰ دینا پڑے گا جسے نہ سنی قبول کرینگے اور نہ شیعہ نہ اُنھیں گوارا ہوگا کہ امیر معاویہ اور حضرت علی کے روایتی احترام کو مٹا کے اُنھیں ان جنگوں کے بعد ان کی اصلی صورت میں دکھایا جائے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی جنگ پر کسی طرح صادق نہیں آتی کیونکہ خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے "تقاتلونھم او یسلمون" یعنی یا تو تم اُن سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ گویا اُن کی نشانی یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بات اُنھیں ضرور اختیار کرنی پڑے گی۔ یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ جن لوگوں کو حضرت علی نے دعوت دی تھی اُن میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے مطلق جنگ نہیں کی بلکہ اُنھوں نے اس خیال ہی کو دل سے نکال دیا نہ وہ علی سے لڑے نہ اُن کا ساتھ دیا۔ اسلیئے وہ ایک تیسری قسم ہو گئے کہ نہ علی کی اطاعت کی نہ مقابلہ کیا نہ مقابلہ میں ساتھ دیا حالانکہ یہ سب کے سب یقیناً مسلمان تھے۔ مگر اس آیت میں اُن کی بابت ذرا بھی اشارہ نہیں ہے۔ پھر بھلا یہ جنگ اس آیت کا مصداق کس طرح ہو جائیگی ان لوگوں کے مسلمان ہونے پر قرآن۔ حدیث اور اجماع صحابہ سب دال ہیں اور اس اجماع میں علی وغیرہ بھی ہیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما ط فان بغت

احدٰ بھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓ الی امر اللہ ج فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ط ان اللہ یحب المقسطین۔ یعنی اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم اُن دونوں میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے اُس سے تم سب ملکے لڑو یہانتک کہ وہ اللہ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ رجوع کرے تو ان دونوں کے درمیان میں برابر کی صلح کرادو اور انصاف کرو۔ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں باوجود اُن لوگوں کے لڑنے اور زیادتی کرنے کے اللہ نے اُن کی ایمان کے ساتھ تعریف کی ہے اور اُس سے آگے یہ فرمایا ہے کہ یہ سب آپس میں بھائی ہیں اور بھائی پن مسلمانوں ہی میں ہوتا ہے نہ کہ ایک مسلمان اور کافر میں۔

صحیح بخاری وغیرہ میں ابوبکرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے امام حسن کی بابت فرمایا تھا "ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین" یعنی ہمارا یہ لڑکا سید ہے اسکے ذریعہ سے عنقریب مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اللہ تعالیٰ صلح کرائے گا۔

چنانچہ اُن کے ذریعہ سے علی اور معٰویہ کے لشکروں میں اللہ نے صلح کرادی۔ اِس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ دونوں لشکر یقیناً مسلمان تھے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ بھی ان میں صلح کرانی چاہتا تھا جس نے ایسا کیا اُس کی تعریف فرمائی ہے۔ یہ بھی اس سے معلوم ہوا کہ امام حسن نے جو کچھ کیا وہ اللہ کے اور اللہ کے برگزیدہ رسول کے بالکل موافق اور اُنھیں خوش کرنے کا باعث تھا۔ اگر یہ لڑائی واجب یا مستحب ہوتی تو اُسکے ترک کرنے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی رضامندی کبھی نہ ہوتی کیونکہ وہ واجب اور مستحب کے ترک کرنے پر کبھی خوش نہ ہوتے۔

اسکے علاوہ صحابہ سے اس بارے میں متواتر نقلیں موجود ہیں کہ وہ ان دونوں گروہوں پر مسلمان ہی ہونے کا حکم لگاتے رہے ان میں سے ایک دوسرے کے وارث بننے کے فتوے دیتے رہے حالانکہ کافر اور مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ نہ انھوں نے اُنکی اولاد کو قید کیا نہ اُن کا وہ مال لوٹا جسے وہ جنگ میں لائے تھے بلکہ ایک لشکر کے آدمی دوسرے لشکر کے جنازوں کی نماز پڑھتے رہے اسکے علاوہ نماز جماعت میں سب ملکے نماز پڑھتے تھے۔ کبھی ایک لشکر کا امام بنجاتا اور کبھی دوسرے لشکر کا۔ اسلام کی حیثیت سے وہ بالکل سگے بھائیوں کی طرح تھے اور اُن میں کوئی مغایرت نہ تھی۔

اب رہے خوارج جو علی سے برگشتہ ہو گئے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ جنگِ جمل کے دن علی کے منادی نے یہ پکار دیا تھا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے اور نہ کسی زخمی کو گرفتار کیا جائے نہ اُن کا مال لوٹا جائے اور نہ اُنکی اولاد قید کی جائے۔ اسوجہ کے علاوہ خوارج کے ناراض ہونے کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں جنھیں اسوقت یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابن عباس نے خوارج سے اس بارے میں مناظرہ بھی کیا تھا جسے ابونعیم نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابوزمیل حنفی نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب حرورریہ لوگ علی سے برگشتہ ہو گئے تو میں نے علی سے کہا اے امیرالمومنین ذرا آج نماز میں تاخیر کیجئے میں ان لوگوں کے پاس جا کے ان سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں ابھی آجاؤں گا۔ علی نے کہا مجھے اُنکی طرف سے کچھ اندیشہ معلوم ہوتا ہے مبادا تمھارے ساتھ بدسلوکی کریں۔ میں نے کہا نہیں خدا کو منظور ہے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اسپر آپ نے اجازت دیدی میں ہاں گیا۔ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اسلیئے وہ قیلولہ میں تھے۔ ایک جگہ اُنکے بہت سے آدمی جمع تھے میں اُن کے پاس پہنچا اور اُن کی ایسی حالت دیکھی کہ اس سے پہلے میں نے کسی کی ایسی حالت نہیں دیکھی تھی۔ مجاہدوں کے مارے اُن کے ہاتھ اُونٹوں کی دُموں کی صورت بن گئے تھے۔ اُن کے چہرے سجدوں کے آثار سے چمک رہے تھے جسوقت انھوں نے مجھے دیکھا مارے خوشی کے باغ باغ ہو گئے اور مرحبا کہکے پوچھا اسوقت کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا مَیں رسول اللہ کے اُن صحابہ کی طرف سے کچھ کہنے آیا ہوں جو نزول وحی کے وقت موجود اور اُسکے معنی و مطالب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ یہ سُن کے بعض نے تو اُن میں سے یہ کہا کہ اِس سے کوئی بات نہ کرو بعض نے کہا نہیں ہم کرینگے۔ غرض جب وہ مجھ سے بات کرنے پر آمادہ ہو گئے تو میں نے اُن سے کہا تم یہ بتاؤ کہ رسول اللہ کے چچازاد بھائی اور آپ کے امین سے تم ناراض کیوں ہو گئے ہو حالانکہ رسول اللہ کے صحابی اُن کے ساتھ ہیں۔ انھوں نے جواب دیا ہمارے ناراض ہونے کی تین وجہیں ہیں میں نے دریافت کیا کیا۔ کہا پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ کے دین میں اُنھوں نے لوگوں پر حکومت جتائی حالانکہ خداوند تعالےٰ فرما چکا ہے "اِن الحکم الا للہِ" یعنی حکومت اللہ ہی کی ہے۔ پھر مَیں نے کہا اچھا دوسری وجہ کیا ہے۔ کہنے لگے اُنھوں نے قتال تو کیا مگر نہ اُنکا مال لوٹا نہ قید کیا اب اگر وہ کافر تھے تو اُن کا مال لوٹنا اُن کے لیئے یقیناً حلال تھا اور اگر وہ مسلمان ہیں تو یہ اُن سے لڑے کیوں اُن کا خون کرنا نیز قطعی حرام تھا کیونکہ

مسلمانوں کا خون کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ پھر میں نے تیسری وجہ دریافت کی۔ کہا علی اپنے نام کے ساتھ امیرالمومنین نہیں لگاتے گویا اس لقب سے وہ سخت نفرت کرتے ہیں تو جب وہ مومنین کے امیر ہونے سے پہلو بچاتے ہیں تو کیا کافروں کے امیر ہیں۔ میں نے اُن کی یہ سب باتیں سنکے کہا اب تم یہ کہو کہ اگر میں تمہاری ان وجوہات کے جواب میں اللہ پاک کی پاک۔ سچی اور محکم کتاب کی آیت پڑھ کے سناؤں اور تمہارے رسول کی ایسی حدیث پیش کروں جسکا تم بھی انکار نہ کرسکو تو پھر تم رجوع کرلوگے یا نہیں بولے ہاں ہاں ضرور رجوع کرلیں گے۔ میں نے کہا تمہارا یہ کہنا کہ اُنھوں نے اللہ کے دین میں لوگوں پر حکومت بٹھائی ہے اُسکا جواب تو یہ ہے خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتلہ منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم" یعنی اے ایمان والو حالتِ احرام میں تم شکار نہ مارو اور تم میں سے جو کوئی اُسے قصداً مارےگا تو جس کو مارا ہے چوپایوں میں اُسکا مثل جس کو تم میں سے اہل حکم (تجویز کرکے) حکم کردیں اُسکا بدلہ ہے۔ پھر میاں بیوی کے بارے میں فرمایا۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا" اور اگر تمھیں میاں بیوی کی نااتفاقی کا اندیشہ ہو تو ایک حکم شوہر کے کنبہ میں سے مقرر کرو اور ایک حکم عورت کے کنبہ میں سے۔ پھر میں نے کہا میں تمھیں اللہ کی قسم دے کے پوچھتا ہوں کہ لوگوں کی خونریزیوں وغیرہ میں اُنپر حکومت کرنے اور آپس میں صلح کرانیکا حکم اس سے نکلتا ہے یا نہیں بولے ہاں بیشک نکلتا ہے پھر میں نے کہا لو اب دوسری وجہ کا جواب سنو تم کہتے ہو اُنھوں نے قتال تو کیا لیکن نہ اُنھیں قید کیا نہ اُنکا مال لوٹا۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں سے اور تم سے لڑائی ہو تو کیا تم اُسے قید کرلوگے یا تم اُس کی اُن چیزوں کو حلال سمجھوگے جو اوروں کی چیزوں کو سمجھتے ہو اگر ایسا کروگے تو کافر ہوجاؤگے اور اگر یہ کہو کہ وہ تمھاری ماں نہیں ہے تو بھی تمہارے کافر ہونے میں شک نہیں۔ رسول اللہ کی ازواج پاک سب مائیں ہیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی تمہاری جان اور مال سے زیادہ اولی ہیں اور نبی کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں اب تم دو گمراہیوں کے بیچ میں پھنسے ہوئے ہو جس سے چاہو اجتناب کرو بولو اُنکا مال نہ لوٹنا یا اُنھیں قید نہ کرنا ٹھیک ہوا یا نہیں اور علی نے کوئی بُری بات نہیں کی یہ سنکے وہ اس جواب سے مطمئن ہوگئے اُنھوں نے کہا بیشک تم سچ کہتے ہو۔ اب رہا امیرالمومنین کا لفظ کہ علی نے اپنے نام سے کیوں اُڑادیا تم جانتے ہو کہ حدیبیہ میں

جب مشرکوں اور مسلمانوں میں صلح کا عہد نامہ ہوا ہے تو حضور انور نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ لکھے تھے مشرکوں نے اُسے قبول نہیں کیا اور اُنھوں نے تعجب کر کے یہ کہا محمدؐ تم اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کیوں لکھتے ہو جھگڑا تو اسی میں ہے اگر ہم تمھیں رسول اللہ سمجھتے تو تم پر ایمان کیوں نہ لے آتے آپ نے فرمایا کہ یقیناً میں خدا کا رسول ہوں تمھاری تکذیب کرنے سے کچھ نہیں ہوتا ہاں تمھاری یہی خوشی ہے تو اچھا میں رسول اللہ کے لفظ کو کٹوا دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے علی سے کہا کہ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو۔" ابن عباس کہتے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ اس حدیث کو تم بھی مانتے ہو وہ بولے ہاں اسیطرح علی نے بھی اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ اڑا دیا تو اُن پر کیوں طعن کرتے ہو اس سے اُن لوگوں کا اطمینان ہو گیا بیس ہزار آدمی فوراً ابن عباس کے ساتھ ہو گئے۔ چار ہزار نے ابن عباس کے استدلال کو نہیں مانا اور وہ اخیر تک لڑتے رہے۔ فقط

ممکن ہو کہ ابن عباس کی فصاحت و بلاغت وجاہت اور پُراثر لہجے نے اُنہیں اپنا رام بنا لیا ہو ہماری سمجھ میں تو ان کا استدلال نہیں آیا۔ چونکہ یہ بحث دوسری ہے ہم اس وقت اُسے اُٹھانا نہیں چاہتے۔

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن باتوں سے حضرت علی پر طعن کیا جاتا ہے وہ باتیں سب کی سب صحیح ہوں مگر ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ان میں سے ابھی تک کسی بات کا جواب جس سے اطمینان ہو جائے کسی کی طرف سے نہیں دیا گیا وہ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ علی کو خلافت کا حق نہیں تھا۔ علی میں خلافت کی قابلیت نہیں تھی۔ علی نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ علی نے عمر فاروق کی ان ترقیوں کو خاک میں ملا دیا جو اُنھوں نے قیصر اور کسرےٰ کی سلطنتوں میں کی تھیں۔ یقیناً اگر عمر فاروق بارہ برس اور زندہ رہتے تو نہ صرف سلطنت مشرقی بلکہ روما بھی مسلمانوں کے زیر نگین ہو جاتی اور چند ہی روز میں فرانس میں ہلال کا جھنڈا اُڑنے لگتا۔ اگرچہ یہ کامیابیاں مسلمانوں کو بعد میں ہوئیں مگر کمزور بنیاد پر اگر فاروق اعظم کے زمانہ میں یہ ملک فتح ہوتے تو اب بھی وہاں مسلمانوں کی آبادی ضرور ہوتی دیکھ لو اسکی نظیر موجود ہے جتنے ملک فاروق اعظم کے مبارک عہد میں فتح ہوئے تھے وہ اب تک جوں کے توں موجود ہیں اگرچہ بعض ممالک کی سیاسیہ صورت میں فرق آگیا ہے مگر تو بھی گدی پر مسلمان ہی ہیں عمر فاروق کے نہ صرف قوی بازو تھے بلکہ سچ پچ اُن میں زور قضا چھپا ہوا تھا اُن میں لازوال برکت تھی وہ خود مبارک تھے اُن کے پیرو مبارک تھے ان کے جنگجو مبارک تھے اُن کے سپاہی مبارک تھے اُن کی برکت کا اثر تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ہم نمایاں پاتے

ہیں اس قسم کے اعتراضات ہیں جنکا جواب ابھی تک نہیں دیا گیا محض سطح پر تیرا جارہا ہے۔ گہرائی میں نیچے کا آجتک کسی نے خیال نہیں کیا ہماری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ علی انسان تھے اُن سے خطاؤں اور کمزوریوں کا سرزد ہونا ممکن تھا وہ انسان اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت میں معذور تھے وہ مسلمان ضرور تھے اور اچھے مسلمان تھے خدا اُن کی مغفرت کرے اور اُنکی خطائیں بخشدے بس اس سے زیادہ ہم ایک مرحوم مسلمان کیلئے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اصلی مطلب کی طرف آتے ہیں۔

شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اُن لوگوں نے چونکہ حضرت علی کیطرف رجوع کر لیا تھا اس لیئے یہ مسلمان ہو گئے۔ یعنی اُنکے رجوع کر لینے کو اسلام میں آنا ٹھیرانا اور اُسکے ثبوت میں حضور انور کا یہ قول پیش کر دینا "یا علی حربک حربی" ایک بڑے عجائبات میں سے ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب ترین بات یہ ہے کہ حضرات شیعہ اس مہتم بالشان مسئلہ کو ایسی حدیث سے ثابت کرتے ہیں جسکا محدثین کے ان دواوین میں سے کسی میں بھی پتہ نہیں ہے جنپر اُن کا اعتماد ہے۔ نہ صحاح میں نہ سنن میں نہ مسانید میں اور نہ اُن فوائد وغیرہ میں جو اہل علم بالحدیث نے ایک دوسرے سے نقل کیئے اور حاصل کئے ہیں نہ یہ اُن کے نزدیک صحیح ہے نہ حسن ہے نہ ضعیف ہے بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی ہے اور غلط ہونے میں سب موضوعات سے بدتر ہے۔ کیونکہ یہ حضور انور کی اُس متواتر اور مشہور سنت کے بالکل خلاف ہے کہ آپنے طرفین کے لشکروں کو مسلمان قرار دیا تھا اور اس فتنہ میں نہ لڑنے کو لڑنے سے بدرجہا بہتر اور افضل فرمایا تھا اور اُسکی تعریف فرمائی تھی جو ان دونوں میں صلح کراوے۔ اب اگر ان دونوں لشکروں میں ایک لشکر اسلام سے مرتد ہوتا تو اس میں شک نہیں کہ وہ لشکری کفار سے بھی بدتر ہوتے کیونکہ کفار ایک حد تک اپنے اپنے دین پر قائم ہیں اور اُن سے وہ جنگ کرنے کے مستحق ہوتے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے پیرو مرتد تھے جنسے صدیق اکبر اور باقی صحابہ نے جہاد کیا اور اُن سے جہاد کرنے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اُن کی اولاد کو قید کیا جن قیدیوں میں سے علی نے محمد بن حنفیہ کی والدہ کو لے لیا تھا جسے ہر شخص جانتا ہے۔

جنگِ بدر اور ابو بکر

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں عریش پر ابو بکر کا رسول اللہ کے لیئے انیس بننا اس میں بھی ابو بکر کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ کو تو خداوند تعالیٰ سے ایسا اُنس تھا جس کی وجہ سے آپکو

اور کسی انیس کی ضرورت نہ تھی۔ اسکے علاوہ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ کو یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ ابو بکر کو لڑائی میں بھیجنا سخت خرابی کا باعث ہو گا کیونکہ پہلے اور غزووں میں یہ کئی مرتبہ بھاگ چکے تھے جنگ سے بیٹھنے والا اُس سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے جو اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو۔ (شیعی علماء کا قول ختم ہو گیا)

جواب

اس قول کا غلط ہونا کئی وجہ سے بدیہی ہے۔ اول تو یہ کہ ابو بکر پہلے کئی غزووں میں بھاگ چکے تھے اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس قول کے قائل حضور انور کے غزووں اور احوال سے بالکل نابلد ہیں۔ آپ جب اسپر غور فرمائیں گے تو عجیب کیفیت آپ کو معلوم ہو گی یعنی یہ کہ غزوۂ بدر سب غزووں میں پہلا غزوہ ہے اس سے پہلے کبھی کوئی غزوہ نہیں ہوا۔ پھر ابو بکر کا بھاگ جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا یہ چانڈو خانہ کی گپ نہیں ہے کیا بوستان خیال کی کہانی سے زیادہ فسانہ انگیز یہ کہانی نہیں ہے؟ اس سے پہلے رسول اللہ یا ابو بکر کی مشرکین مکہ سے کوئی بھی جنگ نہیں ہوئی۔ وہ غزوات جن میں حضور انور نے خود حصہ لیا ہے حسب ذیل ہیں اور اُن کی تعداد کل نو ہے۔ بدر۔ احد۔ خندق۔ بنی المصطلق۔ غزوۂ ذی قرد۔ خیبر۔ مکہ۔ حنین اور طائف۔ باقی وہ غزوے جن میں قتل و قتال کی نوبت نہیں آئی وہ دس سے کچھ اوپر ہیں۔ اب رہے سرایا اُن میں بعض ایسے ہیں جن میں قتال ہوا اور بعض میں نہیں ہوا بہر حال اس میں سب کا اتفاق ہے کہ قتالی غزوات میں بدر سب سے پہلا غزوہ ہے اور یہ ایسا مشہور مسئلہ ہے کہ جو لوگ حضور انور کے احوال سے واقف ہیں خواہ وہ اہل تفسیر ہوں یا حدیث۔ مغازی۔ سیر۔ فقہ۔ تواریخ اور اخبار کے جاننے والے اسے جانتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ وہ غزوہ جس میں قتال ہوا اور حضور انور شریک ہوئے غزوۂ بدر ہے۔ نہ اُس سے پہلے کوئی غزوہ ہوا نہ سریہ جس میں قتل و قتال ہوا ہو۔ سوائے ایک بنی الحضرمی کے قصہ کے مگر ابو بکر اس میں نہیں تھے۔ پھر بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ابو بکر پر ایسا بہتان عظیم اُٹھایا جائے کہ وہ پہلے غزووں میں بھاگ گئے تھے۔ لاحول ولا قوۃ۔

دوسری وجہ زیادہ توجہ کے قابل ہے وہ یہ کہ ابو بکر کبھی کسی غزوہ میں نہیں بھاگے یہاں تک کہ احد کی لڑائی میں بھی نہ ابو بکر بھاگے نہ عمر۔ ابو بکر و عمر کی نسبت تو آج تک یہ کسی نے نہیں کہا کہ ان دونوں نے کبھی کسی جنگ میں پیٹھ دکھائی تھی۔ بلکہ حنین کے دن بھی یہ دونوں حضور انور کے ساتھ موجود رہے تھے

جیساکہ اہلِ سیر نے لکھا ہے اور ہم اُسے پوری طرح ثابت کر چکے ہیں۔ لیکن بعض کذابوں نے محض اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑنے کے لیئے اور محض حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز اور جان نثار صحابہ کو بدنام کرنے کے لیئے یہ لکھدیا کہ حنین کے دن یہ دونوں جھنڈا لے کے واپس چلے آئے تھے اور اُن سے حنین فتح نہیں ہوا تھا اس کے بعد بعض شیعوں نے اسپر اور بھی رنگ چڑھادیا اور بوستان خیال کے سے قصے گھڑ گھڑ کے جاہل اور لایعقل لوگونکو بہکانا شروع کردیا حالانکہ یہ قطعی جھوٹ ہے اور سرتاپا بہتان عظیم ہے جو شخص یہ کہتا ہے وہ گویا اس کہنے کا مدعی ہے اِسکے لیئے ضروری ہے کہ اپنے اس دعوے کو ایسی نقل سے ثابت کرے جسکی ہر شخص نے کی ہو مگر ایسا ہونا بالکل ناممکن ہے ایسی نقل کہاں اور کونسی ہے جو ابوبکر کے ایک غزوے میں بھی بھاگنے کو ثابت کردے چہ جائیکہ اُن کا کئی مرتبہ بھاگ جانا ثابت کر سکے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر بُزدلی اور نامردی میں اُن کی ایسی حالت ہوتی جیسی شیعی علماء کہتے ہیں تو حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے سب صحابہ کو چھوڑ کے اُنھیں اپنے ساتھ عریش میں رکھنے کے لیے کبھی مخصوص نہ کرتے بلکہ آپ کبھی جائز نہ سمجھتے کہ ایسے شخص کو اپنے ساتھ غزوے میں رکھتے۔ امام کی شان کے لائق یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایسے آدمی کو اور سب ساتھیوں سے مقدم کرلے اور اُسے اپنے ساتھ عریش میں رکھے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس حالت کی بابت ابوبکر کی ثابت قدمی اور قوت یقینی کا بیان جو صحیحین میں ہے وہ اِن مفتریوں کی بالکل تکذیب کرتا ہے اور اُس کے سراسر خلاف ہے۔ صحیحین میں ابن عباس نے عمر فاروق سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب رسول اللہ نے مشرکین کو دیکھا کہ وہ ایک ہزار آدمی ہیں اور آپ کے صحابہ کل ۳۱۷ ہیں تو رسول اللہ قبلہ رخ ہو گئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کے نہایت انکساری سے یہ دعا کی۔ "اللھم انجز لی ما وعدتنی اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض" یعنی اے خداوند عالم آج تو اپنے وعدہ کو میرے لیئے پورا کردے اے رب العزت اگر آج مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر تیری (خالص) عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ آپ اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے ہوئے برابر یہی پکارتے رہے اور اسقدر مشغول ہوئے کہ آپکے مونڈھوں پر سے چادر بھی گر پڑی۔ صدیق اکبر نے

یہ دیکھ کے آپ کی چادر آپ کے مونڈھوں پر ڈالدی پھر حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ بس کیجئے آپ کی اتنی ہی دعا کافی ہے اللہ تعالٰے اپنے وعدے کو عنقریب پورا کردیگا جو اُسنے آپ سے کرلیا ہے اُسیوقت خداوند تعالٰے نے یہ آیت نازل فرمائی" اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم الآیۃ۔

پانچویں وجہ یہ ہے سیر کے جاننے والے اس بات کو جانتے ہیں کہ قوی ہونے میں ابوبکر سب صحابہ سے زیادہ تھے ان میں سے کوئی بھی اسمیں ان کی برابری نہیں کرسکتا اس لیئے کہ جب سے خدا تعالٰی نے رسول کو مبعوث فرمایا تھا ابوبکر اپنے اخیر وقت تک ہمیشہ خطرے سے خطرے کے موقع پر سب سے آگے رہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی دشمن کے مقابلہ کرنے سے اُنھوں نے دل چرایا اور بزدلی کی ہو بلکہ جب حضور انور کا وصال ہوا تو اکثر صحابہ کے دل بیٹھ گئے تھے مگر وہ صدیق ہی تھے جنھوں نے ان لوگوں کو ثابت قدم کردیا۔ انس کہتے ہیں جس وقت ابوبکر نے خطبہ پڑھا تو ہم مثل لومڑیوں کے بزدل بنے بیٹھے تھے اور ہمارے چھکے چھوٹ رہے تھے مگر ان کی تسکین اور تسلی سے ہم مثل شیروں کے ہو گئے کہتے ہیں اسی اثنا میں عمر فاروق نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ ان لوگوں سے الفت رکھو یہ سنتے ہی آپ نے عمر فاروق کی ڈاڑھی پکڑلی اور کہا اے ابن خطاب کیا تمھاری شجاعت زمانہ جاہلیت ہی تک تھی مگر اب وہ شجاعت جاتی رہی بھلا ان سے کس بات میں اُلفت رکھوں۔ کیا ایک من گھڑت قصہ پر تکیہ کر کے اُن کے ساتھ رعایت کروں ایسا کبھی نہیں ہونے کا۔

چھٹے شیعی علمار کا یہ کہنا کہ جہاد سے بیٹھنے والا اُس شخص سے کیونکر افضل ہوسکتا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان دینے کے لیئے کھڑا ہو۔

اسکا جواب یہ ہے۔ ہمارے مہربان شیعی علمار کو یہ خیال نہیں ہے کہ ایسے موقع پر حضور انور کے ساتھ ہونا ہی اعلیٰ درجہ کا جہاد تھا اسلیئے کہ دشمن کا اصلی مقصود تو حضور انور ہی کا قتل کرنا گرفتار کرنا تھا نہ کہ آپ کے ساتھیوں کا یہی وجہ تھی کہ جنھوں نے غنیمت لوٹی تھی پھر وہ غنیمت کا مال اللہ نے اُن سب کو تقسیم کردیا۔

ساتویں شیعی علمار کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے خالق سے ایسی انسیت تھی کہ اسکی وجہ سے آپ کو اور کسی سے اُنس پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی یا کسی کو انیس بنانیکی حاجت نہیں تھی۔

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ ابوبکر عریش میں حضور انور کے انیس تھے اسکے یہ معنی ہیں کہ

اِس قول سے قائل کی مراد یہ نہیں ہے کہ حضور نے انھیں اسلیئے انیس کرلیا تھا تاکہ آپ کو وحشت نہو بلکہ اسکی مراد یہ ہے کہ ابوبکر قتل وقتال میں آپ کے معاون رہیں جیسا صدیق سے کم درجہ کے صحابہ بھی آپ کی وقت پر معاونت کرتے تھے۔ اس معاونت کا ذکر خود خداوند تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے یعنی ارشاد باری ہوتا ہے " ھوالذی ایدک بنصرہٖ وبالمؤمنین " یعنی اللہ وہی ہے جسنے اپنی اور مسلمانوں کی مدد سے تمھاری تائید کی۔ اب یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ صدیق ان سب مسلمانوں سے افضل ہیں جنکے ذریعہ سے اللہ نے آپ کی تائید کی تھی۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ جب حضور انور نے عریش یا خیمہ وغیرہ میں جو آپکے لیئے وہاں نصب کیا گیا تھا قیام کیا تو آپ کے دشمنوں کا مقصود صرف آپ ہی کا قتل کرنا تھا یعنی وہ آپ ہی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے ساتھ صحابہ میں سے سوائے اکیلے صدیق کے اور کوئی نہ تھا اور سب کے سب اِس عریش کے باہر تھے اسکی وجہ سوائے اسکے اور کوئی نہ تھی کہ صدیق جیسے سبسے زیادہ بہادر تھے ویسے ہی آپ کے سبسے زیادہ خاص تھے محبت رکھنے اور نفع پہنچانے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ جہاد کے موقع پر یہ نفع ہرگز نہیں ہوسکتا مگر اُسی شخص سے جو قوی دل اور ثابت قدم رہنے والا ہو نہ کہ جو بزدل اور کمزور ہو۔ اِس سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے کہ جہاد میں اور ایمان میں صدیق اِن سبسے اکمل تھے۔ افضل الخلق اہل ایمان اور اہل جہاد ہی ہیں۔ پس جو اس میں افضل ہو وہ ہر چیز میں افضل شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن اٰمن باللہ والیوم الاخر وجاھد فی سبیل اللہ ط لا یستوون عند اللہ ط یعنی کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی تعمیر (او رمرمت) کرنے (والے) کو تم اُس آدمی کے برابر کیئے دیتے ہو جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لے آیا ہے اور اللہ کی راہ میں اُس نے جہاد کیا ہو اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہوسکتے پس اللہ کے نزدیک درجے میں یہ لوگ اہل حج اور اہل صدقہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اور صدیق اسمیں ان سب میں افضل ہیں۔ رہا علی کا بذاتِ خود جہاد کرنا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اس بارے میں وہ سب صحابہ ان کے برابر ہیں جنھوں نے بدر کے دن جنگ کی تھی یہ کہیں سے نہیں معلوم ہوتا کہ اس جنگ میں سب صحابہ سے زیادہ کوئی کار نمایاں علی نے کیا ہو نہ صرف بدر میں بلکہ اُحد میں اور دوسری لڑائیوں میں بھی کوئی کار نمایاں علی سے نہیں ہوا اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ صدیق کی فضیلت

بیشک ایسی ہے کہ انھیں کے لئے مخصوص ہے اس میں کسی کو نہ اُن کی مساوات کا درجہ حاصل ہے۔ نہ شرکت کا۔ اب رہی علی کی فضیلت وہ علی میں اور سب صحابہ میں مشترک ہے۔ اس میں کسی طرح کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

نویں وجہ یہ ہے کہ اسکے بعد عریش میں سے حضور انور اور ابوبکر نکلے اور حضور نے دشمن پر وہ مٹی پھینکی جس کی بابت اللہ تعالے نے فرمایا ہے اُسوقت صدیق نے اس جوش کے ساتھ جنگ کی کہ آپ کے بیٹے عبدالرحمن نے آپ سے کہا کہ بدر میں میں نے آپ کو دیکھا تھا لیکن میں آپ سے کنارہ کر گیا تھا آپ نے فرمایا خیر اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو تجھے ضرور قتل کر دیتا۔

ابوبکر کے مالدار ہونے اور اپنا مال رسول اللہ پر خرچ کرنے کی نسبت شیعی علمار فرماتے ہیں کہ یہ قصہ کہ ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا مال خرچ کیا تھا بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ مالدار آدمی نہ تھے اُن کے باوا انتہا درجے کے تنگدست فقیر تھے اور اُن کی تنگدستی یہانتک پہنچی ہوئی تھی کہ عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانے سے اُنھیں آدھ سیر اناج روز ملا کرتا تھا۔ اسی پر اُن کی گذر اوقات تھی اگر ابوبکر کچھ مالدار ہوتے تو اُن کے باوا کی یہ حالت کاہے کو ہوتی۔ اب رہے خود ابوبکر وہ زمانۂ جاہلیت میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اُنھوں نے سینا پرونا سیکھ لیا تھا اور درزی کا پیشہ کرنے لگے تھے مگر جب اسلامی حکومت اُن کے قبضے میں آگئی اور یہ بادشاہ بنا دیئے گئے تو انھیں سینے پرونے سے لوگوں نے منع کر دیا۔ ابوبکر نے کہا میرے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے۔ اس لیئے لوگوں نے تین درہم روز اُن کے بیت المال سے مقرر کر دیئے۔

جواب

اس سے زیادہ ظلم اور بہتان نہیں ہو سکتا کہ آدمی ایسی چیز کا انکار کر دے جو متواتر منقول اور عام وخاص سب میں مشہور ہو اور حدیث وغیرہ کی ساری کتابیں صحاح۔ مسانید تفسیر اور فقہ وغیرہ کی اسکے ذکر سے بھری پڑی ہوں شیعی علمار ان منقولات میں سے کسی منقول کا دعوے بھی کرتے ہیں جو محض اُن کے قول سے کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور نہ یہ اُسے کسی معروف سند سے نقل کرتے ہیں نہ کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اعتماد کرنے کے قابل ہو نہ اُسکے قائل کا ذکر کرتے ہیں

تعجب ہے کہ اتنے بڑے امر کو کس دلیری اور بے باکی سے بلا کسی حجت کے بیان کیا جاتا ہے اور اسکا خیال بالکل نہیں رکھا جاتا کہ جب کوئی سند طلب کرے گا تو اسکا کیا جواب دیا جائے گا۔ باقی ابوبکر کا مال خرچ کرنا تو صحیح صحیح حدیثوں میں متعدد طریقوں سے متواتر منقول ہے۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہانتک فرمایا ہے جیسا کہ ہم کہیں اُوپر بھی نقل کر چکے ہیں کہ ابوبکر کے مال کے برابر مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دیا یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپنے اپنے ہی مال سے ایسے سات آدمیوں کو خرید لیا تھا جنپر دین اسلام قبول کرنے سے تکلیف دی جا رہی تھی بلالؓ اور عامر بن فہیرہ بھی انھیں میں تھے باقی یہ بحث کہ ابوبکر کے باوا عبداللہ بن جدعان کے لنگر خانے میں سے آدھ سیر اناج روز لیتے تھے۔ اسکی کوئی سند شیعی علماء نے کہیں بھی نہیں بیان کی جس سے اس روایت کی صحت کا پتہ لگ جاتا اور اگر تھوڑی دیر کے لیئے ہم مان بھی لیں تو زمانہ جاہلیت میں اسلام سے بہت پہلے ابوبکر کے باپ کا مفلس ہونا ابوبکر کی آئندہ دولتمندی کے منافی نہیں ہے۔ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ عبداللہ بن جدعان اسلام سے پہلے ہی زمانہ جاہلیت میں مر چکا تھا اب رہی اسلام میں ابوقحافہ کی حالت اُسوقت اُن کے پاس اتنا تھا کہ اُنہیں کسی کی ضرورت کچھ نہ تھی یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ ابوقحافہ نے کسی سے سوال کیا ہو ابوقحافہ اپنے بڑے بیٹے ابوبکر کی وفات کے بعد تک زندہ رہے ہیں۔ صدیق اکبر کے ترکے میں سے ایک چھٹا حصہ حسب دستور شریعت اُنھیں ملا تھا مگر چونکہ اُنھیں خود اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے اُس کی ضرورت نہ تھی انھوں نے وہ بھی صدیق کی اولاد کو دیدیا تھا۔

یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ محتاج ہوتے تو صدیق اکبر ضرور اُن کے ساتھ سلوک کرتے مگر اس سلوک کرنے کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ وہ تو باپ کی حیثیت رکھتے تھے مگر مسطح بن اثاثہ جو صدیق اکبر کا دُور کا رشتہ دار تھا اور مفلس تھا ابوبکر برابر اُس کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ وہ مسطح ہے جس نے صدیقہ پر تہمت لگانے کا چرچا کیا تھا جسپر ابوبکر نے یہ حلف اُٹھایا تھا کہ میں مسطح کے ساتھ آیندہ کبھی سلوک نہ کرونگا مگر جب خداوند تعالیٰ کی طرف سے آیت نازل ہوئی اور مساکین اور قریبوں کے ساتھ سلوک کرنے کی فضیلت بیان کی گئی تو ابوبکر نے یہ کہا اللہ کی قسم میں دل وجان سے چاہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ میری مغفرت کر دے لہذا میں اپنی پہلی قسم کو توڑتا ہوں اسکے بعد ابوبکر مسطح کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے لگے یہ قصہ صحیحین میں صحیح طور پر ثابت ہے۔

جب آپ نے حضور انور کے ساتھ ہجرت کی تو آپ اپنا کچھ مال بھی ساتھ لے آئے تھے۔ ابو قحافہ آپ کے گھر گئے۔ گھر والوں سے پوچھا کہ ابوبکر خود چلے گئے ہیں یا اپنا مال بھی لے گئے ہیں۔ ابوبکر کی بیٹی اسماء نے جواب دیا نہیں مال تو یہیں چھوڑ گئے ہیں خود اسماء کہتی ہیں کہ میں نے ایک جگہ مکان میں دکھا بھی دی کہ یہاں یہ مال موجود ہے محض اس خیال سے کہ انکا دل خوش ہو جائے کہ ابوبکر اپنے بال بچوں کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ اِس میں سے ابو قحافہ نے ایک پیسہ نہیں لیا جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابو قحافہ کو روپے کی ضرورت نہ تھی۔

یہ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ابوبکر زمانہ جاہلیت میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اسکی بھی اگرچہ حسب عادت شیعہ اصحاب نے کوئی سند نہیں دی مگر ہم اسے صحیح تسلیم کئے لیتے ہیں بچوں کا پڑھانا بُرائی میں داخل نہیں ہے بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق عالم اور صاحبِ معرفت آدمی تھے علماء مسلمین ایسے بہت سے ہیں۔ جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے منجملہ اُن کے ابو صالح کلبی ہیں جو صرف بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ دوسرے ابو عبدالرحمٰن سلمی ہیں اور یہ حضرت علی کے بڑے خواص میں سے ہیں یہ بھی بچوں کو پڑھایا کرتے تھے مگر اسکی اجرت نہیں لیتے تھے۔ ایسے ہی قیس بن سعد۔ عطا بن ابی رباح۔ عبدالکریم۔ ابو امیہ۔ حسین الجعلم۔ یعنی ابن ذکوان قاسم بن عمیر ہمدانی۔ جو حبیب المعلم معقل بن یسار کے مولٰے ہیں علقمہ بن علقمہ۔ ابو عبید القاسم بن سلام جو امامت بھی کرتے تھے اور بچوں کو بھی پڑھاتے تھے جن کی امامت اور فضل پر سب کا اتفاق ہے۔ اسکے علاوہ شیعی علماء نے اپنی جودتِ طبیعت سے ایسی باتیں ایجاد کر لیں جنکے ہونے نہ ہونے سے کسی قسم کی بُرائی صدیق میں نہیں نکل سکتی اس سے بھی زیادہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ زمانہ جاہلیت میں صدیق کا شمار ادنے طبقے کے لوگوں میں تھا تو بھی اس سے کوئی بُرائی پیدا نہیں ہوتی کیونکہ سعد۔ ابن مسعود۔ صہیب اور بلال وغیرہ تو کھُلے ہوئے ادنے طبقے سے تعلق رکھتے تھے مشرکین نے حضور انور سے درخواست کی تھی کہ آپ ان ذلیل لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دیجئے اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

"ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ما عليك من حسابهم من شيئ وما من حسابك عليهم من شيئ فتطردهم فتكون من الظالمين"

یعنی اے نبی تم اُن لوگوں کو اپنے پاس سے دُور نہ کرو جو صبح شام اپنے پروردگار سے مناجات کرتے ہیں

اور اُسی کی ذات کے طالب ہیں تمپر انکا کچھ محاسبہ نہیں اور نہ تمھارا کچھ محاسبہ انپر ہے اگر تم انھیں دُور کر دوگے تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤگے۔

صحیحین میں ہے ہرقل شاہِ روم نے ابو سفیان بن حرب سے رسول اللہ کی کیفیت دریافت کی تھی آیا شریف لوگوں نے اِن کا اتباع کیا ہے یا کم درجے کے لوگوں نے۔ اُس نے جواب دیا کہ ادنے درجے کے لوگوں نے۔ ہرقل بولا ٹھیک ہے۔ پیغمبروں کے اتباع یعنی پیرو اول یہی لوگ ہوتے ہیں پس بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ صدیق کم درجے کے لوگوں میں سے تھے تو اس سے اُن کے کمالِ ایمان اور تقوی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہو سکتا یہ یاد رکھو کہ اکمل الخلق اللہ کے نزدیک وہی ہے جو تقوے میں سب سے بڑا ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کلام سے جاہلیت کے مشرکین کے کلام کی بو آتی ہے جیسا وہ اپنے نسب اور باپ دادا کی باتوں پر فخر کیا کرتے تھے اور دین خدا سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے اور انسان پر ایسی باتوں سے نکتہ چینی کرتے تھے جنسے اُس کے ایمان اور تقوٰی میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہ ہوتا ہو ایسی باتیں ہمیں زمانہ جاہلیت کی یاد دلاتی ہیں۔ اور ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کی مخالفت جاہلیت کے تاریک پہلو سے کی جائے۔

اسپر سب کا اتفاق ہے کہ ابو بکر اعیانِ قوم میں سے تھے آپ کی تجارت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا تھا خود مشرکینِ عرب آپ کی عزت کرتے تھے آپ کا مسلمان ہونا مکے میں ہل چل کا باعث ہو گیا تھا۔ غریبی اور امیری کی پائیداری کو آج تک کسی نے تسلیم نہیں کیا اگر ایک شخص آج غریب ہے تو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ کل بھی وہ غریب ہی رہے تجارت ایک ایسی چیز ہے جو آناً فاناً میں انسان کو دولتمند بنا دیتی ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دس پندرہ برس کی حالت پر موجودہ حالت کو کیوں محمول کیا جاتا ہے اور بلا وجہ بلا سند اور بغیر کسی معتبر نقل کے صدیق کی مفلسی کا کیوں راگ گایا جاتا ہے ان باتوں سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا سوائے اسکے کہ قائلین کی محض ناواقفیت یا بیجا تعصب کا نقشہ دیکھنے والوں کی نظروں میں کھنچ جائے۔

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ شروع اسلام میں ابو بکر درزی تھے اور جب مسلمانوں کے بادشاہ بنا دیئے گئے تو لوگوں نے اُنھیں یہ پیشہ نہیں کرنے دیا۔ محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے اس کے

جھوٹ ہونے کو ہر شخص جانتا ہے کپڑے سینے کا کام آپنے کبھی نہیں کیا ہاں آپ تاجر تھے اپنی تجارت کی غرض سے بعض اوقات سفر کرتے تھے ۔ مثلاً اسلام کے زمانے میں آپ نے اپنی تجارت کی غرض سے ایک مرتبہ شام کا سفر کیا تھا ۔ قریشیوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ درجے کا کام تجارت قرار دیا گیا تھا اور اعلیٰ درجے کا پیشہ تجارت ہی سمجھی جاتی تھی اس تجارت ہی کے ذریعہ سے قریشیوں کے اہل عرب سے بہت وسیع تعلقات ہو گئے تھے اور خود صدیق سے بچہ بچہ واقف تھا جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے اپنے عیال کے مدد خرچ کے لیئے پھر تجارت کرنی چاہی لیکن مسلمانوں نے اس سے آپ کو منع کیا اور کہا کہ اب آپ کا یہ کام کرنا مسلمانوں کی مصلحتوں کو انجام دینے سے آپکو روک دے گا ۔ اسکے علاوہ عرب کا عام لباس تہ بند اور چادریں تھیں ۔ سلنے سلانے کا کام بہت ہی کم ہوتا تھا ۔ ہاں مدینے میں ایک درزی اہل بیت کے کپڑے سینے کے لیئے حضور انور نے رکھ چھوڑا تھا باقی مشہور مہاجرین میں کہیں کسی درزی کا ہونا معلوم نہیں ہوتا ۔

ابوبکر کا اللہ کی اور اللہ کے رسول کی طاعت میں خرچ کرنا تو ایسا متواتر اور مشہور ہی جسے عام خاص سب جانتے ہیں ۔ اسلام سے پہلے آپ کے پاس بہت کچھ مال تھا آپ قریش کے معزز خاندانوں میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ہر شخص آپ سے محبت کرتا تھا اور تجارتی معاملات کے مشوروں کے لیئے بڑے بڑے تاجر قریش آپ کے پاس آیا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب آپ مکے سے ہجرت کرنے لگے تو ابن الدغنا نے آپ سے کہا تھا کہ آپ جیسا آدمی تو نہ نکل سکتا ہے اور نہ اُسے کوئی نکال سکتا ہی قریش میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہوا جسنے ابوبکر پر کوئی الزام لگایا ہو یا اُن میں کوئی عیب نکالا ہو یا آپکو ذلیل اور کمینہ سمجھا ہو جیسا کہ وہ دوسرے مؤمنین کو سمجھتے تھے یہ سب ابوبکر کی حد سے زیادہ عزت کرتے تھے قریشیوں کی نظروں میں ابوبکر میں اگر کوئی عیب تھا تو یہ تھا کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے تھے ۔ جس طرح کہ رسول اللہ میں کوئی عیب اور کوئی نقص نہ تھا اور وہ آپ کو کسی بات میں بُرا نہ جانتے تھے بلکہ آپ اُن کے نزدیک نسب اور خاندان کی رُو سے معظم مکارم اخلاق اور صدق و امانت میں بہت مشہور تھے اسیطرح حضور کے صدیق بھی اُن میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے ۔ ابن الدغنا جو قبائل عرب کے ایک بڑے قبیلے قارے نامی کا سردار تھا سارے قریشیوں میں نہایت معزز اور سربر آوردہ شخص سمجھا جاتا تھا جسے وہ پناہ دیدیتا تھا سارے عرب اُسکا پناہ دینا تسلیم کر لیتے تھے اشراف قریش کے سامنے

اُس نے صدیق اکبر کے وہی اوصاف بیان کئے تھے جو خدیجۃ الکبریٰ نے حضور انور کے بیان کئے تھے۔ وہ یہ کہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپنے اپنی ہمراز بیوی سے یہ ذکر کیا کہ مجھے اپنی جان کا خوف معلوم ہوتا ہے تو اسکا جواب اُس خاتون نے یہ دیا آپ کچھ خوف نہ کریں میں قسم کھا کے کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رُسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ ہر ایک کے ساتھ صلۂ رحمی کرتے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ اپنے ذمے لے لیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں محتاجوں کو دیتے ہیں نوائب حق پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں غرض یہ صفت حضور انور کی تھی جو یقیناً افضل النبیین ہیں اور بلا شک و شبہ آپکے صدیق افضل الصدیقین ہی ہیں۔

صحیحین میں ابو سعید سے مروی ہے ایک دن حضور انور منبر پر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو یہ اختیار دیا ہے کہ یا تو وہ دنیا کی اس تر و تازگی کو اختیار کر لے یا اللہ کے تقرب کو مگر اُس بندے نے اللہ کے تقرب ہی کو اختیار کیا ہے ابو بکر یہ سن کے رونے لگے اور اُن کی زبان سے صرف اتنا ہی نکلا کہ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ ہم اب سمجھے کہ جس بندے کی طرف اشارہ ہے اور جسے یہ اختیار دیا گیا تھا وہ صرف حضور ہی ہیں۔ اِسمیں شک نہیں کہ ابو بکر ہم سے زیادہ اس بات کو جاننے والے تھے۔ حضور نے ارشاد کیا ابو بکر روؤ نہیں صبر کرو دیکھو ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ تمہیں پر اطمینان اور سب سے زیادہ تمھارا ہی مجھ پر احسان ہے اگر روئے زمین کے آدمیوں میں سے میں کسی کو دوست بناؤں تو تمھیں کو بناؤنگا ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ مسجد کے دروازوں میں سے سوائے ابو بکر کے دروازے کے اور سب دروازے بند کر دیئے جائیں اسکے علاوہ ابو بکر کے فضائل میں بہت سی صحیح حدیثیں پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اسلیئے اِس معاملے میں مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ رسولِ خدا ہجرت سے پہلے خدیجہ کے مال کی وجہ سے بہت مستغنی تھے اسلیئے آپکو دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت نہ تھی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ابو بکر کا حضور انور پر خرچ کرنا آپکے کھانے کپڑے کے متعلق نہ تھا کیونکہ اسمیں اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو تمام مخلوق کے مال سے بے پروا کر دیا تھا بلکہ ابو بکر کا خرچ کرنا اشاعت اسلام پر آپکی اعانت کی غرض سے تھا وہ اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھنے میں خرچ کرتے تھے نہ کہ نفس رسول پر جسمیں خدیجۃ الکبریٰ کے مال کے کافی یا ناکافی ہونے کا خیال کیا جائے۔ ابو بکر نے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہی بلال۔ عامر بن فہیرہ اور زنیرہ وغیرہ بہت سے ایسے آدمیوں کو خرید لیا تھا جنھیں مسلمان ہونے پر سخت تکلیفیں دیجاتی تھیں اس سے زیادہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اعانت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ہجرت کے بعد ابوبکر کے پاس بالکل کچھ نہ رہا تھا محض غلط ہے یہ تو اتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہجرت کے بعد بھی ابوبکر اپنے مال سے حضور انور کی برابر اعانت کرتے رہے انھیں ایکدفعہ حضور انور نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ابوبکر اپنا سارا مال لے آئے تھے اسی طرح اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ایک دن حضور انور انھیں کھانا کھلانے اپنے گھر لے گئے تھے اسکا مفصل ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اگر ابوبکر کچھ خرچ کرتے تو اُن کے حق میں قرآن شریف کی آیت ضرور نازل ہوتی جیساکہ علی کے حق میں ھل اتی علی الانسان۔ میں نازل کی گئی ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ہل اتی کا علی کے حق میں نازل ہونا ایسا ہے جسکے باطل ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے ہاں ایسے بعض مفسرین نے اسکا ذکر کیا ہے جنکی یہ عادت ہے کہ وہ موضوع قصّے اپنی تفسیروں میں لکھا کرتے ہیں اسکے جھوٹ ہونے کی ایک صریح دلیل یہ ہے کہ سورہ ہل اتی۔ باتفاق تمام علماء کے مکیہ ہے جو ہجرت سے پہلے فاطمہ زہرا کا علی کے ساتھ نکاح ہونے اور حسنین کے پیدا ہونے سے پہلے نازل ہو چکی تھی اس بارے میں چونکہ ہم پہلے کئی مرتبہ مفصل بحث کر چکے ہیں لہٰذا اس بحث کی ہم یہاں زیادہ ضرورت نہیں سمجھتے ہم کہتے ہیں کہ علی کے خرچ کرنے کی بابت کبھی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اسلیئے کہ اُن کے پاس کچھ مال ہی نہیں تھا وہ بالکل مفلس تھے ہجرت سے پہلے تو یہ حضور انور کے عیال میں سے تھے اور ہجرت کے بعد کبھی کبھی اتنی مزدوری کر لیتے تھے کہ کسی کے لیئے ایک ڈول پانی کا کھینچ دیا اور اُسنے اسکے عوض میں چند کھجوریں انھیں دیدیں۔ جب علی کی فاطمہ زہرا سے شادی ہوئی تو علی کے پاس سوائے پُرانی اور ٹوٹی پھوٹی زرہ کے اور کچھ نہ تھا ہاں ولیمہ کی تقریب انھوں نے ضرور کی تھی اور یہ وہ روپے تھے جو غزوۂ بدر میں انھیں ہاتھ لگے تھے۔

صحیحین میں خود علی سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ بدر کی غنیمت میں سے ایک اونٹ میرے حصے میں آیا تھا اور ایک اونٹ خمس میں سے رسول اللہ نے مجھے عطا کر دیا تھا جب میں نے ولیمہ کرنا چاہا تو بنی قینقاع کے ایک آدمی کو مزدوری پر نوکر رکھ لیا تھا وہ میرے ساتھ جا کے اذخر (گھاس) لایا کرتا تھا میرا ارادہ تھا کہ یہ اذخر فروخت کر کے اسکے روپے سے ولیمہ کر دونگا ایک دن میں اپنے اونٹوں کے کجاووں اور رسیوں کا انتظام کرتا پھرتا تھا میرے یہ دونوں اونٹ ایک انصاری کے گھر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اسی گھر میں امیر حمزہ شراب پیئے ہوئے نشے میں بیٹھے تھے اور ایک لونڈی اُن کے آگے گا بجا رہی تھی اُسنے گاتے گاتے یہ مصرع گایا۔ الا یا حمزۃ لشرف النواء۔ یعنی اے حمزہ دیکھو کیسے تیار اونٹ ہیں یہ سنتے ہی حمزہ اُٹھے اور میرے اونٹوں کے کوہان کاٹ لیئے اور کوکھیں بھی

کر دیئے علی نے یہ قصہ آگے تک ذکر کیا ہے جسکے یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے بخاری کا بیان ہی کہ یہ قصہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے - باقی صدیق کی بابت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والونکی تعریف میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں اُن میں ساری امت سے پہلے صدیق مراد ہیں اور اسپر تمام مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے منجملہ اور آیتوں کے چند آیتیں یہ ہیں لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا - الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم - وسیجنبھا الاتقی ہ الذی یوتی مالہ یتزکی ہ بہت سے مفسرین مثلاً ابن جریر طبری - عبدالرحمن بن ابی حاتم وغیرہ نے عروہ بن زبیر - عبداللہ بن زبیر اور سعید بن مسیب وغیرہ سے باسانید صحیحہ یہ بیان کیاہی کہ یہ آیتیں ابو بکر کے حق میں نازل ہوئی ہیں -

ابو بکر کا امام بننا

شیعی علما فرماتے ہیں کہ ابو بکر کو نماز پڑھانے کیلئے آگے کھڑا کر دینا بھی غلطی سے ہو گیا تھا اسکی وجہ یہ ہی کہ جب بلال نے اذان دی تو عائشہ نے کہدیا کہ ابو بکر کو امام بنادو لوگوں نے اُنکے کہنے سے امام بنادیا تھوڑی دیر کے بعد جب رسول اللہ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپنے یکایک اللہ اکبر کی آواز سنی دریافت کیا کون نماز پڑھا رہاہی حاضرین نے کہا ابو بکر - آپنے فرمایا مجھے لیچلو - چنانچہ علی اور عباس کے کندھوں پر ہاتھ رکھکر رسول اللہ باہر نکلے اور اُسی حالتمیں مسجد میں پہنچ کے ابو بکر کو قبلے کیطرف سے ہٹادیا اور امامت سے علٰحدہ کر کے خود نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے

جواب

یہ بالکل غلط اور محض غلط ہی اس قول کا غلط ہونا تمام علماء حدیث پر ظاہر وباہر ہے شیعی علما سے سب سے بڑا سوال یہ ہی کہ یہ روایت کس راوی نے اس سند سے نقل کی ہی کہ اسپر اعتماد کر لیا جائے - یہ روایت سوائے اُن کتابوں کے اور کہیں نہیں ہی جو شیعوں نے مرسلاً نقل کی ہیں اور یہ نقل کرنے والے ہمیشہ ایسی ہی بے تکی باتیں نقل کر دیا کرتے ہیں اور یہ لوگ یقیناً حضور انور کے صحیح حالات سے بالکل ناواقف ہیں مثلاً مفید بن نعمان اور کراجکی وغیرہ کہ یہ رسول اللہ کے حال اقوال اور اعمال کی معرفت سے بہت ہی دور ہیں -

دوسرا جواب

یہ قول اُن اصحاب کا ہی جنھیں اصل واقعہ کی مطلق خبر نہیں ہی اُنھیں یہ بھی خبر نہیں کہ حضور انور کی بیماری کے دنوں میں ابو بکر نے کتنی نمازیں پڑھائیں یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ ابو بکر امام بنے تھے اس سے زیادہ ناواقفیت اور کیا ہو سکتی ہی اہل علم یقیناً جانتے ہیں کہ حضور انور کی اجازت سے نماز کے لیئے اُنھیں خلیفہ بنادینے کی وجہ سے حضور انور کے وصال ہونے تک ابو بکر ہی نماز پڑھاتے رہے حالانکہ عائشہ اور حفصہ نے بہتیرا انکار کیا مگر آپنے نماز پڑھانے کی اجازت اور کسی کو نہیں دی کئی روز تک برابر ابو بکر نے پڑھائی اس سے پہلے جب آپ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کی غرض سے اُنکے ہاں تشریف لیگئے تب بھی نماز کیلئے ابو بکر ہی کو خلیفہ کیا تھا

یہ کہیں منقول نہیں ہی کہ حضور انور نے اپنی عدم موجودگی میں ابوبکر کے سوا اور کسی کو نماز کا خلیفہ بنایا ہو اور وہ عدم موجودگی خواہ آپکے سفر کی وجہ سے ہوئی ہو یا بیمار ہونے کی وجہ سے ہاں جنگ تبوک میں ایک مرتبہ صبح کی نماز زیادہ اُجالا ہونے پر عبدالرحمن بن عوف نے بیشک پڑھادی تھی اسکی وجہ یہ تھی کہ حضور انور باہر تشریف لیگئے تھے وہاں آپکو دیر ہوئی جاتی تھی اُجالا زیادہ بڑھتا جاتا تھا اسلیئے مسلمانوں نے عبدالرحمن کو جلدی سے کھڑا کردیا وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور انور تشریف لے آئے مغیرہ بن شعبہ آپ کے ہمرکاب تھا حضور نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا پھر جماعت میں ملگئے آپ کو ایک رکعت ملی وہ آپ نے جماعت کے ساتھ پڑھکے دوسری رکعت علیحدہ پڑھ لی اور چونکہ نماز کو دیر ہوئی جاتی تھی اسلیئے عبدالرحمن کے پڑھادینے سے آپ بہت خوش ہوئے۔ حضور انور کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی مدینے سے سفر کرتے تھے تو کسی نہ کسی کو نماز پڑھانے کے لیئے اپنا خلیفہ کرجاتے تھے چنانچہ ایک دفعہ ابن اُمِ مکتوم کو خلیفہ کیا اور ایک مرتبہ علی کو اور بعض اوقات آپنے اوروں کو بھی خلیفہ بنایا ہی لیکن بیماری کی حالت میں جبکہ آپ اپنے حجرے سے باہر تشریف نہ لاسکتے تھے تو آپنے اس حالتمیں نماز کا خلیفہ اور کسیکو نہیں کیا نہ علی کو نہ کسی دوسرے شخص کو نماز کے لیئے صدیق کو خلیفہ بنانا صحاح سنن اور مسانید وغیرہ میں متعدد طریقوں سے متواتر ثابت ہے مثلاً بخاری۔ مسلم۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان وغیرہ نے اہل صحیح سے اُنھوں نے ابوموسی اشعری سے روایت کی ہی وہ کہتے ہیں کہ جب حضور انور کا مرض بہت بڑھ گیا تو آپ نے یہ حکم دیا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھادیں اسپر عائشہ نے کہا یارسول اللہ ابوبکر تو بہت ہی رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہونگے تو اُن سے نماز نہ پڑھائی جائے گی آپنے فرمایا نہیں ابوبکر ہی سے کہو وہی پڑھائیں گے۔ پھر حضور کی زندگی میں ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے اس بارے میں حضور انور کے حکم دینے پر عائشہ کے تین دفعہ انکار کرنے کو امام بخاری نے ذکر کیا ہی اس حدیث میں اس بات کا پورا ثبوت ہے کہ حضور انور کی زندگی میں بیمار ہونے کے وقت ابوبکر ہی نماز پڑھایا کرتے تھے یہانتک کہ آپ کی وفات ہوگئی اسپر تمام علماء نقل کا اتفاق ہی حضور انور کئی روز بیمار رہے ان دنوں میں جیساکہ اوپر ذکر ہوا سوائے ابوبکر کے کسی نے نماز نہیں پڑھائی سوا اسکے علاوہ حضور انور کے حجرے کا دروازہ مسجد ہی کی طرف تھا ایسی حالتمیں یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ آپنے کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہو اور بغیر آپ کی اجازت کے ان سب دنوں میں ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے ہوں اگر ایسا ہوتا تو صحابہ اسمیں ضرور رد و قدح کرتے حالانکہ کسی نے بھی کچھ نہیں کیا علی اور عباس وغیرہ بھی حضور انور کے حجرے میں برابر آتے جاتے تھے جیساکہ خود شیعی علماء اقرار کرتے ہیں کہ ایکدن حضور انور علی اور عباس کے کندھوں پر ہاتھ رکھکے باہر تشریف لائے تھے۔ یہ ثابت ہوچکا ہی کہ حضور انور کا مرض جمعرات کے دن شروع ہوا تھا اور اسپر سب کا اتفاق ہے کہ آپکی وفات اگلے ہفتے پیر کے دن ہوئی اس حساب سے آپکے مرض کی مدت بارہ روز ہوئی۔ صحیح میں عبیداللہ بن عبداللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں عائشہ صدیقہ کی خدمتمیں گیا اور یہ عرض کیا مجھے رسول اللہ کے مرض کی کیفیت سناؤ فرمایا حال یہ ہی کہ ایک دن رسول اللہ کو بہت زیادہ تکلیف ہوگئی تھی جب کچھ افاقہ معلوم ہوا تو آپنے پوچھا کہ کیا مسجد میں کچھ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں میں نے عرض کیا یارسول نہیں۔ آپکا انتظار کررہی ہیں فرمایا اچھا پانی لاؤ میں غسل کرونگا مینے پانی حاضر کردیا جب آپ اُٹھنے لگے تو غش آگیا کچھ دیر کے بعد پھر افاقہ ہوا تو پوچھا کیا نماز ہوچکی ہی مینے عرض کیا نہیں نمازی آپکا انتظار کررہے

ہیں فرمایا پھر پانی لاؤ میں نے پیش کر دیا آپ نے غسل کیا جب کھڑے ہونے لگے تو پھر غش آگیا چنانچہ پھر آپ کو افاقہ ہوا اور پھر آپ نے نماز کی بابت دریافت کیا یہی عرض کیا گیا سب آپکی انتظار میں بیٹھے ہیں یہ قصہ عشا کے وقت کا ہے اُسوقت سب آدمی مسجد میں بیٹھے ہوئے حضور انور کا انتظار کر رہے تھے حضور انور نے ابو بکر کو خود ہی آدمی بھیج کے یہ کہلا بھیجا کہ تم نماز پڑھادو آدمی اُن کے پاس پہنچا اور کہا کہ رسول اللہ کا یہ ارشاد ہے ابو بکر بہت ہی رقیق القلب تھے آپنے عمر سے کہا کہ تم نماز پڑھادو عمر نے جواب دیا سب سے زیادہ حقدار ابو بکر تم ہی ہو اسکے بعد ابو بکر نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے اور ان دنوں اُنھوں نے ہی نماز پڑھائی ایک روز ظہر کا وقت تھا حضور کو اپنے مرض میں کچھ تخفیف معلوم ہوئی آپ ظہر کی نماز مسجد میں پڑھنے کیلئے دو آدمیوں کے کندھوں کا سہارا لیکے باہر تشریف لائے اُن میں ایک عباس تھے ابو بکر اُسوقت نماز پڑھا رہے تھے جب انھیں معلوم ہوا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں تو ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے حضور انور نے اشارہ کیا کہ تم پیچھے نہ ہٹو اور ان دونوں سے فرمایا کہ مجھے ان کے پاس ہی بٹھادو ابو بکر تو کھڑے ہوئے حضور انور کی اقتدا کر رہے تھے اور باقی سب مسلمان کھڑے ہوئے ابو بکر کی اقتدا کر رہے تھے اور حضور انور بیٹھے ہوئے تھے فقط

عبید اللہ کہتے ہیں میں یہ سب کیفیت سنکر ابن عباس کے پاس گیا اور اُن سے اجازت لیکے میں نے عائشہ صدیقہ کا قصہ سُنایا وہ سب غور سے سنتے رہے مگر اُنھوں نے کسی بات کا انکار نہیں کیا سوائے اتنی بات کے مجھ سے یہ پوچھنے لگے کہ صدیقہ نے اُس آدمی کا نام بھی لیا جو عباس کے ساتھ تھا میں نے کہا نہیں فرمایا وہ علی بن ابی طالب تھے۔

یہ قصہ ہے جس میں عائشہ اور ابن عباس دونوں یک زبان ہیں اور یہ دونوں حضور انور کے مرض کو اور نماز پڑھانے کیلئے ابو بکر کے خلیفہ کر دینے کو ایک ہی طرح بیان کرتے ہیں یعنی یہ کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے سے پہلے کئی روز تک ابو بکر ہی نے سب کو نماز پڑھائی تھی اور جب آپ ظہر کی نماز کے لیئے باہر تشریف لائے تو ابو بکر کو یہ حکم دیدیا تھا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں اپنی جگہ کھڑے رہیں ابو بکر نے اس حکم کی تعمیل کی حضور انور کے پہلو میں بیٹھ گئے لوگ ابو بکر کی نماز کی اقتدا کرتے تھے اور ابو بکر حضور انور کی نماز کی۔ اس قصے کی تصدیق کرنے اور اُسے بسر و چشم منظور کرنے پر تمام علماء متفق ہیں اور اُنھوں نے اس سے بہت سے فقہی مسائل استنباط کئے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ نے تو نماز بیٹھ کے پڑھی اور ابو بکر صدیق اور باقی سب آدمیوں نے کھڑے ہو کے تو آیا اس نماز کا اس طرح ہونا صرف رسول اللہ کی خصوصیت سے تھا یا یہ حضور انور کے اس ارشاد کے لیئے ناسخ تھا کہ "اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون" یعنی جس وقت امام بیٹھ کے نماز پڑھے تو تم بھی سب بیٹھ کے ہی نماز پڑھو۔ یا یہ دونوں طرح جائز ہے؟ غرض اسکی تین صورتیں ہیں اور علماء کے بھی اسمیں تین ہی اقوال ہیں پہلا قول تو امام مالک اور امام محمد حسن کا ہے۔ دوسرا امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا۔ تیسرا امام احمد۔ حماد بن زید اور اوزاعی وغیرہ کا جن کا فتوی ہے کہ امام کسی تکلیف کی وجہ سے بیٹھ کے نماز ادا کرے تو سارے مقتدی بھی بیٹھ کے پڑھیں۔ [illegible] صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب امام کسیکو خلیفہ کر دے اور پھر نماز ہوتے ہوئے وہ امام آجائے تو کیا یہ پہلا امام باقی نماز پوری کرا دے جیسا کہ رسول خدا نے اپنی بیماری میں کیا تھا یا یہ حضور کی خصوصیت کی وجہ سے ہوا تھا؟

اس میں دو قول ہیں اور یہی دونوں صورتیں امام احمد کے مذہب میں ہیں اور ابن عباس اور صدیقہ کے بیان کردہ قصہ میں اسکی پوری پوری تصدیق ہوئی ہے ابن عباس اور صدیقہ میں کچھ شکر رنجی تھی اسی طرح علی اور صدیقہ میں علی کی بعض ناواجب

باتوں سے شکر رنجی ہوگئی تھی ممکن ہے کہ اسی وجہ سے صدیقہ نے علی کا نام نہ لیا ہو۔ باوجود اسکے ابن عباس نے سب باتوں میں صدیقہ کی تصدیق کی اور یہ بھی بتادیا کہ وہ علی تھے۔

صحیحین میں صدیقہ سے مروی ہے کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کر دینے پر انکار تو بیشک کیا اور وہ بھی زیادہ تر اسوجہ سے کہ میرے دل میں اس بات کا خیال بھی تھا کہ رسول اللہ شاید یہ چاہتے ہوں کہ لوگ آپکے بعد آپ کا قائم مقام کسی اور کو نہ کریں ورنہ میری رائے تو یہ تھی کہ رسول اللہ کا قائم مقام کوئی نہ ہو ورنہ جو ہوگا لوگ اُسے منحوس ضرور سمجھیں گے اسی لیئے میں یہ چاہتی تھی کہ رسول اللہ ابوبکر کو تو اس سے معاف ہی رکھیں۔

صحیحین میں صدیقہ سے ایک اور جگہ بھی یہ مروی ہے کہ جب رسول اللہ کا مرض زیادہ بڑھ گیا تو ایک دن بلال رسول اللہ کو نماز کی خبر دینے آئے آپ نے اُسوقت یہ فرمادیا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھادیں گے اسپر میں نے یہ کہا یا رسول اللہ ابوبکر تو بہت رقیق القلب ہیں وہ جس وقت آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو تکبیر وغیرہ کی لوگوں کو آواز بھی نہ سنا سکیں گے آپ عمر فاروق کو حکم فرمادیں وہ پڑھادیں گے۔ فرمایا نہیں ابوبکر سے کہو وہی نماز پڑھادیں۔ اسپر میں نے حفصہ سے کہا تم رسول اللہ سے کہو کہ ابوبکر بہت رقیق القلب ہیں۔ وہ آپ کی جگہ کس طرح کھڑے ہونگے۔ ان کی اتنی آواز نہیں نکلنے کی کہ وہ لوگوں کو سنائی دیگی۔ عمر فاروق کے لیئے اجازت دیدیجئے۔ حفصہ نے اسی طرح رسول اللہ سے کہدیا اسپر آپ نے یہ فرمایا تم صواحب یوسف کی طرح ہو تم میرے کہنے پر چون وچرا کیوں کرتی ہو۔ ابوبکر سے کہو وہی نماز پڑھائیں گے۔

بخاری کی روایت میں عائشہ صدیقہ کے کہنے کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ حفصہ نے میرے کہنے کے مطابق رسول اللہ سے عرض کردیا رسول اللہ نے یہ سنکے فرمایا خبردار تم صواحب یوسف ہو اُس وقت حفصہ نے مجھ سے یہ کہا کہ دیکھو یہ تم نے کیا کیا ایسی بات جس سے مجھے کوئی بھلائی پہنچ جائے تم نہیں کرتیں۔ فقط

ان حدیثوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ عائشہ صدیقہ کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ اُن کے بزرگ والد ابوبکر امام بن کے نماز پڑھائیں یہاں ہمیں یہی ثابت کرنا تھا اور ہم کرچکے یہاں تک امامت کے انکار پر اصرار تھا کہ حفصہ سے بھی یہی کہلوایا کہ شاید ان کی بات پذیرا ہوجائے جسپر حضور انور نے اُنھیں ملامت کی اور اُسے خلاف قرار دے کے مثل اس مراودت کے قرار دیا جیسا صواحب یوسف نے خود یوسف کے ساتھ کی تھی۔

غرض یہ اس امر کی صریح بین اور صاف دلیل ہے کہ نماز میں ابوبکر کے سوا اور کسیکو امام بنانا ایسا خلاف امر تھا کہ اُسکے کرنے والے کی ویسی ہی بُرائی کی جائے جیسی اُن عورتوں کی کی گئی ہے جنھوں نے یوسف کو بہکایا تھا اور یہ باوجود اس بات کے ہے کہ ابوبکر صدیق نے عمر فاروق سے خود کہا تھا کہ نماز تم پڑھادو مگر اُنھوں نے نہیں پڑھائی اور یہ جواب دیا کہ اس کے سب سے زیادہ حقدار اور لائق تم ہی ہو بس یہ اس بارے میں عمر فاروق کا اقرار تھا کہ اسکا حقدار تم سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے جیسا کہ آپنے خلافت کے بارے میں بھی یہ اقرار کرلیا تھا کہ اسکے بھی مجھ سے اور تمام صحابہ سے زیادہ حقدار تم ہی ہو مقصود یہ ہے کہ نماز پڑھانے میں ابوبکر کئی روز تک خلیفہ رہے تھے۔ اس پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے اور اُنھیں اہل صحیح نے۔ ابوموسیٰ۔ ابن عباس عائشہ صدیقہ۔ ابن عمر اور انس وغیرہ کی سندوں سے نقل کیا ہے۔ انس سے روایت ہے جس مرض میں رسول اللہ کی وفات

ہوئی ہے آخر میں آپ تین دن باہر تشریف نہیں لائے۔ تیسرے دن جب تکبیر ہوئی تو ابوبکر آگے ہونے لگے اتنے میں رسول اللہ نے فرمایا پردہ باندھ دو وہ باندھ دیا گیا۔ جب رسول اللہ کا منور چہرہ ہمیں معلوم ہوا تو ہم نے ایسا خوش منظر دیکھا نہ اس سے زیادہ کبھی دیکھا نہ تھا پھر رسول اللہ نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر کی طرف اشارہ کر دیا کہ تم ہی نماز پڑھاؤ اور پھر آپ نے پردہ چھوڑ وا دیا اور باہر تشریف نہ لاسکے یہانتک کہ وفات ہوگئی۔ فقط

یہاں انس نے یہ بیان کر دیا کہ رسول اللہ کا دوسری دفعہ باہر تشریف لانا حجرہ کے دروازہ ہی تک تھا جو تین روز کے بعد ہوا تھا اور ان تین دن میں ابوبکر ہی نماز پڑھاتے رہے تھے جیسا کہ حضور انور کی پہلی دفعہ باہر تشریف لانے پر بھی جب آپ علی اور عباس کے کندھوں پر سہارا دے کے نکلے تھے۔ ابوبکر ہی پڑھاتے رہے۔ یہ ساری باتیں صحیح میں اس طرح ثابت ہیں گویا تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

انس کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے ابوبکر کی طرف اشارہ کیا کہ تم نماز پڑھا دو وہ پڑھانے لگے بس یہ آخری نماز تھی جو مسلمانوں نے رسول اللہ کی زندگی میں پڑھی تھی اور رسول اللہ کا یہ اشارہ کیا تو نماز میں تھا یا نماز سے پہلے تھا۔ اس قصہ کی ابتدا میں رسول اللہ نے ابوبکر کے پاس کئی آدمی بھیجے تھے اور انھوں نے جا کے نماز پڑھانے کے لیے کہا تھا یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رسول اللہ کا پیغام پہنچانے والی عائشہ صدیقہ ہرگز نہ تھیں نہ انھوں نے اپنے بزرگ باپ سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے۔ جیسا کہ مفتری گمان کرتے ہیں۔ پس ان مفتریوں کا یہ کہنا کہ جب بلال نے اذان دی ہے تو عائشہ نے اُن سے کہدیا کہ ابوبکر کو امام بنالو بالکل غلط اور سفید جھوٹ ہے۔ عائشہ صدیقہ نے ابوبکر کو امام بنانے کو کبھی نہیں کہا اور نہ اس کے متعلق کوئی اور بات کہی نہ بلال نے اُن سے یہ بات سنی بلکہ بلال نے خود ہی حضور کو نماز کی خبر دی تھی کہ اسوقت جماعت تیار ہے۔ بلال وغیرہ جتنے آدمی اُس وقت حضور انور کی خدمت میں حاضر تھے آپنے سب سے یہ فرما دیا تھا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھا دینگے۔ اس خطاب میں آپ نے عائشہ صدیقہ کی خصوصیت نہیں کی۔

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ جب رسول اللہ کو کچھ افاقہ ہوا اور آپ نے اللہ اکبر کی آواز سنی تو پوچھا کہ لوگوں کو کون نماز پڑھا رہا ہے حاضرین نے کہا ابوبکر۔ فرمایا مجھے باہر لے چلو یہ صریح جھوٹ اور حضور انور پر ایک بڑا بہتان ہے کیونکہ ان مستفیضہ نصوص سے جن کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے سے پہلے ابوبکر نے کئی روز نماز پڑھائی تھی جیسا کہ حضور انور کے باہر تشریف لانے کے بعد بھی کئی روز نماز پڑھائی۔

اسکے علاوہ یہ متواتر معلوم ہو چکا ہے کہ حضور انور کئی روز ایسے بیمار رہے کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھا سکے لہذا مفتریوں کو یہ بتانا چاہیئے کہ ابوبکر کے سوا اور کون شخص تھا جو ان دنوں میں لوگوں کو نماز پڑھاتا رہا حالانکہ کہیں کسی نے یہ نقل نہیں کیا نہ کسی مردود سے مردود روایت میں ہم نے کسی شخص کا نام دیکھا۔ جب یہ بات ہے تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ بس نماز پڑھانے والے ابوبکر ہی تھے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ حضور انور کو اسکی اطلاع نہ ہوئی ہو۔ یا مسلمانوں نے اس میں حضور سے اجازت نہ لی ہو کیونکہ ایسا ہونا عادتاً اور شرعاً ہر طرح ممتنع اور محال ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حضور انور کی اجازت اور رضامندی سے ہوا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ فقط تیسرا مقدمہ ختم ہو گیا۔

جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے۔ اسکی تصدیق وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں صحیح روائتوں کا پورا علم
ہے اور جو درایت اور تنقید کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اور جنھوں نے حضور انور کے احوال عربی تمدن۔ اور صحابہ کے
آثار اور معاشرت میں غور کی ہے۔ یقیناً اسکا ایک ایک استدلال اٹل ہے اور تمام دنیا ملکے بھی اس کو نہیں توڑ سکتی۔
ہم نے ابتدا میں یہ دعوے کیا تھا کہ محض خیال آفرینی پہ ہمارے استدلال اور تنقید واقعات کی بنا نہیں ہوگی۔
بلکہ ہر واقعہ کا ایسا بدیہی ثبوت دیا جائیگا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ الحمد للہ کہ اسمیں کامیابی ہوئی۔ کسی کی
مجال یہ نہیں ہے کہ اسکے کسی استدلال کو ضعیف ثابت کر سکے۔ اسکا توڑنا تو کجا۔
عالم اور پڑھے لکھے شیعہ دم بخود ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ کر بھی نہیں سکتے
تحفہ وغیرہ کا جیسا انھوں نے جواب دیا ہے دیا ہے مگر اسکے خلاف قلم اُٹھانا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔
اسکی بین دلیل یہ ہے کہ شیعی علمی دنیا بالکل سناٹے میں ہے اور وہ اسی طرح سناٹے میں رہے گی۔ بدیہی بات کا جواب
ہی کیا ہو سکتا ہے۔ ہر بات آنکھوں سے دکھا دی پھر بھلا اسکی تکذیب ہوشمند کیونکر کر سکتا ہے میں اللہ تعالے
کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اپنی اس مشن میں مجھے پوری کامیابی ہوگئی مسلمانوں پر جدید تحقیق کا دروازہ کھل گیا
اُنھیں سچے سچے واقعات معلوم ہوگئے اور جن باتوں پر پردہ پڑا ہوا تھا وہ روز روشن کی طرح چمکنے لگیں غرض
اصلی اور سچے سچے واقعات ہر کہ ومہ کو معلوم ہوگئے۔ اس سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی ہوئی معلوم
ہوتی ہے۔ وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ شیعہ سنی کا یہ جھگڑا تعلیم یافتہ جماعت میں بالکل مٹ جائیگا۔
ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو سچی باتوں کی قدر کرنے لگا ہے اور یہ گروہ سنی شیعہ دونوں میں سے بنا ہے
پُرانے تعصبات جو محض جہالت کی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے دُور ہونے لگے
ہیں اگر حق پوچھیئے تو شیعہ سنی دونوں کے لیئے کتاب شہادت
نے آب حیات کا کام کیا ہے۔ شروع شروع میں لوگ اس
کے نام سے بیزار تھے مگر اب اُنکی یہ بیزاری خواب و خیال
ہوگئی ہے اور وہ بڑے شوق سے اُسکا مطالعہ
کرتے اور اصلی واقعات کے کھلنے سے
خوش ہوتے ہیں
الحمد للہ

تیسرا مقدمہ ختم ہوگیا